مردِ مومن

امام الاولیاء حضرت مولانا مولوی احمد علی صاحب نور اللہ مرقدہٗ

کی

پاک زندگی کے پاکیزہ حالات

ترتیب و تکمیل

عبد الحمید خان

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝
یاد رکھو کہ جو اللہ کے دوست ہیں اُن پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے
(پارہ ۱۱ سورہ یونس آیت ۶۲)

مردِ مومن

امام الاولیاء حضرت مولانا مولوی احمد علی صاحب نور اللہ مرقدہٗ
کی
پاک زندگی کے پاکیزہ حالات

ترتیب و تکمیل
عبد الحمید خان

فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ
لاہور۔ راولپنڈی۔ کراچی

حافظ حبیب اللہ صاحب (مکہ معظمہ)
مولانا عبید اللہ صاحب انور
مولانا حافظ حمید اللہ صاحب

کے نام
جنھوں نے
اپنی زندگیاں اپنے والد گرامی کی پیروی میں
خدمت کتاب و سنّت
کے لیے
وقف کر دی ہیں!

فہرست عنوانات

فہرست تصاویر

مابین صفحات

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِینَ اصطَفٰی

حرفِ آغاز

قرآنِ حکیم نے انبیاء علیہم السلام کے حالات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:-

لَقَد کَانَ فِی قَصَصِہِم عِبرَۃٌ لِّاُولِی الاَلبَابِ (یوسف ۱۱۱)

(البتہ ہے ان کے احوال میں عبرت اہل عقل کے لیے (تسہیل القرآن)

اس ارشادِ باری کی روشنی میں دانشمند اور صاحبِ فہم و فراست وہی لوگ ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے حالات و واقعات سے عبرت کریں اور ان کے کارناموں سے سبق سیکھیں۔ کیونکہ یہی وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جن کی زندگیاں دنیا والوں کے لیے مشعلِ ہدایت اور رہنمائے منزل ہیں بھٹکی ہوئی دنیا انہی کی حیاتِ طیبہ کو اپنا کر سکھ کا سانس لے سکتی ہے اور یہی وہ مقدس و پاکباز ہستیاں ہیں جن کی تعلیمات کے سائے میں سسکتی ہوئی انسانیت امن و عافیت کی دولت سے بہرہ مند ہو سکتی ہے۔

اسی طرح ایسے بندگانِ خدا جو انبیاء کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں، جن کے دل ذاتِ خداوندی کی طرف جھکے رہتے ہیں، انابت الی اللہ جن کا اوڑھنا بچھونا ہے وہ بھی مرکزِ ہدایت بن جاتے ہیں۔ ان کی پیروی بھی خداوند قدوس کی طرف سے لازم کردی جاتی ہے۔

وَاتَّبِع سَبِیلَ مَن اَنَابَ اِلَیَّ (لقمٰن ۱۵) (ترجمہ: اور چل راہ پر اس کے جو رجوع کرتا ہے میری طرف (تسہیل القرآن)

یہی انابت اور رجوع الی اللہ ہے جس کے باعث موت کے وقت آرام و اطمینان کی بشارت ملتی ہے۔ قرآنِ حکیم پکار پکار کر کہتا ہے کہ دنیوی زندگی میں اطاعت و انابت کی راہ اختیار کرنے والوں کو موت کے وقت یہ پیغام ملتا ہے۔

يَاَيَّتُهَا النَّفْسُ ——— وَادْخُلِی جَنَّتِیْ (الفجر، ۲۷تا ۳۰)

"اے جان اطمینان والی! لوٹ چل اپنے رب کی طرف۔ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی پس شامل ہو میرے بندوں میں اور داخل ہو میری جنت میں۔" (تسہیل القرآن)

یہی وجہ ہے کہ مختلف ادوار میں اکثر رہنمایانِ انسانیت کے حالاتِ زندگی اس غرض سے قلمبند کیے گئے کہ آنے والی نسلیں ان سے فائدہ اٹھائیں، ان کی روشنی میں اپنی زندگی کے خطوط متعین کریں اور کامیابی و کامرانی کی منزلوں سے ہمکنار ہوں۔

اس دور میں امام الاولیاء صدیقِ دوراں حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ العزیز کی ذاتِ گرامی بھی ایسی ہی عظیم الصفات شخصیات میں سے ایک تھی جن کی سیرت کا ہر پہلو نسلِ جدید کے لیے پیغامِ عمل اور نشانِ منزل بن سکتا ہے۔ آپ کے فیوض و برکات کا سلسلہ نہ صرف لاہور اور پاکستان بلکہ چار دانگِ عالم میں پھیلا ہوا ہے کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں آپ کا کوئی نام لیوا نہ ہو اور دنیا کا کوئی خطہ نہیں جہاں آپ کے کسی فیض یافتہ نے مسندِ علم و عرفان نہ سجائی ہو۔ پھر نہ صرف یہ کہ دیندار طبقہ ہی فیضیاب ہوا بلکہ لاکھوں کی تعداد میں مغرب زدہ لوگ اور مادیت پرست دماغ بھی آپ کی روحانی عظمت کے گرویدہ ہو کر حلقہ بگوش ارادت ہوئے۔ اس طرح آپ کی ذات ستودہ صفات جدید و قدیم ہر دو مکاتبِ فکر کے لیے مرکزِ ہدایت اور مجمع البحرین بھی بلایقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس دور میں جس قدر لوگ حضرت رح کی ذاتِ گرامی سے متاثر ہوئے اور عوام و خواص، علمائے کرام، فضلائے عصرِ حاضر اور انگریزی دان حضرات نے جس درجہ عقیدت مندی کا اظہار آپ کی ذاتِ گرامی سے کیا اس کی نظیر ملنا محال ہے۔ آپ کے فیضانِ صحبت کا یہ اثر کہ دیکھتے ہی دیکھتے دلوں کی دنیا بدل گئی۔ چنانچہ ضروری تھا کہ اس قطبِ زمانہ اور شیخ یگانہ کے حالاتِ زندگی جن سے اکثر لوگ سچے فدائی اور شیدائی ہونے کے باوجود بھی ناواقف ہیں منظرِ عام پر لائے جائیں اور ان کو کتابی

صُورت دی جائے تاکہ موجودہ پود کے علاوہ آیندہ نسلیں بھی اس چشمۂ حقیقت و معرفت سے قیامت تک سیراب ہوتی رہیں۔

اس خیال کو عملی شکل دینے کی غرض سے متعدد مخلص احباب اور عقیدت مندوں نے حضرتؒ سے بارہا درخواست کی کہ حضرتؒ کی سوانح حیات ان کی زندگی ہی میں مرتّب ہو جائے۔ لیکن حضرتؒ شدید مجبوریوں، مصروفیتوں اور اپنی اُفتادِ طبع کی وجہ سے رضامند نہ ہوتے تھے۔ آخر جناب منظور سعید احمد صاحب جالندھری کے پیہم اصرار پر آپ نے ہفتہ میں ایک گھنٹہ اس مقصد کے لیے دینے پر آمادگی کا اظہار فرمایا۔ طریقِ کار یہ طے ہُوا کہ چند سوالات مرتّب کر کے لکھ لیے جائیں اور حضرتؒ ان کے جوابات لکھوا دیا کریں۔ لیکن یہ سلسلہ حضرتؒ کی مصروفیات کے باعث زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا اور اس طرح یہ عظیم کام تشنۂ تکمیل رہا۔ تاہم منظور سعید صاحب کا جمع کیا ہوا مسودہ ایک قیمتی دستاویز اور قلمی یادداشت کی شکل میں محفوظ ہو گیا۔ زیرِ نظر کتاب کا ابتدائی حصہ اسی مسودہ سے ماخوذ ہے۔

حضرتؒ کے واقفانِ حال بخوبی جانتے ہیں کہ آپ کس درجہ دُوررس، معاملہ فہم اور حقائق شناس تھے۔ مومنانہ فراست کا تو یہ عالم تھا کہ "قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید" کا مصرعہ آپ کی ذاتِ گرامی پر چار چول چوکس بیٹھتا ہے۔ آپ کو علم ہو گیا کہ بعض نااہل افراد جو علم و ادب کے ذوق سے قطعی عاری ہیں آپ کی سیرت جمع کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں چنانچہ حزم و احتیاط کو بروئے کار لاتے ہوئے آپ نے اپنے وصال سے چند روز قبل مختلف اخبارات اور ہفت روزہ خدامُ الدّین میں یہ بیان شائع کرایا کہ "میرے حالات میری اُولاد کے سوا کسی کو شائع کرنے کی اجازت نہیں۔"

مقصد صرف یہی تھا کہ سوانح حیات کی ترتیب و تدوین کے سلسلے میں کوئی شخص ذاتی منفعت کی غرض سے خود ساختہ داستانوں کے سہارے رطب یابس کا ذخیرہ جمع نہ کر دے اور اس طرح

مخلوقِ خدا کو اصل حقائق و معارف سے غافل رکھ کر گمراہی کا شکار رہنا ہے۔

حضرتؒ کے انتقال کے بعد آپ کے عقیدت مندوں کے شدید تقاضوں اور عوام و خواص کے بے پناہ اصرار پر میں نے آپ کے خلف الرشید اور جانشین حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم سے آپ کی سیرت مرتب کرنے کی درخواست کی لیکن آپ نے اپنی مصروفیتوں اور حضرتؒ کے وصال سے پیدا شدہ ذمہ داریوں کے باعث معذوری کا اظہار کر کے یہ فریضہ نہایت فراخدلی اور کمال شفقت سے میرے سپرد فرما یا میں نے اس کارِ خیر میں اپنی سعادت اور نجاتِ اخروی کا نور جھلکتا دیکھا تو اسے محض فضل ایزدی سمجھ کر بہ تن اس عظیم کام میں منہمک ہو گیا حضرت مولانا عبید اللہ مدظلہ نے ہر طرح سرپرستی فرمائی اور منظور سعید صاحب کا مُرتب کردہ مذکرہ مسودہ جس پر حضرتؒ نے اپنے مقدس اور پاک ہاتھوں سے خود کئی مقامات کی تصحیح فرمائی تھی ازراہِ کرم مجھے عنایت فرمایا۔

حضرت مولانا عبید اللہ انور نے ازراہِ بندہ نوازی ۱۷ اگست ۱۹۶۲ء کے خدام الدین میں ایک اعلان شائع کرایا جس کا متن حسب ذیل تھا:

"حضرتؒ کے عقیدت مند یہ سُن کر خوش ہوں گے کہ پاکستان کے مشہور ادارہ طباعت و اشاعت فیروز سنز نے اس یگانہ دینی رہنما کے سوانح حیات پر مشتمل ایک مبسوط و مستند کتاب شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور اس گراں قدر کام کے لیے حضرت مولاناؒ سے قریبی تعلق رکھنے والے ایک اہل قلم کی خدمات حاصل کرلی ہیں۔

لیکن ظاہر ہے کہ اس جلیل القدر شخصیت کے حیات پر قلم اٹھانا اور اس کی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنا کسی فرد واحد کی دسترس سے باہر ہے۔ یہ سوانح حیات اسی صورت میں جامع و نافع ہو سکتی ہے جبکہ وہ تمام علماء کرام اور صوفیا عظام جنہوں نے کسی نہ کسی صورت میں حضرتؒ سے فیض روحانی حاصل کیا ہے اور انھیں ہونا کی

صحبت میں بیٹھنے، ارشاداتِ گرامی سُننے اور انھیں قریب سے دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے مولاناؒ کی زندگی کے متعلق وہ تمام حالات و واقعات جن کا انھیں علم ہو ارسال کر کے اس کارِ خیر میں مصنف سے تعاون کریں۔

حضرتؒ کے ذاتی خطوط بھی علم و عرفان کا سرچشمہ ہوتے تھے۔ آپ کی سوانح میں آپ کے وہ تمام خطوط بھی شامل کیے جائیں گے جو آپ نے اپنے احباب، تلامذہ، مریدوں اور معتقدوں کو تحریر فرمائے تھے۔ اگر کسی صاحب کے پاس حضرت مولاناؒ کا کوئی مکتوبِ گرامی محفوظ ہو تو براہِ کرم ہمیں ارسال فرماویں۔ انشاءاللہ استفادہ کے بعد بشکریہ واپس کر دیا جائے گا۔

از اخبار خدام الدین لاہور — عبیداللہ انور

مؤرخہ ۱۰ اگست ۱۹۶۲ء — امیر انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ۔ لاہور

یہ امر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ حضرتؒ کا حلقہ اثر اور معتقدین کا سلسلہ وسیع ہی نہیں بلکہ لامتناہی ہے۔ چنانچہ ان سب حضرات سے جو حضرتؒ کی بابرکت صحبتوں سے مُشرف ہو چکے ہیں یا جن خوش نصیب حضرات کو آپ سے قریبی تعلق کسی نہ کسی گوشے میں رہ چکا ہے حضرتؒ کے حالات و واقعات فراہم کرنا آسان کام نہ تھا۔ پھر بھی میں نے سو تین سو سے زائد علمائے کرام، صوفیائے عظام اور حضرتؒ کے تربیت یافتہ خدام کی خدمت میں عریضے ارسال کیے کہ وہ اس کام میں اعانت فرمائیں۔ گو چنداں کامیابی نہ ہوئی۔ چنانچہ حضرتؒ کے لکھوائے ہوئے مُصدقہ مسودہ کو متن کی حیثیت دے کر دیگر ذرائع سے حاصل کردہ حالات تشریح کی شکل میں منضبط کیے۔ اس کے علاوہ حضرتؒ کے ملفوظات، مواعظ، مجالسِ ذکر اور خطبات سے بھی خاطر خواہ استخراج کیا گیا۔

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کام کی تکمیل کرانے کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے لیے ذرائع و اسباب خود مہیا فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ عین اس وقت جبکہ کام ابھی ابتدائی مراحل میں تھا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ مجاز حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب جامعہ مدنیہ کیمبل پور کی

ذاتِ گرامی امدادِ غیبی بن کر آڑے آئی۔ اگر اس مرحلہ میں قاضی صاحب موصوف کی پُرخلوص مساعی شامل نہ ہوتیں تو حضرتؒ کے سوانح حیات کا اس قدر جلد پایۂ تکمیل کو پہنچنا ممکن نہ تھا۔ کتاب کی ابتدائی ترتیب و تدوین میں موصوف کا نہایت قیمتی اور عظیم حصّہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے رُوحانی مراتب کو اور بلند فرمائے آمین!

اگرچہ اس امر کی پُوری کوشش کی گئی ہے کہ حضرتؒ کے سوانح حیات کا یہ ایڈیشن ہر حیثیت سے جامع اور مکمل ہو مگر پھر بھی ایسی عظیم ہستی کی ساری زندگی جو ایک طرف رُشد و ہدایت کا مرکز اور دُوسری طرف پُوری نصف صدی کی مکمل تاریخ ہو، مختصر وقت اور محدود صفحات میں سمیٹنے کی سعی مشکور ہونا بہت مشکل اور سخت دُشوار ہے۔

وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ ایسے اکابر کی سیرت کے اہم اور مخفی پہلو اُجاگر ہوتے رہتے ہیں۔ اس امر کا قوی امکان ہے کہ حضرتؒ کی زندگی کے بہت سے گوشے میری اور اُن حضرات کی نظروں سے اوجھل رہ گئے ہوں جنھوں نے اس کتاب کی تدوین میں مجھ سے تعاون کیا ہے۔ چنانچہ استدعا ہے کہ قارئین میں سے جن احباب کے پاس حضرتؒ کے حالاتِ زندگی کا کوئی حصّہ محفوظ ہو اور وہ خواہ زندگی کے کسی گوشے سے ہی متعلق کیوں نہ ہو، مجھے ارسال فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ دُوسرے ایڈیشن میں شکریہ کے ساتھ شریکِ اشاعت کیا جائے گا۔

آخر میں ان تمام بزرگوں اور دوستوں کا شکریہ ادا کرنا اپنا خوشگوار فرض سمجھتا ہوں جنھوں نے میری درخواست کو شرفِ قبولیت بخش کر میری اعانت یا رہنمائی فرمائی۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العلمین۔

اکتوبر سنہ ۱۹۶۲ء

خاکپائے حضرت قدس سرہ العزیز
عبدُالحمید خاں

ابتدائی حالات

برِصغیر کی تاریخ میں انیسویں صدی کا نصف آخر مسلمانوں کے لیے من حیث القوم بڑا ہی پرآشوب دور تھا۔ انگریز مسلمانوں کا نام ونشان تک مٹا دینے پر تلا ہوا تھا۔ علمائے کرام کو چن چن کر سزائے موت دی گئی۔ بڑے بڑے صلحائے امت تختہ دار پر لٹکائے گئے۔ حق پرستوں کو ذلیل وخوار کیا گیا اور دینی اداروں کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی گئی۔ غرض انگریز کی حکمت عملی یہی تھی کہ برصغیر کے مسلمان ایک فعال اور زندہ قوم کی حیثیت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں اور ان کے دلوں میں وہ اسلامی روح اور ایمانی تڑپ باقی نہ رہے جس کے بل بوتے پر وہ ایک ہزار سال تک اس برصغیر پر حکومت کرتے رہے تھے۔ مسلمان عوام بے حسی اور بے تعلقی کا شکار تھے۔ خواص کی ایک بہت بڑی تعداد، جن میں علمائے کرام پیش پیش تھے، انگریز کی بیداد کا تختہ مشق بن چکی تھی۔ اور جو بچ گئے وہ خاموشی اور عزلت نشینی ہی میں عافیت دیکھ رہے تھے۔ ان حالات میں ضرورت تھی کہ اللہ تعالیٰ کے چند جری اور نڈر بندے اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر اپنے سر ہتھیلیوں پر رکھ لیں اور اس شمع توحید کو جو ہزار سال سے اس ظلمت کدہ کفر کو اپنی ضیا باریوں سے منور کر رہی تھی، بجھنے نہ دیں۔

ارشادِ ربانی ہے کہ جب مسلمان اس حد تک دین سے بے پروا اور غافل

ہو جائیں گے کہ وہ اپنی آنکھوں کے سامنے گلشن اسلام پر کفر کی برق پاشیاں دیکھیں اور ٹس سے مس نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کی جگہ دوسرے لوگوں کو لے آئے گا جو دین کے سچے خادم ہوں گے۔

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَالَكُمْ (محمد ۳۸)

ترجمہ۔ اور اگر تم نہ مانو گے تو وہ بدل دے گا اور قوم سوائے تمہارے پھر وہ نہ ہوں گے تمہاری طرح (تسہیل القرآن)

تاریخ گواہ ہے کہ جب تک مسلمانوں نے اسلامی تعلیمات کو حرز جان بنائے رکھا، اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمتوں سے نوازا لیکن جب انہوں نے اس مقصد سے منہ موڑ لیا جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں منتخب فرمایا تھا تو اس نے چنگیز اور ہلاکو کی اولاد کو مسلمان کر دیا۔ جو پانچ سو سال تک خادم الاسلام اور خادم الحرمین رہی۔ یہ سُنّتُ اللہ برصغیر میں بھی کار فرما ہوئی یعنی اس وقت جبکہ انگریزی حکومت کا عروج تھا، غیر مسلموں کا تو کہنا کیا ہے اکثر مسلمان بھی اپنا آقائے نعمت سمجھ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے پنجاب جیسے انگریز پرست صوبے کے دو ملحقہ اضلاع (گوجرانوالہ اور سیالکوٹ) کے ایک ہی خاندان کے دو غیر مسلم گھرانوں کو دولت اسلام سے نواز کر اپنے دین کی خدمت ان کی اولاد سے لی۔ میری مراد امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی قدس سرہ العزیز کے دادا جد مولانا شیخ حبیب اللہ (قصبہ جلال ضلع گوجرانوالہ) اور حضرت مولانا عبید اللہ سندھی (قصبہ چیانوالی ضلع سیالکوٹ) رحمۃ اللہ علیہم سے ہے۔

ولادت حضرت مولانا احمد علیؒ کا آبائی وطن قصبہ جلال ضلع گوجرانوالہ ہے۔ یہ قصبہ ریلوے اسٹیشن گکھڑ سے چار میل جانب مشرق واقع ہے۔

آپ کے والد ماجد شیخ حبیب اللہ صاحب ایک دیندار بزرگ اور نسبت چشتیہ میں بلند مقام کے مالک تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ پیدائشی مسلمان اور پابند صوم و صلوٰۃ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں چار بیٹے عنایت فرمائے: حضرت مولانا احمد علی قدس سرہ العزیز۔ حافظ مولوی محمد علی صاحب مقیم پاکستان۔ مولوی عزیز احمد صاحب مقیم کراچی اور حکیم رشید احمد صاحب (لاہور) حضرتؒ سب بھائیوں میں بڑے تھے۔ ۲ رمضان المبارک ۱۳۰۴ھ کو جمعۃ المبارک کے روز آپ اسی قصبہ جلال میں پیدا ہوئے اور والد بزرگوار نے آپ کا نام احمد علی تجویز فرمایا۔

حضرتؒ کے والدین نے آپ کی پیدائش سے قبل ہی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر خدا نے بیٹا عطا فرمایا تو اسے خدمتِ دین کے لیے وقف کر دیں گے جیسا کہ حضرت مریم علیہا السلام نے جناب باری میں منت مانی تھی:-

رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا (آل عمران: ۳۵)

(اے میرے رب! میں نے نذر مانی تیرے لیے جو میرے پیٹ میں ہے آزاد رکھ کر (تسہیل القرآن)

ابتدائی تعلیم

جس ذاتِ بابرکات نے دنیا میں معلم قرآن اور مفسر قرآن ہو کر قرآنی علوم و معارف کی اشاعت کا مقدس فریضہ سر انجام دینا تھا اس کی تعلیم کا آغاز بھی قرآن عزیز پڑھنے سے ہوا اور اُسے کائناتِ ارضی پر مبعوث بھی اسی ماہِ مبارک میں فرمایا کہ جس میں قرآنِ حکیم کا نزول ہوا تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو قرآن خود پڑھایا اور تھوڑے دنوں بعد آپ اسکول میں داخل کرا دیئے گئے۔ یہ اسکول قصبہ جلال سے ایک میل دور کوٹ سعد اللہ میں واقع تھا۔ حضرتؒ اپنے ہم مکتبوں کے ساتھ ہر روز صبح اسکول جاتے اور شام کو واپس لوٹ آتے۔

حضرتؒ کے والد ماجد کا ذریعہ معاش تجارت تھا۔ انھوں نے اعزہ و اقرباء کی اسلام دشمنی

کے باعث قصبہ جلال کی سکونت ترک کر کے موضع باہو چک میں رہائش اختیار کرلی۔ یہ گاؤں اول الذکر مقام سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ہے۔ یہاں چونکہ تعلیم کا خاطر خواہ انتظام نہ تھا۔ اس لیے حضرتؒ کو قریب کے ایک قصبہ ٹونڈی کھجور والی کے اسکول میں داخل کرایا گیا جس میں آپ نے پانچویں جماعت تک تعلیم پائی۔

بعد ازاں آپ کے والد ماجد نے آپ کو مولانا عبد الحقؒ صاحب خطیب جامع مسجد گوجرانوالہ کے حلقۂ درس میں داخل کر دیا جہاں نصاب فارسی سے آپ کی دینی تعلیم کی ابتدا ہوئی۔ اس خوش بخت اُستاد نے حضرتؒ کو اپنے گھر ہی رکھا اور اپنے دونوں بیٹوں محمد ابراہیم اور محمد اسمٰعیل کے ساتھ آپ کی تعلیم و تربیت کرتے رہے۔ اس دوران میں حضرتؒ مستقل طور پر گوجرانوالہ ہی قیام پذیر رہے لیکن گاہے گاہے والدین سے ملنے کے لیے اپنے گاؤں بھی تشریف لے جاتے تھے۔

مولانا سندھیؒ سے تلمذ ابھی چند ہی مہینے گزرے تھے کہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ فراغت دار العلوم دیو بند کے بعد حسب ارشاد شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ دینی کتب کے مطالعہ اور تدریس علوم کے سلسلے میں سندھ جاتے ہوئے اپنی والدہ ماجدہ سے ملنے کے لیے سیالکوٹ تشریف لے گئے۔ آپ کی والدہ نے آپ سے حضرتؒ کے والد ماجد کے قبول اسلام اور دینی شغف کا تذکرہ کیا اور مولانا سندھیؒ کو ان سے ملانے کے لیے باہو چک ہمراہ لائیں۔ حضرتؒ کے والد ماجد نے اس موقع پر تعلیم و تربیت کے لیے حضرتؒ کو مولانا سندھیؒ کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا "یہ بچہ میں نے دین کے لیے وقف کیا ہے۔ اسے قبول کیجیے" مولانا سندھیؒ نے خوشی سے حضرتؒ کو قبول کرلیا۔ اور جاتے ہوئے حضرتؒ کو اپنے ساتھ سندھ لے گئے۔ چنانچہ مولانا

سندھیؒ حضرتؒ کو تفسیر قرآن مجید اور علم حدیث کی سند دیتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں :-

ان الصالح السعید المولوی احمد علی لاھوری کفلتہ لندرتہ ویہ ابواہ –

(ترجمہ) سعادت مند مولوی احمد علی لاہوری کو میں نے اس نذر کی وجہ سے اپنی تربیت میں لے لیا جو آپ کے والدین نے دین کی خدمت کے لئے مانی تھی۔

حضرتؒ ابھی صرف نو برس کے تھے کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا ، چونکہ مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور حضرتؒ کے والد ماجد کے درمیان قرابتداری کے تعلقات تھے اس لیے اُن کی وفات کے بعد بچوں کی نگہداشت کے خیال سے حضرت دین پوری نوراللہ مرقدہٗ نے حضرتؒ کی والدہ ماجدہ کا نکاح ثانی مولانا سندھیؒ سے کر دیا اور اس طرح حضرت مولانا سندھیؒ گویا حضرتؒ کے سوتیلے والدین گئے ، چنانچہ حضرتؒ اور آپ کے دوسرے بھائی مولوی محمد علی ، مولوی عزیز احمد اور حکیم رشید احمد بچپن ہی سے مولانا سندھیؒ کے زیر تربیت آگئے۔

مولانا سندھیؒ کی پہلی اہلیہ فوت ہو چکی تھیں ، یہ دوسرا نکاح محض تکمیل سنت اور تعمیل ارشاد مرشد تھا ، اس عقد ثانی سے مولانا سندھیؒ کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی اور نہ حضرتؒ کی والدہ ماجدہؒ نکاح کے بعد زیادہ عرصہ تک زندہ رہیں۔ چنانچہ کمسنی میں ہی حضرت رحمۃ اللہ علیہ والد کے بعد والدہ کی شفقت سے بھی محروم ہو گئے۔

حضرتؒ کے بچپن اور لڑکپن کا زمانہ بہت پُرمشقت اور تکلیف دہ تھا ، مولانا سندھیؒ سخت مزاج تھے ، وہ آپ کو ہر وقت کام میں مصروف رکھتے جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لانا ، گھر کا پانی بھرنا ، مولانا سندھی اور اپنے تینوں چھوٹے بھائیوں کے کپڑے دھونا بھی

کے فاصلے پر واقع ہے۔ مشہور ہے کہ کوئی بزرگ حضرت حافظ صاحبؒ کو ان کے روحانی مرتبہ کے پیشِ نظر بیعت کرنے کی جسارت نہ کرتا تھا۔ ہر کوئی یہ کہہ کر معذوری کا اظہار کرتا کہ ایسے جلیل القدر شخص کا بیعت کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ ایک مرتبہ کسی بزرگ نے آپ سے فرمایا "تجھے وہ شخص بیعت کرے گا جس کے سامنے بھنی ہوئی مچھلی زندہ ہو جائے" حضرت حافظ صاحبؒ یہ جواب سُن کر مایوس ہو گئے۔ نہ بھنی ہوئی مچھلی زندہ ہو، نہ آپ کسی سے بیعت کریں۔

اتفاق سے کچھ عرصہ بعد شاہ حسن رحمۃ اللہ علیہ کا گزر اس طرف ہوا تو آپ حضرت حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مہمان ٹھہرے، حافظ صاحبؒ کے ہاں اس دن سوائے مچھلی کے اور کوئی چیز گھر میں مہمان کی مدارات کے لیے موجود نہ تھی۔ آپ مچھلی بھون، دسترخوان میں رکھ کر شاہ صاحب کی خدمت میں لائے۔ شاہ صاحب نے مسکرا کر فرمایا "کیا زندہ مچھلیاں بھی کبھی کھائی جاتی ہیں؟" حافظ صاحبؒ نے دسترخوان اُٹھایا تو مچھلی واقعی زندہ تھی۔ بس اب یہ کہنا تھا کہ درویش کی کہی ہوئی بات یاد آ گئی اور آپ بیعت کے لیے دو زانو ہو کر شاہ صاحب کی خدمت میں بیٹھ گئے۔ شاہ صاحب نے آپ کو بلا کسی تامل کے بیعت فرما لیا۔ پٹرول تو پہلے ہی موجود تھا۔ دیا سلائی دکھانے کی ضرورت ہوئی آگ بھڑک اُٹھی اور شاہ صاحبؒ نے چند دنوں کے بعد آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرما دیا۔

حضرت مولانا سندھیؒ انہی حافظ صاحبؒ کے دستِ حق پرست پر دولتِ اسلام سے رُوشناس ہوئے۔ بھرچونڈی شریف میں ہی آپ کی سنّتِ تطہیر (ختنہ) ادا ہوئی۔ اور حافظ صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ سے ہی سلسلۂ قادریہ میں بیعت ہو کر آپ نے اسباقِ سلوک کی

ابتدا کی۔ پھر حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مولانا سندھیؒ سے اس درجہ لگاؤ ہو گیا کہ آپ نے اپنے محبوب ترین خلفاء شیخ المشائخ غوثِ زماں حضرت خلیفہ غلام محمدؒ دین پوری اور قطب الاقطاب امروٹیؒ کی موجودگی میں فرمایا "عبیداللہ نے چونکہ خدا کے لیے والدین کو چھوڑا ہے اب اس کے والدین کے تمام فرائض میں ادا کروں گا"۔ گویا حافظ صاحبؒ نے مولانا سندھیؒ کو اپنا منہ بولا بیٹا قرار دیا۔ ویسے بھی مریدین اپنے پیر کی روحانی اولاد ہوتے ہیں لیکن ان الفاظ نے مولانا سندھیؒ کی تخصیص کر دی۔

پھر اس کے بعد جب مولانا سندھیؒ دینی تعلیم کے حصول کے لیے بھرچونڈی شریف سے رخصت ہونے لگے تو حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بارگاہِ خداوندی میں ہاتھ اُٹھا کر یہ التجا کی "اے اللہ! عبیداللہ تیرے حوالے ہے اسے کسی راسخ فی العلم اور عالمِ باعمل سے استفادہ کا شرف عطا فرما"۔ چنانچہ حضرت حافظ صاحبؒ کی دُعا کا ثمرہ امامِ زمان حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ العزیز کی شاگردی کی صورت میں ظاہر ہوا اور اس طرح دعائے صدیقؒ نے طالبِ صادق کو صدیقِ دوراں کی خدمت میں پہنچا دیا۔ پھر اسی دُعا کا نتیجہ تھا کہ مولانا سندھیؒ دیوبند میں تحصیلِ علم کے دوران ہی حضرت شیخ الہندؒ کی توجہات کا مرکز بن گئے اور اپنی خداداد قابلیت، ذہانت اور انتھک محنت کے باعث سارے مدرسہ میں امتیازی خصوصیات کے حامل ہو گئے۔

اس اثناء میں مولانا سندھیؒ کو بہت بڑے صدمہ سے دوچار ہونا پڑا۔ حضرت حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ اپنے اللہ کو پیارے ہو گئے اور مولانا سندھیؒ کے لیے شب و روز دُعائیں کرنے والا ایک عظیم سہارا دُنیا سے اٹھ گیا۔ اب ارشاداتِ شیخؒ کی روشنی میں مولانا سندھیؒ کی رُوحانی تربیت حضرت دین پوریؒ کے حصہ میں آئی اور باقی ضروریات کی کفالت

حضرت امروٹی فرماتے رہے۔

معلوم ہوتا ہے اس میں بھی حکمتِ خداوندی بدرجہ اتم کارفرما تھی۔ حضرت دین پوری رح سرتاسر مظہر جمالِ الٰہی تھے اور حضرت امروٹی رح کامل جلال کے آئینہ دار۔ مولانا سندھی رح بھی طبعاً جلالی تھے۔ اس لیے ان کی رُوحانی تربیت مظہرِ جمالِ خداوندی حضرت دین پوری کے ذمہ کر دی گئی تاکہ ان کے جلال پر جمال کا پرتو پڑتا رہے۔ جو لوگ واقفِ حال ہیں وہ شہادت دیں گے کہ مولانا سندھی باوجود حضرت دین پوری کی تربیت کے سخت جلالی تھے۔ اگر تربیت میں بھی جلال کا حصہ ہوتا تو نہ جانے کیا ہوتے۔

بہرحال اب چونکہ حضرت حافظ صاحب رح کا وصال ہو چکا تھا، قطب الاقطاب امروٹی رح نے مولانا سندھی رح کو دیوبند سے فراغت کے بعد امروٹ شریف میں قیام کی دعوت دی۔ مولانا سندھی رح نے ان کی اس دعوت کو بخوشی قبول کر لیا۔

حضرت کی سندھ کو روانگی

جب مولانا سندھی حضرت امروٹی رح کے ارشاد کے مطابق دیوبند سے سندھ کو روانہ ہوئے تو حضرت کو اپنے ہمراہ امروٹ شریف لے گئے۔

راستے میں مولانا سندھی رح اپنے شیخ حضرت خلیفہ غلام محمد صاحب دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی غرض سے دین پور شریف ٹھہرے۔ اس بستی کی کل کائنات حضرت رح کی مسجد اور قیام گاہ تھی۔ حضرت دین پوری رح اپنے زمانے کے عارفِ اکمل اور ولیِ بے بدل تھے۔ حضرت شیخ الہند رح اور محدث اعظم حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت دین پوری رح کے چہرے پر صرف نظر ڈالنے سے کئی مقامات طے ہو جاتے ہیں۔ شیخ الاسلام سید العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ تو آپ

پر جی جان سے فدا تھے اور سلسلۂ قادریہ میں آپ سے تبرکاً مجاز بھی تھے[1] حکیم الامۃ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مولانا سندھیؒ کی معیت میں دین پور تشریف لے گئے۔ تو آپ خانپور اسٹیشن سے اتر کر گھوڑے پر سوار ہوئے۔ دین پور شریف سے قریب حضرت شیخ المشائخ دین پوریؒ پیشوائی کے لیے آگے آئے ہوئے تھے حضرت تھانویؒ ابھی کئی سو گز کے فاصلہ پر تھے کہ آپ نے انوار و تجلیات کا مشاہدہ کیا۔ فوراً گھوڑے سے چھلانگ لگا دی اور فرمایا "اے عبیداللہ! تو نے مجھے مار ڈالا۔ اے عبیداللہ! تو نے مجھے ہلاک کر دیا۔ یہ نہ بتایا کہ یہاں اس درجہ کا ولی اللہ رہتا ہے اور مجھے گھوڑے پر سوار کر دیا" اسی طرح وقت کے تمام اولیاء جن میں حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کا بے حد احترام کرتے تھے۔

بہر حال بتانا یہ مقصود ہے کہ مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا احمد علی نور اللہ مرقدہ سفر امروٹ شریف کے دوران جب دین پور میں قیام فرماتے تو حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر پہلی نظر میں ہی اپنے نورِ فراست سے بھانپ لیا کہ آیندہ چل کر یہ گوہر یکتا کس درجہ کا انسان بننے والا ہے۔ چنانچہ آپ نے خود ہی ازراہِ شفقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو سلسلۂ قادریہ میں بیعت فرما لیا اور اللہ کے نام کی تلقین کی۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ وہ اس وقت بیعت کے مفہوم تک سے نا آشنا تھے۔۔۔ اور یوں حضرتؒ کی تعلیم کتاب اللہ اور تزکیۂ باطن دونوں ساتھ ساتھ شروع ہوئے۔ بیعت کے وقت آپ کی عمر نو سال تھی اور یہ غالباً ۱۸۹۵ء کا واقعہ ہے۔

---

[1] شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ درخواستی کی روایت ہے۔

امروٹ شریف میں قیام

دین پور میں مختصر قیام کے بعد حضرتؒ، مولانا سندھیؒ کی معیت میں امروٹ شریف آگئے۔ مولانا سندھیؒ نے خود ہی مولانا کو فارسی اور عربی کی ابتدائی صرف و نحو پڑھانا شروع کی۔ امروٹ شریف اور دین پور ایک دوسرے سے دُور ہونے کے باوجود ایک ہی تھے۔ دونوں علم و معرفت کے دریا ایک ہی چشمہ سے جاری ہوئے تھے۔ یعنی دونوں حضرات حافظ محمد صدیقؒ کے خلفاء میں سے تھے۔

گوٹھ پیر جھنڈا میں مدرسہ دارالارشاد کا قیام

حضرت مولانا تاج محمود امروٹیؒ بڑے متوکل اور فنافی اللہ بزرگ تھے۔ اگر رزق کا کوئی سبب خود ہی بن جاتا تو بہتر ورنہ دو دو وقت فاقہ کی نوبت آجاتی۔ آپ کی خانقاہ صُفّہ کا نمونہ تھی۔ رُوحانی فیض کے متلاشیوں کے لیے تو وہ بہت بڑا دارالعلوم تھا۔ مگر علوم ظاہریہ کی تدریس اور تکمیل کے لیے جن اسباب کی ضرورت تھی وہ وہاں موجود نہ تھے۔ اور نہ ہی حضرت امروٹی قدس سرہ العزیز اس طرف توجہ فرماتے تھے۔ کیونکہ ان کا مسلکِ استغناء اس کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ لوگوں سے چندہ مانگیں۔

اِدھر مولانا سندھیؒ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ کے شاگرد رشید اور فیض یافتہ تھے۔ ان کا مسلک یہ تھا کہ علماء حق کی ایک ایسی انقلابی جماعت پیدا کی جائے جو انگریز کی لادینیت کا مقابلہ اسی طرح کرے جس طرح مجدد الف ثانیؒ نے اکبر کی لادینیت کا کیا تھا۔ اس کے لیے کسی دارالعلوم کا قیام ناگزیر تھا۔ چنانچہ آپ صوبہ سندھ کے ضلع نواب شاہ میں واقع گوٹھ پیر جھنڈا تشریف لائے۔ گوٹھ پیر جھنڈا کے سجادہ نشین پیر پگاڑو کے چچازاد بھائی ہیں۔ مولانا سندھیؒ نے سجادہ نشین گوٹھ پیر جھنڈا حضرت مولانا پیر رشد اللہ صاحبؒ کے سامنے اپنی تجویز پیش کی تو انھوں نے نہ صرف اس کو منظور فرمایا۔ بلکہ ہر طرح کی امداد کا

یقین دلایا۔

چنانچہ ۱۳۱۹ھ میں گوٹھ پیر جھنڈا میں مولانا سندھیؒ نے اپنے دستِ مبارک سے مدرسہ دارالارشاد کی بنیاد رکھی۔ پیر صاحب اپنے مریدوں سے چندہ لے کر طلبہ کی ضروریات، اساتذہ کی تنخواہ اور مدرسے کے دوسرے مصارف پورے کرتے تھے۔ مولانا سندھیؒ تنہا گوٹھ پیر جھنڈا تشریف لے گئے تھے۔ کچھ عرصہ بعد آپ نے حضرت مولانا احمد علیؒ صاحب کو بھی اپنے پاس بلا لیا اور یہاں حضرتؒ نے چھ سال کے عرصہ میں درسِ نظامی کی تکمیل کر لی۔

حضرتؒ کی دستاربندی

مدرسہ دارالارشاد کی سب سے پہلی فارغ التحصیل ہونے والی جماعت میں پانچ طلبا تھے

ان میں حضرت مولانا احمد علیؒ کے علاوہ حضرت پیر رشد اللہ صاحب کے بڑے صاحبزادے مولانا ضیاء الدین صاحب موجودہ گدی نشین گوٹھ پیر جھنڈا بھی تھے۔ اس جماعت کی دستاربندی کے لیے سجادہ نشین گوٹھ پیر جھنڈا نے جلسہ منعقد کیا اور اس کی صدارت کے لیے شیخ حسین ابن محسن انصاری یمنی کو ریاست بھوپال سے بلایا۔ جو نواب صاحب کی موت پر یمن سے اہل و عیال بھوپال آ رہے تھے۔ شیخ صاحب جب جلسۂ دستاربندی کی صدارت کے لیے تشریف لائے تو عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے اس قدر ضعیف اور کمزور ہو چکے تھے کہ کسی سواری میں بیٹھنے کے قابل نہ تھے۔ چنانچہ انھیں پالکی میں بٹھا کر سٹیشن سے گوٹھ پیر جھنڈا لایا گیا تھا جہاں تک حضرت مولانا احمد علیؒ کی یادداشت کا تعلق ہے یہ دستاربندی ۱۳۲۶ھ کے آخر یا ۱۳۲۷ھ کی ابتدا میں ہوئی تھی۔

تکمیلِ علم کے بعد مولانا سندھیؒ نے حضرتؒ کو مدرسہ دارالارشاد میں مدرس مقرر کر دیا۔

یہاں آپ نے تین سال تک درسِ نظامی کی تعلیم دی۔

حضرتؒ کی پہلی شادی

حضرتؒ، مولانا سندھیؒ کے بہت ہی منظورِ نظر تھے۔ آپ نے مدرسہ دارالارشاد میں تدریس کا کام شروع کیا تو مولانا سندھیؒ نے پہلی اہلیہ سے اپنی صاحبزادی مریم بی بی کا عقد آپؒ سے کر دیا۔ شادی کے قریباً ایک سال بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک بیٹا عنایت فرمایا جس کا نام حسن رکھا گیا۔ مگر یہ ناشگفتہ غنچہ سات دن کے بعد ہی مُرجھا گیا اور حضرتؒ کی اہلیہ محترمہ بچے کی موت کے دُوسرے دن انتقال فرما گئیں۔ دونوں کے مزار گوٹھ پیر جھنڈا میں ہیں جہاں حضرت کی والدہ ماجدہ بھی آرام فرما ہیں۔

حضرتؒ کی دُوسری شادی

پہلی اہلیہ کے وصال کے کچھ عرصہ بعد حضرتؒ کے لیے بے شمار رشتے آئے مگر مولانا سندھیؒ کی نظر کسی پر نہ ٹھہری۔ انھیں ایام میں چکوال کے مولانا ابو محمد احمد صاحبؒ نے مولانا سندھیؒ کو لکھا کہ وہ اپنی لڑکی کا رشتہ حضرتؒ سے کرنا چاہتے ہیں۔

مولانا ابو محمد احمد صاحب دارالعلوم کے فارغ التحصیل اور قطب الارشاد گنگوہیؒ اور شیخ الہندؒ کے شاگردوں میں سے تھے۔ مولانا سندھیؒ کے ہم سبق ہونے کی وجہ سے دونوں کے آپس میں برادرانہ تعلقات تھے۔ علاوہ ازیں وہ مولانا سندھیؒ کی قائم کردہ جمعیۃ الانصار کے سرگرم رکن بھی تھے۔ لاہور میں آپ کا قیام کشمیری بازار کی صُوفی مسجد میں تھا اور آپ طبع ہونے والی کتب احادیث کی تصحیح فرمایا کرتے تھے۔ مولانا سندھیؒ نے آپ کی درخواست منظور کر لی اور محرم الحرام ۱۳۳۰ھ میں حضرت شیخ الہندؒ کے مبارک ہاتھوں دارالعلوم دیوبند کی مسجد میں حضرت شیخ التفسیرؒ کی رسمِ نکاح سرانجام پائی۔

جمعیۃ الانصار دیوبند کا قیام ۱۹۰۹ء میں مولانا سندھیؒ دوبارہ دیوبند تشریف لے گئے۔ اور اپنے شیخ حضرت شیخ الہند محمود الحسنؒ کے مشورے سے جمعیۃ الانصارؒ کی بنیاد ڈالی۔ اس انجمن کا مقصد ملک اور بیرونِ ملک میں موجود فضلائے دیوبند کی تنظیم کرنا تھا۔ اس تنظیم کا تعلق ایک بہت بڑی سکیم سے تھا جس کا حلقۂ اثر ہندوستان کے علاوہ افغانستان ایران، ترکی، بخارا اور عرب وغیرہ تمام اسلامی ممالک تک پھیلا ہوا تھا۔ مولانا سندھیؒ اور ان کے رفقائے کار کی کوششوں سے جمعیۃ بے حد مقبول ہوئی۔ ۱۵، ۱۶، ۱۷، اپریل ۱۹۱۱ء کو مراد آباد میں جمعیۃ کے زیرِ اہتمام عظیم الشان جلسے منعقد ہوئے جن میں تقریباً تیس ہزار مسلمانوں نے شرکت کی۔ اس قدر عظیم اجتماع اس سے پیشتر کبھی نہ ہوا تھا۔

نظارۃ المعارف القرآنیہ جمعیۃ الانصار دیوبند کے قیام کے ساتھ ہی حضرت شیخ الہندؒ کے حکم سے مولانا سندھیؒ نے دس افراد کی ایک جماعت کو قرآنِ حکیم کی انقلابی تفسیر پڑھانا شروع کی اس جماعت میں پانچ مستند علماء اور پانچ گریجویٹ شامل تھے۔ بعد میں بعض مصالح کی بنا پر حسب مشورہ شیخ الہندؒ مولانا سندھیؒ نے دہلی کی مسجد فتحپوری میں اس مقصد کی تکمیل کے لیے ڈاکٹر انصاریؒ اور حکیم اجمل خاں رحمۃ اللہ علیہ کی زیرِ سرپرستی نظارۃ المعارف القرآنیہ قائم کیا۔ جب مولانا سندھیؒ دارالعلوم دیوبند اور بعد ازاں دہلی تشریف لے گئے تو چند سال تک مدرسہ دارالارشاد گوٹھ پیر جھنڈا کا انتظام حضرتؒ کے دستِ مبارک میں رہا۔ مگر بعد میں بعض مصالح کی بنا پر آپ نے دارالارشاد سے علیحدگی اختیار کر کے مولانا سندھیؒ کے حکم پر نواب شاہ میں ایک مدرسہ قائم کیا اور مولانا نے آپ کے ساتھ کام کرنے کے لیے اپنے دو شاگردوں مولانا عبداللہ لغاری اور

مولانا محمد صالح کو مامور فرمایا۔

مولانا سندھی نے دہلی میں نظارۃ المعارف قائم کیا تو حضرت شیخ الہندؒ کے ایما پر نواب شاہ سے دہلی بلا لیا جس سے نواب شاہ کا وہ مدرسہ جو ابھی ابتدائی مراحل طے کر رہا تھا، جاری نہ رہ سکا اور حضرتؒ دہلی کر نظارۃ المعارف قرآنیہ سے منسلک ہو گئے۔

مدرسہ نظارۃ المعارف انگریز کی نظر میں کھٹکتا ہوا کانٹا تھا اس لیے کرولٹ ایکٹ کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق مدرسہ نظارۃ المعارف کے قیام سے مقصود ہندوستانی مسلمانوں میں مذہبی ولولہ اور جنگی جوش پیدا کرنا اور ان کو فریضہ جہاد کی ادائیگی پر آمادہ کرنا تھا اس رپورٹ کے مطابق حضرت مولانا محمود الحسنؒ کا اصل پروگرام یہ تھا کہ اسلامی طاقتوں کا ہندوستان پر زبردست حملہ ہو اور ہندوستانی مسلمان اندرونی بغاوت سے اسے تقویت پہنچائیں۔

آگرہ کا تبلیغی دورہ نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی میں حضرتؒ کے ایام قیام میں مولانا سندھیؒ کو اُن کے بعض احباب نے مشورہ دیا کہ انھیں گاہے گاہے علما کی جماعت کو تبلیغی دورہ پر بھی بھیجنا چاہیے تاکہ وہ دیہات میں پیدل سفر کرنے آریہ کی شدھی اور سنگھٹن تحریکات کی مدد کرنے اور دُوسری مصیبتیں اٹھانے کے عادی ہو جائیں۔ اس تجویز کے تحت آگرہ کے لیے تین علما کا انتخاب کیا گیا جن میں حضرتؒ کے علاوہ

لہ مولانا سندھیؒ اپنی ذاتی ڈائری میں فرماتے ہیں کہ ۱۳۲۷ھ میں حضرت شیخ الہندؒ نے دیوبند طلب فرمایا اور مفصل حالات سُن کر دیوبند رہ کر کام کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اس کے ساتھ سندھ کا تعلق بھی قائم رہے گا۔ چار سال تک جمعیۃ الانصار میں کام کرتا رہا۔ اس جمعیۃ کی تحریک تاسیس میں مولانا ابو محمد احمد لاہوری اور عزیزی احمد علی میرے شریک تھے۔ (ص ۱۹)

مولانا علی اسد اللہ صاحب مرحوم اور حکیم مولانا فضل الرحمٰن صاحب بھی شامل تھے
مولانا سمیع اللہ کی اس مختصر جماعت کے ساتھ آگرہ آئے اور ان کے علاقے میں تین کرکے
واپس دہلی تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ بعد اپنے علاقوں کا دورہ کرکے یہ تینوں حضرات بھی واپس
دہلی آگئے۔

حضرتؒ نے سفر آگرہ میں پچیس دیہات کا دورہ کیا۔ مگر سوائے ایک بستی کے کہیں مسجد
نہ پائی۔ ان دیہات کے باشندے اسلامی حکومت کے زمانے میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے
تھے مگر اسلامی تعلیم و تربیت سے بالکل بے بہرہ تھے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ تو الگ رہے
تو کلمہ کے نام تک سے نا آشنا تھے۔ ان کے نام بھی غیر اسلامی تھے مثلاً محمد سنگھ محمد رام
وغیرہ۔ ان کا تمدن اسلام سے دور اور بالکل ہندوانہ تھا۔ اسلامی تہواروں سے بالکل
بیگانہ تھے اور ہندوؤں کے تہواروں میں شریک ہوا کرتے تھے۔ حضرتؒ کے معلوم کرنے پر
لوگ انھیں مسلمانوں کے گھروں کا پتہ دیتے اور جب آپ مسلمانوں سے سوال کرتے کہ تمہارے
نکاح اور جنازے کون پڑھاتا ہے تو جواب ملتا کہ اچھنیرہ سے قاضی آیا کرتا ہے۔ اچھنیرہ
اس سفر میں حضرتؒ کا صدر مقام تھا۔ آپ اچھنیرہ آئے اور قاضی صاحب کے مکان پر
تشریف لے گئے لیکن ان کو گھر موجود نہ پاکر ایک مسجد میں اپنے قیام کا پتہ دے کر واپس چلے
آئے۔ قاضی صاحب کے بڑھاپے کے باعث ان کا صاحبزادہ ہی نکاح اور جنازہ پڑھانے
کی خدمات سرانجام دیا کرتا تھا۔ لہٰذا قاضی صاحب کی طرف سے وہی حضرتؒ سے ملنے
کے لیے آیا۔ حضرتؒ نے قاضی زادہ سے پوچھا کہ اس نے عربی کی کوئی تعلیم حاصل کی
ہے؟ اس نے جواب دیا "نہیں" پھر حضرتؒ نے فارسی کے متعلق پوچھا تو اس نے پھر نفی
میں جواب دیا۔ حضرتؒ نے اردو کے متعلق پوچھا تو قاضی زادہ نے فیصلہ کن جواب دیتے ہوئے

کہا کہ وہ خطوط پڑھنے کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ عوام کی جہالت سے زیادہ آپ کو عوام کے اس مذہبی مقتدا پر افسوس ہُوا۔

جب آپؒ آگرہ کا دورہ ختم کر کے اچھنیرہ سے واپس دہلی آ رہے تھے تو گاڑی آنے میں دو اڑھائی گھنٹے کی دیر تھی۔ آپ تبلیغی تڑپ کے زیرِ اثر اس فرصت میں قریب کے ایک گاؤں جا پہنچے۔ گاؤں کے باہر آپ کو ایک خوش پوش نوجوان ملا جو اسی گاؤں کا باشندہ تھا۔ آپؒ اس نوجوان کو لے کر گاؤں پہنچے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو جمع کیا۔ لوگوں نے آپ کے لیے ایک چارپائی بچھا دی۔ نوجوان بھی حضرتؒ کے ساتھ چارپائی پر بیٹھ گیا۔ حضرتؒ نے لوگوں سے دریافت کیا "تمھیں کلمہ آتا ہے؟" سب نے نفی میں جواب دیا۔ آخر حضرتؒ نے اس نوجوان سے پُوچھا کہ تم کو تو آتا ہو گا۔ مگر اس نے بھی نفی میں سر ہلا دیا۔ آخر آپ نے سب کو بیک آواز کلمہ پڑھایا اور ان کے غیر اسلامی نام تبدیل کر کے اسلامی نام رکھے۔ وہ لوگ سب کے سب راجپُوت تھے۔ یہ اسلام کے نام ہی کی برکت تھی کہ سب نے کلمہ بھی پڑھ لیا اور نام بھی تبدیل کروا لیے۔

علیگڑھ میں قیام

نظارۃ المعارف القرآنیہ کی ایک جماعت میں پانچ گریجویٹ تھے۔ ان میں سے ایک انیس احمد بی۔اے تھے۔ وہ دینی جماعت کے ساتھ پڑھنے کے علاوہ فارغ وقت میں حضرتؒ سے علم صرف بھی پڑھا کرتے تھے۔ اُن کو اپنے بعض علمی مشاغل کی تکمیل کے لیے عربی کے ایک ایسے عالم کی ضرورت تھی جو ان کے ساتھ علی گڑھ میں رہے۔ انیس احمد کے والد مولوی ادریس احمد علیگڑھ کالج میں ایک ممتاز عہدہ پر فائز تھے۔ مولانا سندھیؒ نے اُن کی التماس پر حضرتؒ کو مع اہل و عیال ان کے ساتھ علیگڑھ بھیج دیا۔ آپ کے قیام کو ایک ماہ ہی گزرا تھا کہ آنے والے واقعات کو

حضرت کی دُور رس نگاہ اور دینی فراست نے بھانپ کر نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی کو ترجیح دی اور آپ واپس دہلی تشریف لے آئے۔

خرقۂ خلافت

(الف) ان تمام علمی اور تبلیغی سرگرمیوں کے باوجود آپؒ جہاں کہیں بھی رہے، وقتاً فوقتاً اپنے شیوخ کے ہاں دین پور اور امروٹ شریف حاضری ضرور دیتے اور ان سے تزکیۂ باطن کے رُوحانی اسباق حاصل کرتے رہے تکمیل کے بعد حضرت امروٹیؒ نے حضرتؒ کو کمال شفقت سے اجازت بیعت و ارشاد عطا فرمائی اور حضرت دین پوریؒ نے اس خلافت کی تصدیق فرمائی۔

(ب) کچھ عرصہ بعد حضرت سلطان العارفین دین پوریؒ نے بھی حضرتؒ کو خرقۂ خلافت سے نوازا۔ یہ خلافت اس اعتبار سے بہت اونچا مقام رکھتی ہے کہ حضرت دین پوریؒ نے حضرت لاہوریؒ کے علاوہ کسی کو اپنا مجاز قرار نہیں دیا۔ (حسب روایت مولانا عبد الہادی جانشین حضرت دین پوریؒ)

سیاسیات میں حصّہ اور گرفتاری

سنہ ۱۹۱۲ء میں برطانیہ اور اس کی حلیف طاقتوں نے ریاست ہائے بلقان کے عیسائیوں کو ترکوں کے خلاف کھڑا کر کے دنیائے اسلام پر ایک نئی مصیبت توڑی سنہ ۱۹۱۳ء میں کانپور کی مسجد کی شہادت کا المیہ ہوا۔ (شاید انگریز نے یہ سازش اس لیے کرائی تھی کہ ہندوستانی مسلمان اس کشمکش میں مبتلا ہو کر ترکیہ کی امداد کی طرف توجہ نہ دے سکیں مگر سنہ ۱۹۰۹ء اور سنہ ۱۹۱۱ء میں شیخ الہندؒ کی دُور رس نگاہ اور قوتِ کشفیہ کی بدولت جمعیۃ الانصار قائم ہو چکی تھی) مسلمانوں نے مسجد کی حمایت میں فوج کی گولیوں کے سامنے اپنے سینے سپر کر دیے ہر دو ہنگاموں نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ کے دل و دماغ پر بہت اثر ڈالا اور مساعی جہاد کے لیے مہمیز کا کام دیا چنانچہ آپ کی زیر نگرانی آزاد حکومت کے قیام کی داغ بیل ڈال دی گئی اور جہاد کی تبلیغ تیزی سے شروع ہو گئی۔ دہلی میں نوجوانان ہند کو درسِ جہاد دینے کے لیے مدرسہ قائم کرنے کا منصوبہ بنایا گیا جو منزلِ جہاد کی طرف جمعیۃ الانصار کی تاسیس کے بعد دُوسرا قدم تھا۔ سنہ ۱۹۱۳ء مطابق سنہ ۱۳۳۲ھ میں جب مولانا سندھی نے حضرت شیخ الہندؒ کے ایما پر جامع مسجد فتح پوری میں نظارۃ المعارف قائم کیا تو کچھ عرصہ بعد حضرتؒ بھی دہلی تشریف لے آئے۔ اس مدرسہ میں سنہ ۱۹۱۵ء تک مجاہدین کی خاصی تعداد نے تربیت حاصل کر لی تو حضرت شیخ الہندؒ نے منزلِ جہاد کی طرف فیصلہ کُن قدم اٹھایا چنانچہ اسی سال جبکہ جنگ عظیم ابتدائی مراحل ہی میں تھی، آپ نے مولانا سندھیؒ کو عملی

اقدام کی غرض سے ہندوستان سے کابل جانے کا حکم دیا۔ مولانا سندھیؒ نے شیخ الہندؒ کے مشورہ سے حضرتؒ کو اپنا جانشین تجویز فرمایا۔

ریشمی خطوط کی سازش جمعیۃ الانصار دیوبند، نظارۃ المعارف دہلی اور ریشمی خطوط کی سازش دراصل اس عظیم انقلابی پروگرام کی تین اہم کڑیاں تھیں جسے حضرت شیخ الہندؒ نے اتحاد عالم اسلام اور آزادی ہند کے لیے تجویز فرمایا تھا۔

جب شیخ الہندؒ نے مولانا سندھیؒ کو کابل میں اور حضرتؒ کو دہلی میں تعینات فرمایا تو خود حجاز تشریف لے گئے۔ مولانا میاں محمد انصاری تحریک کے رابطہ افسر ہونے کے علاوہ ہندوستان اور آزاد قبائل میں تحریک آزادی کے نقیب اور محرک قرار پائے ۱۹۱۴ء میں حضرت شیخ الہند اپنی تحریک کی تائید میں غازی انور پاشا اور حجاز کے گورنر غالب پاشا کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان اکابر نے افغانستان اور آزاد قبائل کے باشندگان سے برطانیہ کے خلاف جہاد کی اپیلیں جاری کیں جو ایک حد تک کامیاب رہیں۔

حضرت مولانا محمد میاں انصاری تحریک کے آخری مراحل میں ان اکابر کے بیانات لے کر حجاز سے ہندوستان آئے اور آپ نے ہندوستان، قبائلی علاقوں اور افغانستان میں نہایت وسیع پیمانہ پر ان اپیلوں کی تشہیر کی۔ یہ اپیلیں زرد ریشمی کپڑے پر لکھی ہوئی تھیں تحریک کے تمام کارکن آپس میں زرد ریشمی کپڑے پر تحریر کر کے ارسال کیا کرتے تھے۔

۸ رمضان المبارک بطابق ۹ جولائی ۱۹۱۶ء مولانا محمد میاں نے تحریک سے متعلق ایک مفصل رپورٹ حیدرآباد سندھ کے شیخ عبدالرحیم کی معرفت حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت

میں حجاز روانہ کی۔ یہ رپورٹ بھی زرد ریشمی رومال پر تحریر تھی اور اس میں ترک وفود کے ورودِ کابل، مجاہدینِ ہند کی نقل و حرکت اور اشاعت تحریک جہاد کی نسبت تفصیلات درج تھیں۔ رپورٹ میں آزاد حکومتِ ہند کے قیام کی تجویز اور خدائی فوج کی مجوزہ تشکیل کا پورا خاکہ بھی درج تھا۔ اس فوج کا ذیلی ہیڈ کوارٹر کابل اور مرکز مدینہ منورہ تھا۔ (حزب اللہ) کمانڈر انچیف حضرت شیخ الہندؒ تھے۔ کابل میں تمام کام مولانا سندھیؒ کی زیرِ سرکردگی ہونا طے پایا تھا۔ ان کے علاوہ بارہ کمانڈروں اور بہت سے اعلیٰ فوجی افسروں کے نام بھی مذکور تھے۔[1]

یہ اہم دستاویز بدقسمتی سے برطانوی حکومت کے ہاتھ لگ گئی اور اس طرح اگست ۱۹۱۶ء میں اس تحریکِ جہاد کا انکشاف ہو گیا۔ جسے انگریزوں نے ریشمی خطوط کی سازش کا نام دیا۔

تحریک کے انکشاف کے بعد سرکردہ رہنماؤں اور چیدہ چیدہ کارکنوں کی گرفتاریوں اور نظر بندیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ حضرت شیخ الہندؒ کو حجاز میں گرفتار کر لیا گیا اور حضرت[2] کو گرفتار کر کے مختلف مقامات (جالندھر، رامپور وغیرہ میں) نظر بند رکھا گیا۔ اس طرح حضرت کے ہر دو شیوخؒ جو اپنے اپنے مراکز کے امیر تھے گرفتار کر لیے گئے۔ یہ سب گرفتاریاں

---

[1] رولٹ کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق مولانا عبید اللہ کے خط میں حزب اللہ کا مرتب و مکمل نقشہ تھا۔ اس فوج کا مرکز مدینہ میں قائم ہونا، اور محمود الحسن صاحب کو اس کا سالارِ اعلیٰ بننا تھا۔ (رولٹ کمیٹی کی رپورٹ از نقشِ حیات ج ۲ صفحہ ۲۲۳) [2] نقشِ حیات میں حضرت مدنی رقمطراز ہیں کہ حضرت دین پوری کچھ عرصہ کے بعد ثبوت نہ ہونے اور عوام کے اشتعال کی بنا پر چھوڑ دیئے گئے۔ حضرت امروٹی کو چند دنوں کے بعد رہا کر دیا گیا (ج ۲ صفحہ ۱۹۶) حضرت امروٹی کے حالات میں یہ بھی درج ہے کہ وہ اپنی کرامت سے رہا ہو گئے۔

بیک وقت اس طرح عمل میں لائی گئیں کہ کوئی بھی ایک دوسرے کو اطلاع نہ پہنچا سکا۔

حضرتؒ کی گرفتاری حضرتؒ ایک دن حسب معمول صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی میں بطور شیخ التفسیر درس قرآن مجید دے رہے تھے کہ اتنے میں ایک انگریز سپرنٹنڈنٹ پولیس اور دو آنریری مجسٹریٹ درسگاہ میں پہنچے۔ انگریز سپرنٹنڈنٹ آگے بڑھا اور وارنٹ گرفتاری حضرتؒ کو دکھا کر شریک درس طلبہ کو باہر نکال دیا۔ اب حضرتؒ پولیس کی حراست میں تھے کمرہ مقفل کر کے پولیس کا عملہ حضرتؒ کو لے کر اُن کے مکان پر پہنچا۔ جو فتح پوری مسجد سے قلعی حوض جانے والی سڑک پر کٹڑہ ٹڑیاں میں تھا۔ مکان پر پہنچ کر پولیس نے حضرتؒ کے بڑی بچوں کو چھت پر چڑھا دیا اور خانہ تلاشی شروع کر دی۔ مولانا کی قلمی تحریریں متعلقہ قرآن مجید اور دو کتابیں جو اس حملے نے محفوظ کی تھیں۔ ایک ٹرنک میں بھر دی گئیں۔

سپرنٹنڈنٹ خانہ تلاشی سے فارغ ہو کر باہر صحن میں آیا تو سی۔ آئی۔ ڈی کا ایک مسلمان ملازم جو روزانہ حضرتؒ کے درس میں شریک ہوتا تھا، اندر گیا اور چھت کی طرف تجسسانہ انداز میں دیکھنے لگا۔ چھت کی کڑیوں میں اس کو ٹین کی ایک چمکتی ہوئی نلکی نظر آئی اُس نے باہر آکر ایس۔ پی کو بتایا اور اس نے ایک شخص منگوا کر وہ نلکی اتروالی۔ اس نلکی میں حضرتؒ اور مولانا سندھیؒ کی سندات تھیں جو آپ نے اس غرض سے چھت میں رکھی تھیں کہ اگر خدانخواستہ مکان میں چوری ہو جائے تو کم از کم یہ محفوظ رہیں۔ ایس پی کے حکم سے وہ نلکی بھی ٹرنک میں رکھ لی گئی اور ٹرنک کو مقفل کر کے مہر لگا دی گئی۔ یہ سندات اور اشیاء آج تک حضرتؒ کو واپس نہیں ملیں۔

۱۳۳۶ھ میں اکابر علماء نے حضرتؒ کو دوبارہ اسناد علوم عطا کیں۔ حضرت علامہ انور شاہؒ

صاحب کاشمیری نے لاہور میں حضرتؒ کو سند عطا فرمائی اور حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھیؒ نے حضرتؒ کے سفر حرمین ۱۳۴۶ھ میں آپ کو دوبارہ سند تحریر فرما دی جن کی نقول با ترجمہ شامل کی جا رہی ہیں :-

(۱)

الحمد لله الذی ارفع اعلام العلم واعلی اثاره واعزه فی کل قرون حتی شرق وغرب و اضاء ماحوله ونور انواره وجعل آدم وبنیه خلیفة به فی بسیط الارض حاکما علی الطول والعرض لیما دار الزمان ادواره، والصلوة والسلام علی النبی الامی العربی الهاشمی الذی کشف عنه استاره وابان اسراره وافصح عن کل حق وحقیقة بما یبهر افکار العالم ویعد اطواره اما بعد فان علم الحدیث انفاس النبوة ونفثات الرسالة وهو ذخر الدنیا و الدین وهو وحی الله خفیا ان لم یکن جلیا وهو اشرف ما توسل به العبد

ترجمہ

سب تعریفوں کا وہ اللہ مستحق ہے جس نے علم کے جھنڈوں کو بلند فرمایا اور اس کے آثار کو فوقیت بخشی اور علم کو ہر دور میں عزت دی یہاں تک کہ مشرق و مغرب علم کے انوار سے منور ہو گئے اور اسی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور ان کی اولاد کو اسی علم کی بدولت ہر زمانہ میں خطۂ ارضی پر حاکم مقرر فرمایا، اور صلوٰۃ وسلام اس نبی اُمّی عربی ہاشمی پر نازل ہوں جنہوں نے قرآن حکیم کے پردوں کو کھول کر اسرارِ قرآنی کو ظاہر فرمایا اور قرآنی حقائق کو حیرت انگیز طریقے پر واضح فرمایا اما بعد علم حدیث دراصل نبوت کے مبارک انفاس اور رسالت کے مقدس اثرات ہیں، جو دراصل دارین کا ذخیرۂ برکت ہیں اور یہی اللہ تعالیٰ کی وحی خفی ہیں۔ اگرچہ جلی نہیں اور یہ احادیث ہی سب سے بڑا وہ ذریعہ اور وسیلہ ہیں جن کی برکات

الی حضرۃ النبی الامین و
ھواوثق ما وجد علی البسطۃ
واسندہ واشرف ما
یغتنیه الطالب ویعنیه فی
الدنیا و فی الاخرۃ افودہ۔
قضی الحفاظ فیه اعمارھم
ولبسوا أثارھم ولقد قدر
اللہ له خدامۃ فی کل حین
یضربون اکباد الابل ولو
الی صین فمنھم اخونا فی
اللہ الولی المولی العلامۃ
احمد علی ادام اللہ برکاته
ھو المحدث المفسر ممن
ھدی اللہ به جماعات
من الناس وخلقه علی الاخلاص
والنیۃ قرء الحدیث والتفسیر
والفقه اولا علی العلامۃ
الشھیر مولانا عبید اللہ ادام
اللہ فیضه ثم حضر درس

سے ایک انسان دربار رسالت نبی امین صلّی اللہ
علیہ وسلّم تک پہنچ سکتا ہے اور یہی علم اس دُنیا
کے سب علوم سے زیادہ یقینی اور اشرف علم
ہے جس کی سند سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم
تک محفوظ ہے۔ یہی وہ علم ہے جو دارین میں
رہنمائی کا کام دیتا ہے۔ اس علم کے حصول
اور نشر و اشاعت میں حفاظِ حدیث نے اپنی
ساری عمریں صرف کر دیں۔ اس علم کی حفاظت
کے لیے خداوند قدوس نے ہر زمانہ میں ایسے
خوش بخت انسان پیدا فرما دیئے جو مشقتیں اٹھا
کر دُور دراز کا سفر اختیار کرتے ہیں خواہ ان
کو چین ہی تک کیوں نہ جانا پڑے۔ ان ہی
بزرگوں میں میرے دینی بھائی احمد علی صاحب ہیں
(اللہ تعالیٰ ان کی برکات ہمیشہ قائم رکھے) یہ ان
عالی مقام محدثین اور مفسرین میں سے ہیں جن کو
اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی کثیر تعداد کی ہدایت
کے لیے پسند فرما لیا۔ آپ نے حدیث و تفسیر اور
علم فقہ کی کتابوں کی تکمیل پہلے تو مشہور علامہ محدث
و مفسر کبیر مولانا عبید اللہ مدظلہم العالی کے ہاں

مسند الوقت ومحدث ذلك
الزمن شيخنا ومولانا محمود حسن
الديوبندي رحمه الله فاجازه
الاول وكتب له بها غيران غير
الزمان دارت وفقدت اشياءه
وبقى زمانا مهاجرا مجهودا فاستمد
منى ما لست له باهل ولا من ذلك
فى وعر ولا سهل لكنى اردت
التبرك به لكبر دينه فاجزت بكل
ما يجوز لى اجازته من الكتب الستة
وغيرها مما هو فى الاثبات مذكور و
فى الاجازات مسطور بالاسناد
المذكور فى كتاب اليانع الجنى فى
اسانيد الشيخ عبد الغنى كما اجازنى
به شيوخى اجلهم الشيخ محمود حسن
رحمه الله شيخ الهند ورحلة الآفاق
والله تعالى اسأل ان يوفقه لما يحب ويرضى
وان يجعل آخرته خيرا من الاولى آمين

فرمائی اور پھر حجۃ اللہ فی اوانہ محدث عصر استاذنا
محمود الحسن دیوبندی رحمہ اللہ سے شرف تلمذ حاصل
کیا۔ زمانہ کے انقلابات سے آپ کی سندات اور
دوسری ضروری علمی دستاویزات ضائع ہو گئیں آپ
نے مجھ سے دوبارہ سند دینے کا ارشاد فرمایا حالانکہ
میں اس کا اہل نہیں۔ مگر اس کے باوجود میں نے بطور
تبرک کے ان بلند ترین مقام کے پیش نظر
ان کو صحاح ستہ اور باقی تمام کتب کی اجازت دی
جو میں دے سکتا تھا۔ ہماری یہ سندات (الیانع الجنی
فی اسانید الشیخ عبد الغنی) میں مسطور ہیں، جیسا کہ
مجھے میرے اساتذہ کرام خصوصاً شیخ الہند
محمود الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے اجازت فرمائی۔
اور اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ حضرت
موصوف کو اپنی محبت اور رضا کی توفیق عطا فرمائے
اور ان کی اخروی زندگی کو پہلی زندگی سے بہتر
فرمائے۔ آمین!

عبد احقر محمد انور کشمیری عفا اللہ عنہ
۲۲ صفر ۱۳۴۶ھ

وانا العبد الاحقر محمد انور الكشميرى عفا الله عنه
۲۲ صفر ۱۳۴۶ھ ببلدة لاهور

اسی طرح حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے جو سند آپ کو عنایت فرمائی وہ نہ صرف علمی سند ہے بلکہ حضرت سندھیؒ کے اس گہرے قلبی تعلق کی آئینہ دار ہے جو مولانا سندھیؒ کو آپ سے تھا۔ ذیل کی سند مع اردو مفہوم کے درج کی جاتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
الحمد للہ رب العٰلمین
والعاقبة للمتقین وصلی اللہ
علی سیدنا محمد والہٖ وصحبہ وسلم
اما بعد فیقول العبد عبید اللہ
بن الاسلام ان الصالح السعید
المولوی احمد علی اللاهوری
هو ابن اخی حبیب اللہ بن الاسلام
کفلته لنذر نذر به ابواه۔ فکان
عندی منذ کان ابن ثمانیة سنین
بمنزلة اعز اولادی فاخذ عنی
علوم الألیة والعالیة وتربی
بمرای منی ومسمع حتی اجزته
لروایة القرآن العظیم والحدیث
وغیرهما من العلوم فی سنة
۱۳۲۶ھ اذ کنت بدار الرشاد

تمام تعریفوں کا مستحق وہی اللہ تعالیٰ ہے جو
تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی
رحمتیں اور سلام ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ
وسلم پر نازل فرمائے۔ اما بعد
سعید و صالح مولوی احمد علی صاحب لاہوری جو
میرے بھائی حبیب اللہ بن اسلام کے بیٹے ہیں
جو میری تربیت میں اس نذر کی وجہ سے رہے
جو ان کے والدین نے مانی تھی۔ یہ میرے پاس
اس وقت سے قیام پذیر رہے جبکہ آپ کی عمر
صرف آٹھ سال کی تھی۔ یہ میرے نزدیک میری
عزیز ترین اولاد جیسے ہیں۔ انھوں نے مجھ سے
علوم آلیہ (صرف نحو وغیرہما) اور علوم عالیہ
(حدیث تفسیر وفقہ) حاصل کیے اور یہ میری
زیر تربیت رہے۔ درس کی تکمیل پر ان کو میں نے
قرآن عظیم، اور حدیث وغیرہا علوم کی روایت
کی اجازت دے دی ۱۳۲۶ھ میں جب کہ میں

واستجزت له عن شيخي شيخ
حسين بن محسن الانصاري
فاشتغل بالتعليم والتدريس
ثم مكور اخذه القرآن العظيم
عني وحجة الله البالغة وما
يناسب ذلك اذكنت بدهلي
واشتغل بتعليم الكتاب و
السنة ونشرهما في شبان
المسلمين وشيوخهم فافاد
بارك الله فيه واجاد فما
كانت له حاجة الى تجديد
الاجازت لكن امر ما سالني
بعد ما لقيني بمكة سنة ۱۳۴۶ھ
ان اكتب له الاجازة واشافه
بها فاقول اني اجزت للمولوي
احمد علي بن حبيب الله بن
الاسلام ان يروي عني جميع
ما اجازني به مشائخي العظام
عليهم من الله تحية والسلام

دارالارشاد میں تھا اوران کے لیے میں نے اپنے
شیخ حسین بن محسن انصاری سے بھی اجازت لے
لی۔جس کے بعد مولانا تعلیم اور تدریس میں
مشغول ہوگئے۔ مگر پھر دوسری بار ترجمہ قرآن
عظیم اور حجۃ اللہ البالغہ اور اس کے مناسبات
مجھ سے حاصل کر لیے جبکہ میں دہلی چلا آیا جس
کے بعد مولانا احمد علی صاحب پوری محنت کے
ساتھ مسلم نوجوانوں اور بوڑھوں میں اشاعت
قرآن مجید اور احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں
سرگرم عمل رہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت اور
اثر سے مشرف فرمایا۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد کسی وجہ
سے (اضافہ سندات) مکہ مکرمہ کی ملاقات
۱۳۴۶ھ پر انھوں نے مجھ سے دوبارہ اجازت
طلب کی چنانچہ میں اب بھی مولوی احمد علی صاحب
بن حبیب اللہ بن اسلام کو اجازت دیتا ہوں
کہ موصوف کو میری طرف سے اجازت ہے کہ تمام
علوم شرعیہ، ادبیہ، عقلیہ خصوصاً قرآن عزیز، مؤطا،
صحیحین سنن ابی داؤد، ترمذی، نسائی، حافظ کی
فتح الباری، حکیم الامۃ شیخ اعظم ولی اللہ الدہلوی

من العلوم الشرعية والادبية
والعقلية عمومًا والكتاب العزيز
ودواوين السنة المسند الموطا
والصحيحين وسنن ابی داود و
الترمذی والنسائی وفتح الباری
للحافظ ومصنفات حکیم الامة
الشیخ الاجل ولی الله الدهلوی
مثل فتح الرحمن والفوز الکبیر
والمصفی وحجة الله البالغة و
غیرها ومصنفات ابنائه مثل
الشیخ الاجل عبد العزیز الدهلوی
والشیخ الشهید محمد اسمعیل
الدهلوی والشیخ الاجل محمد
قاسم النانوتوی خصوصًا لئلا
یتجاوز فی التاویل عند الحاجة
عن مسلك هولاء الاحبار و
لیعلم انی اروی الشیخ الاجل
الذی انتهت الیه ریاسة
الدین بالهند الشیخ محمود حسن

مثلاً فتح الرحمٰن، الفوز الکبیر، المصفّٰی،
حجۃ اللہ البالغہ، وغیرہ اور آپ کے
تلامذہ اور پیروانِ باوقار شیخ اجل،
عبد العزیز دہلوی، شیخ محمد اسمٰعیل
دہلوی، شیخ اعظم محمد قاسم نانوتوی کی
تصانیف کی اجازت دیتا ہوں تاکہ آپ
بوقتِ ضرورت ان بزرگوں کے مسلک
سے باہر قدم نہ رکھیں۔ میری اپنی
اجازت شیخ اعظم، ہند کے مرجع العلماءؒ
شیخ محمود حسن دیوبندی سے ہے
حضرت موصوف کو شیخ محمد قاسم
نانوتوی سے، ان کو حضرت شیخ
عبد الغنی دہلوی سے، ان کو شیخ
محمد اسحٰق دہلوی سے (تحویل) اور
اسی طرح حضرت شیخ الہند کو بلاواسطہ
شیخ عبد الغنی سے بھی اجازت حاصل
ہے اور ہمارے شیخ حافظ الحدیث
شیخ احمد علی سہارنپوری سے بھی
روایت کرتے ہیں جو کہ حضرت شیخ

الدیوبندی عن الشیخ محمد قاسم
النانوتوی عن الشیخ عبد الغنی
الدهلوی عن الشیخ محمد اسحٰق
الدهلوی ح وشیخنا شیخ الهند
محمود حسن یروی عن الشیخ
عبد الغنی بلا واسطة ایضاً ح
وشیخنا یروی عن حافظ الحدیث
الشیخ احمد علی السهارنفوری
عن الشیخ محمد اسحٰق ح وشیخنا
یروی عن الشیخ عبد الرحمٰن
البانی بتی عن الشیخ محمد اسحق
ح واجازنی الشیخ حسین بن محسن
الانصاری الیمانی عن الشیخ
محمد بن ناصر الحازمی عن الشیخ
محمد اسحٰق واخذت عن جماعة
من الشیوخ اسانیدهم تنتهی
الی الشیخ محمد اسحٰق الدهلوی
عن الشیخ عبد العزیز الدهلوی
عن ولی الله الدهلوی والتفصیل

محمد اسحٰق سے روایت فرماتے (تحویل)
اور اسی طرح ہمارے شیخ عبد الرحمن
پانی پتی سے بھی روایت کرتے ہیں جو کہ
شیخ محمد اسحٰق سے روایت فرماتے
ہیں۔ (تحویل) اسی طرح مجھے شیخ
حسین بن محسن انصاری نے اجازت
فرمائی جن کو شیخ محمد بن ناصر حازمی سے
اور ان کو شیخ محمد اسحٰق سے حاصل
ہے۔ علیٰ ہذا القیاس میں چند دوسرے
اصحاب سے بھی روایت کرتا ہوں، جن
کی سند شیخ محمد اسحٰق دہلوی تک
پہنچتی ہے۔ حضرت شیخ محمد اسحٰق،
حضرت شیخ عبد العزیز دہلوی سے اور
وہ حضرت ولی اللہ دہلوی سے روایت
کرتے ہیں۔ جس کی تفصیل کتاب
الارشاد اور یانع الجنی
وغیرہا میں موجود ہے۔ پس میں مولوی
احمد علی صاحب کو ایسی عام اجازت
دیتا ہوں، جو میری تمام روایات کو

موکول الی الارشاد ویانغ الجنی
رغیرهما من الاثبات فانی اجزت
المولوی احمد علی اجازة عامة
شاملة لجمیع ما اردیه وجعلته
وکیلا ان یجیز عنی من راه اهلا
لذلك ممن ادرك حیاتی و
اوصیه ونفسی بتقوی الله و
الله بر فی کتاب الله والاعتصام
بسنة سید المرسلین صلی الله
علیه وآله وسلم وسنة الشیخین
من خلفائه الراشدین و
الاجتناب عن الافراط و
التفریط وارجو منه ان یذکرنی
ومشائخی الکرام فی صالح
دعواته وآخر دعوانا ان
الحمد لله رب العلمین -

المجیز

عبید الله بن الاسلام نزیل مکة

کتبته فی آخر ایام تشریق - بمکة سنة ۱۳۴۶ھ

شامل ہے اور میں ان کو اپنا وکیل مقرر
کرتا ہوں کہ وہ جس کو اہل سمجھیں اس
کو اجازت دیں۔ جن لوگوں نے میرا
زمانہ پایا ہو میں اپنے آپ کو اور ان کو
وصیت کرتا ہوں کہ تقوےٰ کو اپنا شعار
بنائیں اور کتاب اللہ میں تدبر، سنّت
نبوی سے اعتصام، خلفاء راشدین
کے طریق کو مشعلِ راہ بنائیں، اور
افراط و تفریط سے مجتنب رہیں۔
اور میں اُمید کرتا ہوں کہ مجھے بھی
اور میرے معزز اساتذہ کو اپنی دعاؤں
میں یاد فرماویں۔

عبید اللہ بن اسلام
آخر ایام تشریق -
مکہ ۱۳۴۶ھ

نظارۃ المعارف القرآنیہ کی تلاشی

گھر کی تلاشی کے بعد ایس۔ پی اور باقی عملہ حضرتؒ کو لے کر واپس نظارۃ المعارف القرآنیہ گیا۔ وہاں انھوں نے درس گاہ کی تلاشی لی اور کتابوں کا ایک اور ٹرنک بھر کر سیل لگا دی۔

یہ ہر دو ٹرنک خدا جانے کہاں بھجوا دیئے گئے مگر پولیس حضرتؒ کو کوتوالی لے گئی۔ وہاں پہنچ کر حضرتؒ کی جامہ تلاشی لی گئی۔ آپ نے جو کوٹ پہن رکھا تھا، وہ پولیس نے اپنی تحویل میں لے لیا اور اس کو جگہ جگہ سے اُدھیڑ کر دیکھا، مبادا اس کی تہوں میں سازشی خطوط ہوں۔ یہ کوٹ راہوں ضلع جالندھر میں جہاں حضرتؒ نظر بند تھے واپس کیا گیا۔ حضرتؒ کچھ عرصہ دہلی کی حوالات میں رہے۔ پھر آپ کو شہر سے باہر ایک اور حوالات میں منتقل کر دیا گیا۔

شملہ کو روانگی

بعد ازاں ایک رات حضرتؒ کو ہتھکڑی لگا کر دہلی ریلوے اسٹیشن لایا گیا اور وہاں سے آپ کو شملہ بھیج دیا گیا۔ آپؒ کو شملہ کے انگریز ڈی، آئی، جی کے سامنے اس حالت میں پیش کیا گیا کہ آپ کے ہتھکڑی لگی ہوئی تھی۔ اس نے حکم دیا کہ ملزم کو شملہ حوالات میں بند کر دیا جائے۔ اس حوالات کا نگران انسپکٹر پولیس نہایت شریف الطبع اور علم دوست انسان تھا۔ اُس نے حضرتؒ کو ایسی خاص رعایات دیں جو عموماً حوالاتیوں کو نہیں دی جاتیں۔ اُس نے ماتحت عملے کو حکم دیا کہ جب کبھی حضرتؒ کو وضو کرنے کی ضرورت پیش آئے تو آپ کو ہتھکڑی کے بغیر جانے دیا جائے۔ چنانچہ آپ حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر اطمینان سے وضو کرتے اور پھر واپس تشریف لے آتے۔ اس کے علاوہ اس شریف النفس انسان نے آپ کے

کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے کا بھی خاص خیال رکھا۔

ایک دن یہ انسپکٹر حضرتؒ کو اپنے مکان پر لے گیا اور آپؒ کی بڑی پرتکلف دعوت کی۔ اس کے بعد عرض کیا" اگر اس وقت ڈی آئی جی آپ کو حوالات میں دیکھنے آجائے اور آپ کو وہاں نہ پا کر مجھ سے استفسار کرے تو میرے پاس اس کا تسلی بخش جواب ہے ؟"

وہ انسپکٹر پولیس حضرتؒ پر بحیثیت نگران مقرر تھا تفتیش اس کے فرائض میں داخل نہیں تھی جس سے یہ گمان ہو سکے کہ اس کا خاطر مدارات کرنا محض دکھاوا تھا یا وہ اپنے حسن سلوک سے حضرتؒ کو گرویدہ کرکے آپ سے تحریک کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ بلکہ اس کا تمام حسن سلوک عقیدتمندانہ تھا۔

لاہور میں آمد کچھ عرصہ بعد پولیس نے حکام بالا کی تعمیل میں حضرتؒ کو ہتھکڑی لگا کر لاہور بھیج دیا۔ پولیس حضرتؒ کو لاہور ریلوے اسٹیشن سے پیدل میاں عبدالعزیز صاحب پولیس افسر کے پاس لے گئی جن کا مکان اُن دنوں امرت دھارا سڑک پر واقع تھا۔ میاں عبدالعزیز نے حکم دیا کہ آپؒ کو رکھا حوالات میں رکھا جائے۔ چنانچہ کئی روز تک آپ ریلوے اسٹیشن سے متصل نولکھا تھانہ کی حوالات میں نظر بند رہے۔

جالندھر کو روانگی چند روز بعد پولیس حضرتؒ کو لاہور سے پھر جالندھر لے گئی اور جالندھر ریلوے اسٹیشن کے قریب زیر حراست رکھا۔ وہاں بعض پولیس افسران گاہے گاہے آتے رہتے۔ بیس پچیس دن اس حوالات میں رکھنے کے بعد آپ کو جالندھر شہر کی حوالات میں منتقل کر دیا گیا اور اسی دن آپ

جیل بھیج دیئے گئے۔

عصر کے وقت داروغہ جیل کے حکم سے آپ کو باہر نکالا گیا تو آپ نے دیکھا کہ کچھ دُور داروغہ کے پاس آپ کے شیخ حضرت دین پوری نور اللہ مرقدہ بھی تشریف فرما ہیں۔ اس وقت آپ کو معلوم ہوا کہ آپؒ کے شیخ بھی اس مقدمہ میں گرفتار ہیں۔ اس سے پیشتر آپ کو ان کی گرفتاری کا قطعاً کوئی علم نہ تھا۔ حضرتؒ نے دُور ہی سے اُن کی زیارت کی۔ حضرتؒ دستخط کرنے کے لیے تنکے کے پاس پہنچے تو مولوی عبدالحق لاہوری مالک رفاہِ عام سٹیم پریس بھی دکھائی دیئے۔ وہ بھی اس مقدمہ میں گرفتار تھے۔

راہوں میں نظر بندی

جالندھر جیل میں چند روز قید رہنے کے بعد پولیس آپ کو راہوں (ضلع جالندھر) کی جیل میں لے گئی یہاں آئے آپ کو چوبیس گھنٹے ہی گزرے تھے کہ ضلع جالندھر کا ڈپٹی کمشنر دورہ پر آیا۔ حضرتؒ کو اس کے روبرو پیش کیا گیا۔ اس نے حکم سُنایا:۔

"گورنمنٹ اس مقدمہ کے جُرم میں آپ کو راہوں میں نظر بند کرتی ہے اس قصبہ سے تم باہر نہیں جاسکتے اور نہ کوئی بیرونی آدمی یہاں آکر تم سے مل سکتا ہے کہیں خط بھیجنا ہو تو اُسے سب انسپکٹر پولیس کے حوالے کر دو۔ سرکاری افسر معائنہ کر کے مکتوب الیہ کو بھیج دیا کریں گے تمھیں گورنمنٹ کی طرف سے پندرہ روپیہ برائے خورد و نوش ماہوار ملا کریں گے۔"

اس کے بعد حضرتؒ کو حوالات سے آزاد کر دیا گیا۔

راہوں میں حضرتؒ کے شب و روز

راہوں پولیس سٹیشن کے پاس ہی ایک قدیم مسجد تھی۔ اس کے اور تھانے کے درمیان صرف چند فٹ کی گلی تھی حضرتؒ دن بھر مسجد میں رہتے اور شب بسری کے لیے تھانے میں چلے جاتے۔ تھانے کا سب انسپکٹر ایک سکھ تھا۔ اس نے سلمان سپاہیوں سے کہہ رکھا تھا کہ دکان سے آٹا دال لاکر اپنے کھانے کے ساتھ حضرتؒ کا کھانا بھی پکا دیا کرو۔ مہینے کے اختتام پر ان کا وظیفہ آئے گا تو دکانداروں کو راشن کی قیمت ادا کر دی جایا کرے گی۔

حضرتؒ کو راہوں میں نظر بند کیا گیا تو حضرتؒ کے جسم پر باریک کپڑے کا صرف ایک کُرتا اور اُس پر چربی جبا زیب تن تھی۔ اوڑھنے بچھونے کے لیے کچھ بھی آپ کے پاس موجود نہ تھا۔ اس طرح نومبر دسمبر کی یخ بستہ راتیں آپ نے صرف ایک عبا میں بسر کیں۔

جو مسلمان نماز عشاء کے لیے اس پُرانی مسجد میں آتے اُن میں سے ایک نمازی آپ سے اکثر کہا کرتا "اگر آپ فرمائیں تو بستر لا دوں۔" مگر چونکہ اس کے جواب میں یہ کہنا کہ "ہاں لادو" خود ایک قسم کا سوال بن جاتا تھا۔ اس لیے حضرت رحمۃ اللہ علیہ جواب میں صرف یہی فرماتے: "اللہ جس حال میں رکھے میں راضی ہوں۔ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔" آپ کے شیخ کی تربیت ہی یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے کچھ نہ مانگا جائے۔ غیر کے سامنے اپنی حاجت کا اظہار کرنا خُدا کی غیرت کو چیلنج دینا ہے۔ یہی نہیں حکایتِ حال بھی شکایت ذوالجلال ہے۔ چنانچہ اسی تعلیم کا اثر تھا کہ حضرتؒ نے بستر کی انتہائی ضرورت کے باوجود بھی یہ کہنا گوارا نہ فرمایا کہ ہاں بھائی مجھے بستر لا دو۔

آخر ارحم الراحمین کو اپنے غیور اور صابر بندے پر رحم آیا اور اس نے اپنے ایک مخلص بندے کے دل میں حضرتؒ کی ضرورت کا احساس پیدا فرما دیا۔ آدھی رات کے وقت ایک معمر متقی اور پرہیز گار بزرگ جسے حضرتؒ نے اس سے قبل کبھی نہ دیکھا تھا، ایک نیا لحاف اور توشک لے کر حاضر ہوئے اور کہا: "یہ بستر صرف آپ کے لیے بنوایا گیا ہے۔ ازراہ کرم اسے قبول فرمائیے۔" یہ کہہ کر وہ بزرگ چلتے بنے اور حضرتؒ نے وہ بستر عطیۂ الٰہی سمجھ کر قبول فرما لیا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

حضرتؒ سب انسپکٹر راہوں کے کیے ہوئے انتظام کے مطابق چند دن با دل ناخواستہ سپاہیوں کا پکا ہوا کھانا کھاتے رہے۔ مگر بعد میں اس بنا پر کہ کھانا پکانے میں ایندھن رشوت کا استعمال ہوتا ہے، آپ نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ حضرتؒ کے کھانا نہ کھانے کی اطلاع سب انسپکٹر کو دی گئی تو اُس نے یہ بھی دریافت نہ کیا کہ آئندہ آپ کے کھانے کا کیا انتظام ہوگا۔ اس طرح آپ کے کھانے کا کوئی ظاہری انتظام نہ رہا تو ایک پارسا عورت عصر کے بعد مکئی کے بھُنے ہوئے دانے اور کچھ گڑ ہر روز حضرتؒ کو دے جاتی۔ خدا جانے وہ عورت کون تھی۔ آپ نے کبھی اُس سے گفتگو نہ کی۔

اسی طرح ایک دن کوئی بزرگ جو کسی دُوسری جگہ کے رہنے والے تھے مسجد میں تشریف لائے۔ اُنھوں نے اپنا نام "سلطان الاذکار" بتایا اور حضرتؒ کو ایک وظیفہ تلقین کرتے ہوئے کہا: "اسے سات دن تک مسلسل بعد از نماز عشاء باقاعدگی سے پڑھیے۔ انشاء اللہ آپ رہا ہو جائیں گے۔" چنانچہ ساتویں روز آپ نے وہ وظیفہ ختم کیا

فوراً کہ آپ کو رہائی کی خبر مل گئی اور دوسرے دن آپ کو راہوں سے لاہور لایا گیا۔

لاہور کو واپسی لاہور میں آپ سی آئی ڈی کے ایک انگریز افسر کے سامنے پیش کیے گئے جس نے کہا کہ گورنمنٹ آپ کو صوبہ سرحد یا دہلی بھیجنے پر تیار نہیں۔ اگر آپ ایک سال کے لیے دو ضامن ایک ایک ہزار روپے کے بطور ضمانت پیش کر دیں تو گورنمنٹ آپ کو لاہور رہنے کی اجازت دے دے گی۔ دراصل پولیس جانتی تھی کہ دہلی اور سندھ میں آپ کا کافی رسوخ ہے۔ اس لیے وہ آپ کو کسی ایسے علاقے میں رکھنا چاہتی تھی کہ جہاں آپ کی ذات سے کسی قسم کا خطرہ پیدا نہ ہو سکے۔ حضرتؒ نے کہا کہ پنجاب میں میری کوئی واقفیت نہیں۔ مگر افسران وہاں سے ضامن بننے پر رضامند نہ ہوئے۔

بعد ازاں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے غور کیا تو قاضی حافظ ضیاء الدین صاحب ایم اے فاضل دیوبند کا نام یاد آیا۔ حافظ صاحب حضرتؒ کی اہلیہ محترمہ کے چچازاد بھائی ہونے کے علاوہ نظارۃ المعارف دہلی میں انگریزی کے استاد بھی رہ چکے تھے۔ حضرتؒ ان کے پاس پہنچے تو وہ بڑے شوق سے ضمانت دینے پر تیار ہو گئے۔ دوسرے ضامن کے لیے قاضی صاحب نے خود ہی ملک لال خاں صاحب کا نام تجویز کیا۔ ملک صاحب نے بھی اس خدمت کو عین سعادت سمجھا۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء فی الدارین۔

ضمانت اور رہائی جب قاضی صاحب اور ملک صاحب حضرتؒ کی ضمانت کے لیے لاہور پہنچے تو پولیس نے خود ہی ضمانت میں تخفیف کر دی اور بجائے ایک ایک ہزار کے پانچ پانچ سو کی ضمانت ایک سال کے لیے لے کر حضرتؒ کو رہا کر دیا۔

لاہور میں مُستقِل قیام

حضرتؒ کی گرفتاری کے بعد آپ کی اہلیہ کے برادر حقیقی حافظ مولوی عبدالغنی صاحب آپ کے بال بچوں کو دہلی سے لاہور لے آئے تھے۔ چونکہ حضرتؒ کے خسر مولانا ابو محمد احمد صاحب بھی اس مقدمہ میں گرفتار ہو کر روپڑ ضلع انبالہ میں نظر بند تھے۔ اِس لیے حضرتؒ کی اہلیہ ان کی غیر موجودگی میں لاہور نہ رہ سکیں اور اپنے کم سن بھائی ڈاکٹر عبدالقوی کے ساتھ نوابشاہ (سندھ) چلی گئیں۔

حضرتؒ نے نوابشاہ میں اپنے قیام کے زمانے میں تھوڑی سی زمین مکان بنانے کی غرض سے خریدی تھی۔ آپ مکان تو نہ بنوا سکے مگر ایک بلند چار دیواری ضرور تیار کروا چکے تھے۔ دُوسرے نوابشاہ میں حضرتؒ کا کافی اثر و رسوخ تھا۔ حضرتؒ کی اہلیہ نے خیال کیا کہ زمین تو اپنی موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے گا تو ایک چھوٹا سا مکان بھی تعمیر کر لیں گے۔ نوابشاہ پہنچ کر اُنھوں نے حضرتؒ کے چھوٹے بھائی حکیم رشید احمد کو جو ابھی کم سن ہی تھے اپنے پاس بُلا لیا۔

جب حضرتؒ لاہور میں پابند کر دیئے گئے تو آپ نے اپنے اہل و عیال کے علاوہ حکیم رشید احمد کو بھی اپنے پاس بُلا لیا اور اُنھیں طبیہ کالج لاہور (انجمن حمایت اسلام) میں داخل کرا دیا۔ جہاں سے اُنھوں نے زبدۃ الحکماء کا امتحان پاس کیا اور پھر اسی کالج میں پروفیسر مقرر ہو گئے۔

درس کی ابتدا زمانۂ قیام دہلی میں مولانا سندھی رح نے حضرت رح سے یہ عہد لیا تھا کہ آپ تمام عمر اشاعت قرآن مجید کرتے رہیں گے۔ اس لیے اگرچہ حضرت رح لاہور میں نظر بند تھے مگر پھر بھی آپ نے اس وعدہ کو پورا کرنے کے لیے دو آدمیوں کو قرآن مجید کا ترجمہ پڑھانا شروع کیا۔ ان میں سے ایک تو مولانا عبدالعزیز تھے جو بازار سریانوالہ میں دکان کرتے تھے اور دوسرے میاں عبدالرحمٰن جو بازار شیرانوالہ میں امام مسجد تھے۔ حضرت رح کو یہ معلوم تھا کہ دونوں حضرات آپ کے خسر مولانا ابو محمد احمد صاحب کے مخلص دوستوں میں سے ہیں۔ اس لیے آپ کو ان پر اعتماد تھا۔ آپ حتی الامکان یہ کوشش کرتے کہ کوئی مشتبہ شخص آپ کے درس میں شریک نہ ہو۔ کیونکہ آپ کو خدشہ تھا کہ مبادا کوئی آدمی آپ کے خلاف رپورٹ کر دے اور آپ کی ضمانت ضبط ہو جائے۔ اس کے بعد جوں جوں حضرت رح کی صداقت، خلوص، پاکبازی، اسلامی اخوت اور تقویٰ کے راز لوگوں پر کھلتے گئے، مخلص اصحاب کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔

رہائش ان دنوں حضرت رح کا مکان کٹڑہ مستری اللہ دتہ کی بالائی منزل پر تھا۔ آپ نماز پنجگانہ مسجد لائن سبحان خاں میں ادا کیا کرتے تھے۔ مگر درس مسجد میں نہ دیا کرتے تھے۔ پھر کچھ عرصہ بعد کٹڑہ کی ایک چھوٹی سی مسجد میں درس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ مسجد ہذا شیرانوالہ سے فاروق گنج کو جاتے ہوئے جی۔ ٹی روڈ سے نیچے اتر کر دائیں ہاتھ پر واقع ہے۔ جب سامعین کی تعداد بڑھی اور مسجد مذکورہ میں بیٹھنے کی گنجائش نہ رہی تو آپ نے مسجد سے ملحقہ یک منزلہ دو کانوں کی چھت پر درس کی ابتدا کی۔

مستری اللہ دتہ کا کٹڑہ شیرانوالہ دروازہ کے بالکل سامنے لب سڑک واقع ہے۔

فاروق گنج لاہور کی
وہ مسجد جہاں حضرت
شیخ التفسیرؒ نے درس
قرآن حکیم کی ابتدا کی۔

چھوٹی مسجد کا وہ کمرہ
جہاں ہر روز بعد
نماز فجر درس قرآن ہوتا
ہے اور ہر جمعرات کو
مجلس ذکر منعقد ہوتی ہے
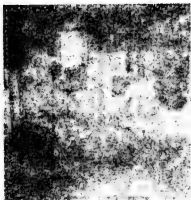
جب لوگوں نے وہاں درس ہوتے دیکھا تو مجمع اور بھی بڑھنے لگا۔ پھر حفظ ما تقدم کے پیش نظر کہ سی آئی ڈی کا کوئی آدمی آپ کے خلاف رپورٹ نہ کر دے حضرتؒ نے وہاں درس کا سلسلہ بند کر دیا اور مولانا عبد الحق مرحوم کے مکان کی بیٹھک کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنا لیا۔ مولانا عبد الحق کا مکان نواں محلہ اندرون شیرانوالہ دروازہ میں واقع ہے۔ درس کا یہ سلسلہ کافی عرصہ تک جاری رہا۔

کچھ عرصہ بعد مولوی عبد الحق کو اس کمرہ کی ضرورت پڑی تو حضرتؒ نے خود ہی بغیر کسی تحریک کے کمرہ چھوڑ دیا۔ اور مسجد لائن سبحان خاں شیرانوالہ دروازہ میں درس کا آغاز کیا۔ دراصل یہ مسجد پولیس لائن کی مسجد تھی۔ چونکہ اس علاقہ میں پولیس رہا کرتی تھی، اس وجہ سے مسجد کا نام لائن والی مسجد پڑ گیا۔ جب حضرتؒ نے یہاں درس کا سلسلہ شروع کیا تو حاجی فضل الدین نواں محلہ والے جو کہ ایک عابد اور صحیح الخیال با خدا بزرگ تھے اور بزازی کی دکان کرتے تھے اور بلا للہ اس مسجد کی خدمت سرانجام دیتے تھے۔ اسی دوران میں حضرتؒ مولوی امام الدین کے مکان میں منتقل ہو گئے جس کے بارے میں حضرتؒ خود فرماتے ہیں۔

"مولوی امام الدین پرائمری سکول کے مدرس تھے۔ اکبری منڈی کے پاس ان کے تین مکان تھے۔ ایک دن میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ مجھے خواب میں حکم ہوا ہے کہ ایک مکان آپ کو دے دوں۔ میں نے بہت اچھا کہا اور وہ چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد پھر آئے اور کہا کہ مجھے دوبارہ حکم ہوا ہے۔ میں نے پھر بہت اچھا کہہ دیا اور معاملہ ختم ہو گیا۔ کچھ مدت کے بعد پھر آئے کہ آج تو مجھے ڈانٹا گیا ہے کہ کیا تمھیں اپنی زندگی پر بھروسہ ہے جو حکم کی تعمیل نہیں کرتے۔ اب چلیے چل کر مکان پسند کر لیجیے۔

چنانچہ ان کے اصرار پر میں نے جا کر ایک مکان پسند کر لیا۔ مولوی صاحب نے اس کی رجسٹری کر دادی اور میں نے اس مکان میں رہائش اختیار کر لی۔ میں عام طور پر وقت دیکھ کر نماز کے لیے آیا کرتا تھا جب گھر سے نکلتا تو راستہ میں کبھی کوئی مل جاتا اور کبھی کوئی۔ اس طرح میری کبھی ایک رکعت اور کبھی دو رکعتیں چھوٹ جاتیں۔ میں نے مولوی صاحب کو بلا کر کہا کہ آپ نے اشاعت دین کے لیے مکان دیا ہے مگر میرے دینی پروگرام میں خلل پیدا ہو رہا ہے۔ آپ یا تو مجھے مکان بیچ کر الٰہی سبحان خاں میں دوسرا مکان خریدنے کی اجازت دیں یا اپنا مکان واپس لے لیں۔ مولوی صاحب نے خوشی سے مجھے اجازت دے دی اور ان کے مکان کو بیچ کر میں نے اپنے موجودہ مکان کا ایک حصہ بنا لیا۔

ذریعہ معاش

یوں تو حضرتؒ نے لاہور میں سکونت اختیار کر لی تھی گو گزارہ کا کوئی مناسب انتظام نہیں تھا۔ اور چونکہ حکومت کے باغی تھے۔ اس لیے شروع شروع میں لوگ بھی کم التفات کرتے تھے۔ گھر میں کئی کئی روز فاقہ ہوتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت دین پوریؒ سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ گھر کے برتن اٹھا کر رکھ دیا کرو اور دو رکعت نماز نفل پڑھ کر بدستور اللہ اللہ کرتے رہو۔ اس کے بعد خدا مسبب الاسباب ہے۔

جیسا کہ اُوپر ذکر آچکا ہے، حضرتؒ کے خسر مولانا ابو محمد احمد صاحب لاہور میں کشمیری بازار کی صوفی مسجد میں رہا کرتے تھے۔ ان کا ذریعہ معاش طبع ہونے والی کاپیوں کی تصحیح کرنا تھا۔ بدیں وجہ ان کے کتب فروشوں سے اچھے تعلقات تھے۔ حضرتؒ کا ابتدائی زمانہ تو بڑی عسرت میں گزرا لیکن بعد میں کتب فروشوں نے مولانا ابو محمد احمد سے تعلق کی بنا پر

تصحیح کا کام حضرتؒ کو دینا شروع کر دیا۔ حضرتؒ کے خسر اُن دنوں روپڑ ضلع انبالہ میں ریشمی خطوط کی سازش کے سلسلے میں نظر بند تھے۔ اس کے علاوہ حضرتؒ دوسرے کام بھی کر لیا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں قاضی محمد عدیل کا بیان ہے کہ :۔

"حضرتؒ ہفتے میں ڈیڑھ دن اپنی معاش کا بندوبست کرتے تھے کبھی صابن بناتے اور کبھی عربی کتابوں کی کتابت کی تصحیح فرماتے تھے۔ میں نے انھیں صابن بناتے دیکھا نہیں، اس کا اہتمام شاید گھر کے اندر رہتا ہو، لیکن کتابت کی اصلاح میں مشغول دیکھا ہے۔ یہ کام آپ مسجد کے حجرہ میں کرتے تھے۔ اس ڈیڑھ دن میں جتنی آمدنی ہوتی تھی اُسے ہفتہ بھر کھاتے تھے۔ یہ آمدنی کتنی ہوتی تھی۔ یہ میں قطعی طور پر نہیں بتا سکتا لیکن ظاہر ہے کہ وہ بہت قلیل ہوتی ہوگی۔ میں نے سُنا ہے کہ بعض دن پورے گھر نے صرف چنے چبا کر گزر کیا۔ لیکن بایں ہمہ یہ ممکن نہ تھا کہ آپ کی شان خودداری اور فقر و استغنا کی آن میں کوئی فرق آسکے۔"

چنانچہ ایک دفعہ آپ لاہور سے کلکتہ جمعیۃ العلماء کی مجلس عاملہ میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے۔ واپسی پر کچھ لوگ گورکھپور اسٹیشن پہ آئے اور اصرار کیا کہ انجمن اسلامیہ کے جلسہ میں شرکت کے لیے چلیں۔ آپؒ نے منظور کر لیا اور ایک تقریر کی جس میں درس قرآن کریم کو عام کرنے پر زور دیا۔ آپ کی تقریر سے لوگ حد درجہ متأثر ہوئے جب آپ واپس اسٹیشن پر پہنچے تو منتظمین نے پچاس روپے پیش کیے۔ حضرتؒ نے سوال کیا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے یہ کہہ کر ٹالنا چاہا کہ کرایہ ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا

"لاہور سے کلکتہ تک اور کلکتہ سے لاہور تک کا کرایہ جمعیۃ العلماء نے مجھے دے دیا ہے۔ آپ مجھے اپنے تانگے پہ لے گئے اور وہاں کھانا کھلا دیا۔ میرا کچھ خرچ نہیں ہوا تو کرایہ کیسا؟" لوگ کہنے لگے کہ نذر سمجھ کر لے لیجئے۔ حضرتؒ نے فرمایا: "میں نذر نہیں لیتا" اور انکار کر دیا۔

انھیں ایام کا ذکر ہے کہ ایک تاجر کتب نے جو اپنا نام بتانا پسند نہیں کرتے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تنگدستی اور عسرت کے پیش نظر ایک سو روپے کا نوٹ لفافے میں ڈال کر پیش کیا۔ حضرتؒ نے ڈاک کھولی تو لفافے میں سو روپے کا نوٹ دیکھ کر سوچ میں پڑ گئے اور پھر فرمایا۔ "نہ جانے اس شخص نے کس مقصد کے لیے یہ روپیہ بھیجا ہے؟" یہ کہا اور تمام رقم دینی کام کے لیے وقف کر دی۔ اس میں سے ایک پائی بھی اپنے مصرف میں نہ لائے۔

مسجد لائن سبحان خاں

اللہ والوں کا سب سے پہلا اور ضروری کام یہ ہوتا ہے کہ وہ جہاں بھی جائیں سب سے پہلے اللہ کا گھر بنائیں۔ تاکہ اپنے معبود کی عبادت کر سکیں اور دوسروں کو اس کی دعوت دیں۔ روئے زمین پر سب سے پہلے جو عمارت بنائی گئی، وہ بیت اللہ ہے۔ خود سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں نزول اجلال فرمانے وقت سب سے پہلے مسجد قبا کی بنیاد ڈالی۔ حضورؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

"جب تم دیکھو کہ ایک آدمی مسجد کی بہتری اور اس کو آباد کرنے کی طرف لگا رہتا ہے تو تم شہادت دو کہ وہ جنتی ہے۔" (رواہ الترمذی)

حضرتؒ جب لاہور تشریف لائے تو جیسا کہ اُوپر بیان ہو چکا ہے۔ مسجد لائن والی میں نماز اور درس قرآن حکیم شروع کیا۔ اس مسجد کی توسیع اور ترقی کے سلسلے میں مستری عبداللہ صاحب ولد حاجی فضل دین صاحب کے دو بیان درج ذیل ہیں:۔

(۱) "لائن سبحان خاں میں سرکاری سپاہ کا ہونا مجھے یاد ہے۔ میری عمر اس وقت تیرہ چودہ سال کی ہوگی۔ آج کل جہاں بڑی مسجد ہے۔ یہاں سرکاری اونٹوں کا طویلہ تھا۔ انجمن خدام الدین کے مدرسۃ البنات کے متصل حافظ علی محمد کا مکان ہے۔ یہاں پولیس کی جانداری کی گھگھتی اور جہاں مُنّو ٹوگا گوجر کا مکان ہے۔ یہاں سرکاری گھوڑے باندھے جاتے تھے۔ مسجد پولیس لائن کے وقت چھوٹی سی تھی۔ پولیس والے یہاں نماز پڑھتے تھے۔ اس مسجد کے قریب ایک بیری کا درخت بھی تھا۔"

(۲) "مسجد لائن والی پولیس لائن کے وقت سے تھی اور نیا محلہ بعد میں قریباً پچاس سال بعد آباد ہوا۔ میری عمر اس وقت اکثر سال کی ہے۔ جب میرے والد صاحب (حاجی فضل الدین) نے یہاں رہائشی مکان خریدا تھا۔ اس وقت ہمارے مکان کے سوا اس محلے میں کل دو تین گھر مسلمانوں کے تھے۔ باقی سب ہندوؤں اور سکھوں کے تھے۔ مسجد لائن والی کے باہر سے لے کر نئے محلے تک جتنی دکانیں ہیں، وہ سب ایک ہندو کی تھیں جو "تبا کوروالا" کہلاتا تھا۔ پولیس لائن چلے جانے کے بعد اس مسجد میں باقاعدہ نماز سوائے والد مرحوم کے اور کوئی نہیں پڑھتا تھا۔ جو دو تین گھر مسلمانوں کے تھے وہ اکثر بے نماز تھے۔ بدمعاش لوگ بدکاری کے لیے ہندوؤں سے مکان کرایہ پر لیا کرتے تھے۔ مگر جب مولانا احمد علیؒ یہاں آئے تو بفضلہٖ تعالیٰ مسلمانوں کی آمد رفت یہاں بڑھتی گئی اور حاجی فضل الدین مرحوم مسجد میں توسیع کرتے گئے۔ انھوں نے حجرے اور دکانیں بنادیں اور بعد میں اپنی خوشی سے مولانا احمد علیؒ کی تولیت میں دے دیں۔"

اسی سلسلے میں حضرتؒ کا بیان ہے کہ:۔

"کابل سے واپس آنے کے بعد میں نے دوبارہ مسجد لائن سبحان خاں میں درس

قرآن مجید شروع کر دیا۔ اور بفضلہ تعالیٰ ۱۳۴۰ھ میں انجمن خدام الدین کی بنیاد رکھی حاجی فضل دین پولیس لائن کے اُٹھ جانے کے بعد مسجد کے چھوٹے سے کمرے اور صحن میں سردی اور گرمی میں نماز پڑھتے تھے جب انھوں نے دیکھا کہ درس قرآن مجید کی برکت سے لوگوں کی تعداد بڑھ گئی ہے۔ اور لوگ نمازِ صبح کے بعد آدھے مسجد کے اندر اور آدھے سخت سردی کے باوجود کھلے صحن میں بیٹھتے ہیں تو انھیں مسجد کے بڑھانے کا خیال آیا۔ مسجد کے شمال اور جنوب کی طرف کچھ زمین خالی پڑی تھی۔ اس کا کچھ حصہ شمال اور جنوب سے مسجد میں داخل کر کے انھوں نے پہلے کمرہ کو وسیع کر دیا۔

مسجد کی تجدید و توسیع حاجی فضل الدین کے انتقال کے بعد انجمن خدام الدین نے تین مرتبہ مسجد میں ترمیم و اضافہ کیا اور تینوں مرتبہ مستری عبداللہ کے ہاتھوں یہ کام سرانجام پایا:-

(۱) پہلی مرتبہ مسجد کی چھت اونچی کرائی گئی۔ سابقہ کڑیاں اُتار کر نئی ڈالی گئیں اور باہر کا صحن جو کہ غیر مسقف تھا وہ مسقف کیا گیا۔ دیوار میں روشندان نہیں تھے روشندان لگوائے گئے۔

(۲) دوسری مرتبہ — دوسری منزل۔ انجمن خدام الدین کا دفتر اور حضرتؒ کے رہنے کا بالائی کمرہ بنوایا گیا۔

(۳) تیسری مرتبہ مسجد کے زیریں حصے کی مرمت پر کئی ہزار روپیہ صرف کیا۔

حضرتؒ تاحیات اس مسجد کے متوّلی رہے اور اپنے بعد انھوں نے مولانا عبیداللہ انور صاحب کو انجمن کی امارت کے ساتھ مسجد کا متوّلی بھی مقرر فرما دیا۔ حضرتؒ نے لاہور میں چار مساجد اور بھی بنوائیں۔ حضرتؒ ارشاد فرمایا کرتے تھے:-

جامع مسجد شیرانوالہ کی بالائی منزل جو خواتین کے روپے سے تکمیل پذیر ہوئی۔
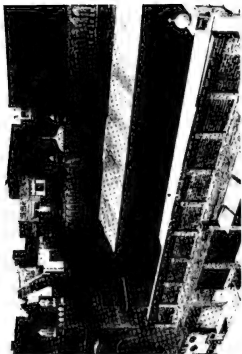
"مجھے مساجد بنانے کا شوق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چار[1] مساجد مجھ سے بنوائیں۔ اُن میں سے دو پر صرف عورتوں کا پیسہ لگا ہے، مردوں کا ایک پیسہ نہیں لگا۔ ان میں کنوئیں اور حجرے بھی ہیں۔ دو میں مردوں اور عورتوں کا برابر کا حصّہ ہے۔ اس مسجد میں جس میں ہم بیٹھے ہیں اُوپر کا حصّہ خالصۃً ایک عورت کے پیسے سے بنا ہے۔"

حضرتؒ کا پہلا حج

حضرتؒ ۱۹۱۷ء میں لاہور تشریف لائے۔ اُسی سال کے آخر میں یا اگلے سال کے شروع میں آپ نے سفرِ حج کا ارادہ کیا جس کے ساتھ ہی ہجرت کر کے حرمین شریفین میں مستقل قیام کرنے کا مسئلہ زیرِ غور تھا۔ اس مقصد کے پیشِ نظر آپ نے پاسپورٹ کی درخواست میں بال بچوں کا نام بھی لکھوا دیا۔ درخواست دیتے وقت حضرتؒ کے مخلص دوست خواجہ محمد رشید صاحب (وائیں) آپ کے ساتھ تھے۔ اس بات کو راز میں رکھنے کے لیے خواجہ صاحب کو یہ تاکید کر دی کہ پاسپورٹ کے بارہ میں کسی سے ذکر نہ کریں۔

جس دن حضرتؒ نے درخواست دی آپ کے پاس صرف دس روپے تھے۔ مگر اس مسبّب الاسباب نے باوجود راز داری کے چار دن کے اندر اندر انیس سو روپیہ جمع کرا دیئے۔ جو اس وقت کے مصارف سے کہیں زیادہ تھے۔

ارشادِ نبویؐ پر عمل کرتے ہُوئے ہجرتِ حرمین شریفین کے لیے حضرتؒ نے اللہ تعالےٰ کی

---

[1] بعد میں حضرت نے چھ سات مساجد بنوائیں جو بطور باقیات الصالحات موجود ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں:۔ مسجد اچھرہ، فاروق گنج، شاہدرہ، مصری شاہ، رحمان پورہ۔ میو ہسپتال کی مسجد۔

بارگاہ میں دُعا فرمائی کہ اے اللہ! اگر میری یہ ہجرت دین و دنیا کے لحاظ سے مفید اور بہتر ہے تو اعانت فرما اور اگر مفید نہیں تو اپنے حکم سے روک دے۔

چنانچہ جس دن پاسپورٹ آیا اُسی دن ہی حضرتؒ سفر کے لیے تیار ہو گئے بستر باندھا کچھ برتن بوری میں ڈال لیے اور بقیہ سامان کچھ تو فروخت کر دیا اور کچھ لوگوں کو دے دیا لیکن اللہ تعالیٰ کو آپ کی یہ ہجرت اس وقت منظور نہ تھی۔ خدا کی قدرت آپ کی اہلیہ سخت بیمار ہو گئی اور وہ سفر کے قابل نہ رہیں۔

چند روز بعد آپ کے خسر اپنے اعزا و اقربا کے ساتھ لاہور تشریف لائے اور اپنی صاحبزادی کی نازک حالت دیکھ کر حضرتؒ کو مجبور کیا کہ اُن کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔ چنانچہ حضرتؒ بال بچوں کو اللہ کے سپرد کر کے خود حج پر روانہ ہو گئے اور ہجرت کا ارادہ ترک کر دیا۔

ابتدائی حج میں آپ کے ساتھ صرف معتقدین ہی تھے مگر آخری حجوں اور عمروں میں حضرتؒ کی اہلیہ اور صاحبزادگان باری باری ساتھ جایا کرتے تھے۔ آپ اکثر تحدیث نعمت کے طور پر ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ یہ اللہ کا فضل ہے کہ اُس نے مجھے چودہ مرتبہ زیارت حرمین شریفین سے مشرف فرمایا۔

ہجرتِ کابل

حضرتؒ حج سے واپس آئے تو تحریک خلافت کا دور دورہ تھا۔ کراچی اُترنے کے بعد معلوم ہُوا کہ ہندوستان میں خلیفۃ المسلمین (ترکیہ) کی حمایت میں خلافت کمیٹیاں قائم ہو چکی ہیں۔ مسلمان بڑے جوش و خروش سے اس تحریک میں حصّہ لے رہے ہیں اور خلافتِ اسلامیہ کی حمایت میں تن، من، دھن سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔

جنگِ کابل

اسی اثنا میں امیر امان اللہ خاں والئے کابل نے انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ ادھر ہندوستان کے مسلمان انگریزوں کے خلاف اشتعال میں تھے۔ کیونکہ فرانسیسی اور انگریزی فوجوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا تھا اور خلیفۃ المسلمین اُن کی قید میں تھے۔ امیر امان اللہ خان نے ہندوستان کے مسلمانوں کو ہجرت کر کے افغانستان آنے کی دعوت دی۔ ہندی مسلمانوں نے اس دعوت پر لبیک کہی اور ہزاروں کی تعداد میں کاروان در کاروان افغانستان جانا شروع ہو گئے۔ (لیکن یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ادھر تو امیر امان اللہ خاں انگریزوں سے صلح کر رہا تھا اور ادھر ہندی مسلمانوں کو ہجرت کی دعوت دے رہا تھا) جنگ کے خاتمے پر انگریزوں نے مجبوراً افغانستان گورنمنٹ کے ساتھ صُلح کر لی۔

حضرتؒ کی ہجرت

حضرتؒ ہندوستان سے ہجرت کا ارادہ تو رکھتے ہی تھے لیکن آپ کا خیال حرمین شریف جانے کا تھا۔ مگر یہ خدا کو منظور نہ ہُوا اب جبکہ ہندوستان کے مختلف صوبجات سے مہاجرین نے کابل جانا شروع کیا تو آپ کی تمنا بر آئی

اور آپ بھی ہجرت کے لیے تیار ہو گئے۔ آپ کے دونوں چھوٹے بھائی پہلے ہی کابل میں قیام پذیر تھے۔

حضرتؒ کو پنجاب کے مہاجرین کا میرِ کارواں مقرر کیا گیا پنجاب کے بڑے بڑے شہروں کی طرف سے مہاجرین کے لیے دس ہزار روپے حضرتؒ کی خدمت میں پیش کیے گئے اور متفقہ طور پر فیصلہ ہوا کہ حضرتؒ یہ روپیہ امیر امان اللہ خان کی خدمت میں پہلی قسط کے طور پر پیش کریں۔ چنانچہ حضرتؒ نے اس روپیہ کا سونا لاہور سے خرید فرمایا اور عام اجلاس میں امیر امان اللہ خان کے پیش کر دیا۔

قیامِ پشاور مسلمانانِ پشاور کو مہاجرین کے قافلے کی پہلے سے اطلاع مل جاتی تھی۔ اور شہر کے چیدہ سرکردہ حضرات رضا کاروں کو ساتھ لے کر مہاجرین کے استقبال کے لیے ریلوے سٹیشن پر آجاتے تھے۔

جب حضرتؒ کے قافلہ والی گاڑی سٹیشن پر پہنچی تو حسبِ دستور مسلمانانِ پشاور اسٹیشن پر موجود تھے۔ انھوں نے درخواست کی کہ سب لوگ اپنا سامان ڈبوں کا توں چھوڑ کر باہر نکل آئیں۔ چنانچہ تمام مرد و زن ڈبوں سے باہر نکل آئے۔ پشاور کے مسلمان ان لوگوں کو تانگوں پر بٹھا کر جلوس کی صورت میں مجوزہ قیام گاہ پر لے گئے۔ اس عرصہ میں رضا کاروں نے گاڑی سے تمام سامان اُتار کر ایک جگہ جمع کر دیا اور بعد میں مہاجرین سے کہا گیا کہ وہ اپنا اپنا سامان اُٹھا کر علیحدہ کر لیں۔ قافلہ کی خوراک اور رہائش کا انتظام سے قابلِ ستائش تھا۔ ہر مہاجر کے دل سے بے ساختہ دُعا نکلتی تھی کہ اللہ انھیں دین و دُنیا میں سرفراز کرے۔ آمین یا الٰہ العالمین!

پشاور سے روانگی دو تین روز پشاور میں قیام کرنے کے بعد یہ قافلہ تانگوں

پرپشاور سے کابل روانہ ہوا۔ قافلے کا سامان بیل گاڑیوں میں پیچھے پیچھے آرہا تھا۔ یہ تانگے ایک غیر منظم طریقے پر منزلیں طے کرتے ہوئے مختلف مقامات پر ٹھہرتے مولانا کا تانگہ بساول ٹھہرا، جہاں مہاجرین کا ایک اور تانگہ پہلے سے موجود تھا۔

حضرتؒ کا تانگہ قبل از عشاء مذکورہ مقام پر پہنچا مگر ان کے سامان والی بیل گاڑی جس پر خورد و نوش کا سامان بھی تھا بہت پیچھے رہ گئی۔ دوسرے تانگے میں لاہور ہی کے مہاجرین تھے اور ان کے پاس خورد و نوش کا سامان تھا۔ ان لوگوں کے بال بچوں کا تانگہ کسی دوسرے مقام پر جا پہنچا تھا۔ اس لیے انھوں نے خورد و نوش کا سامان حضرتؒ کے بال بچوں کو دے دیا۔ دوسرے دن تانگہ بھٹی کوٹ پہنچا جہاں مہاجرین نے رات بسر کی اور تیسرے دن جلال آباد پہنچ گیا۔ اس کے بعد یہ مہاجر مختلف مقامات پر ٹھہرتے ہوئے کابل کی حدود میں داخل ہوئے۔

کابل میں

حضرتؒ کے دو چھوٹے بھائی مولانا سندھیؒ کے ساتھ امیر امان اللہ خاں کی کوٹھی (عین الامارۃ) میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ شہزادگی کے زمانہ میں یہ کوٹھی امان اللہ خاں کی قیام گاہ تھی۔ تخت نشینی کے بعد امان اللہ خاں نے یہ کوٹھی مولانا سندھیؒ کو دے دی۔

حضرتؒ کے قافلہ کے کئی آدمی آپ سے پہلے ہی کابل پہنچ گئے تھے۔ اس لیے حضرتؒ کی مع اہل و عیال ہجرت کی خبر مولانا سندھیؒ کو پہنچ چکی تھی۔ انھوں نے حضرتؒ کے پہنچنے سے پہلے ہی ایک مکان کرایہ پر لے رکھا تھا۔ حضرتؒ نے کابل پہنچ کر اسی مکان میں اقامت اختیار کی۔ چونکہ مکان بہت وسیع تھا، اس لیے حضرتؒ نے دو خاندان (شیخ میراں بخش اور میاں عبداللہ) کو بھی اسی مکان میں ٹھہرا لیا۔ حضرتؒ بالائی منزل میں

مقیم تھے اور نچلی منزل کے دونوں حصوں میں ان حضرات کے کنبے رہتے تھے۔

حضرتؒ کا قافلہ کابل پہنچا تو سب سے پہلے عیدگاہ میں قیام کیا۔ یہ عیدگاہ مسقف تھی اور پہلے پہنچے ہوئے مہاجرین یہیں مقیم تھے۔ ان لوگوں نے حضرتؒ کے پہنچتے ہی آپ کو اطلاع دی کہ ہندی مہاجرین یہاں بڑی کس مپرسی کی حالت میں ہیں اور افغانستان کے حکام ان کے ساتھ بے اعتنائی سے پیش آ رہے ہیں۔ اکثر مہاجرین جو روپیہ اپنے ساتھ لائے تھے خرچ کر چکے ہیں۔ اب ان کے پاس واپس جانے کے لیے کرایہ تک نہیں رہا۔ یہ لوگ افغانوں کے سلوک سے اتنے بددل ہو چکے تھے کہ انھوں نے حضرتؒ سے واپس جانے کی اجازت چاہی۔ حضرتؒ نے بہت کچھ سمجھایا مگر وہ اپنی ضد پر قائم رہے۔

حکومت افغانستان نے شروع میں مہاجرین کی آبادکاری کے لیے کافی گرمی دکھائی۔ مہاجروں کے کنبوں کو مختلف صوبوں میں بسایا گیا۔ کاشت کے لیے حسب ضرورت زمین الاٹ کر دی گئی۔ مگر مہاجرین کی اکثریت زراعت کے اصولوں سے ناواقف تھی اور جو لوگ اس پیشے سے متعلق رہ چکے تھے، وہ بھی ہندوستان کی آب و ہوا میں رہنے کے عادی تھے۔ برفانی علاقے میں کھیتی باڑی کرنا ان کے بس کی بات نہ تھی چنانچہ اکثر لوگ سردی اور بھوک سے مر گئے۔ جو باقی بچے وہ بھی موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا تھے۔ حالت یہ تھی کہ مُردے چھ چھ دن تک بے گور و کفن پڑے رہتے تھے۔ بیماروں کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا۔ ڈاک و تار کا فرسودہ انتظام ہونے کے باعث ایک علاقے کے مہاجرین کو دوسرے علاقے کے مہاجرین کے حالات کا بالکل پتہ نہ چلتا تھا۔ اس زبوں حالی کی طرف حکام کی توجہ دلائی جاتی تو وہ سخت بے رُخی سے پیش آتے۔

انھیں دنوں حکومت افغانستان اور انگریزوں کا معاہدہ ہو گیا جس میں ایک شرط

یہ بھی تھی کہ تمام مہاجرین کو ہندوستان واپس کر دیا جائے۔ چنانچہ مہاجرین نے اسے بخوشی منظور کر لیا۔

کابل سے واپسی

اگر دوسرے مسلمان ہندوستان واپس آ بھی جاتے تو حضرتؒ کے لیے کابل کا قیام نامناسب نہیں تھا۔ کیونکہ مولانا سندھیؒ اور آپ کے دو چھوٹے بھائی وہاں موجود تھے۔ مگر چونکہ معاہدہ کی شرط یہی تھی کہ تمام مہاجرین واپس ہندوستان بھیج دیئے جائیں اس لیے مولانا سندھیؒ نے حضرتؒ سے فرمایا کہ اب آپ کو بھی واپس چلے جانا چاہیئے۔ کیونکہ حکومت افغانیہ نے اشارۃً کہہ دیا ہے کہ سب لوگ افغانستان سے چلے جائیں۔ اس معاہدہ کی رو سے ہمیں بھی یہاں سے جبراً نکلنا پڑے گا۔ مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں:۔

"مولوی احمد علی صاحب کو ہم نے ہندوستان واپس بھیجنا ہی مناسب خیال کیا منت سے ہم اسے اس پر راضی کر سکے۔ ذاتی ڈائری صہ ۳۴"

چنانچہ اس فیصلے کے بعد حضرتؒ واپس ہندوستان تشریف لے آئے۔ مولانا محمد علی کو مولانا سندھیؒ نے یاغستان بھیج دیا اور خود حضرتؒ کے دوسرے بھائی کو لے کر روس چلے گئے۔

حکومتِ برطانیہ کی حکمتِ عملی

مہاجرین بڑے شوق اور عقیدت سے افغانستان گئے تھے اور انھوں نے ایک اسلامی ملک میں رہنے کے خیال سے اپنے آبائی وطن سے ہجرت اختیار کی تھی۔ مگر خلافِ توقع وہاں جا کر انھیں مایوسی ہوئی اور وہ افغانی حکام کی بے اعتنائی سے دل برداشتہ ہو کر واپس لوٹ آئے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ہندوستانی مسلمان حکومت افغانستان سے بدظن ہو گئے۔ اگر تحریک ہجرت کامیاب ہو جاتی تو اس کے نتائج انگریزوں کے حق میں

مہلک ثابت ہوتے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ امیر امان اللہ خاں کی یہ ایک سیاسی چال تھی اُنھوں نے ہجرت کا حربہ شاید اس لیے استعمال کیا تھا کہ انگریز اس کے نتائج سے خوفزدہ ہو کر ان کی شرائط صلح مان لیں۔

ادھر برطانیہ نے حکمت عملی سے کام لیا اور واپس آنے والے مہاجرین کی بہت دل جوئی کی۔ انھیں پشاور کی سراؤں میں مفت جگہ دی گئی اور خورد و نوش کے مصارف بھی حکومت نے خود برداشت کیے۔ نہ صرف یہ بلکہ دو چار دن کے قیام کے بعد ٹکٹ بھی خود حکومت ہی کی طرف سے خرید کر دیئے گئے۔ اس طرح ہندی مسلمان حکومت افغانستان سے اور بھی زیادہ برگشتہ ہو گئے۔

حکومت نے پشاور سے دو تین میل کے فاصلے پر ایک فوجی افسر مقرر کر رکھا تھا جو واپس آنے والے مہاجرین کی سرسری دیکھ بھال کر کے انھیں پشاور بھیج دیتا تھا۔ حضرت بھی ہندوستان کی حدود میں داخل ہوئے۔ داخلے پر سب لوگوں کے نام وغیرہ پوچھے گئے اور جب حضرتؒ کی باری آئی تو افسر نے سوال کیا: "کیا تم مولانا سندھیؒ کے رشتہ دار ہو اور آپ کا نام (مولانا) احمد علی (صاحب) ہے؟" حضرتؒ نے اثبات میں جواب دیا اور اس کے بعد آپ کو پشاور بھیج دیا گیا۔ جہاں آپ دُوسرے مہاجرین کے ساتھ ایک سرائے میں ٹھہرے۔

دوسرے دن صبح آپ کو ایک انگریز افسر کے سامنے پیش کیا گیا۔ اُس نے بھی آپ کو بغور دیکھ کر پُوچھا: "کیا تم مولانا سندھیؒ کے عزیز ہو؟" حضرتؒ کے اثبات میں جواب دینے پر آپ کو سرائے میں واپس بھیج دیا گیا۔

حضرتؒ دو تین دن پشاور رہے۔ پھر آپ کو لاہور کا ٹکٹ دے دیا گیا اور آپ مع اہل و عیال لاہور واپس آ گئے۔ یہ ۱۹۲۰ء کے اوائل کی بات ہے۔

انجمن خدام الدین کا قیام

ہجرت سے واپسی کے بعد حضرتؒ نے حسب سابق درس قرآن مجید شروع کر دیا۔ ۱۹۲۳ء
کا واقعہ ہے کہ ایک دن صبح کے درس سے فارغ ہونے کے بعد حکیم فیروزالدین صاحب اٹھے
اور حاضرین مجلس کو مخاطب کر کے کہا۔ آپ لوگ مولانا احمد علیؒ سے اکثر سنتے رہتے ہیں کہ اللہ
تعالیٰ کے دین کی اشاعت کسی منظم طریق پر ہونی چاہیے۔ اور یہ کام کسی ایسے ٹھوس طریقہ پر کیا
جائے جو مفید ہونے کے علاوہ دیرپا بھی ہو۔ لہٰذا آپ کو چاہیے کہ ایک انجمن کی بنیاد رکھنے میں
حضرت کی مدد فرمائیں۔

سامعین نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور حضرتؒ نے اس انجمن کا نام انجمن خدام الدین
تجویز فرمایا۔ اس کے غالباً پانچ چھ روز بعد حضرتؒ نے ان احباب کو جمع کیا جنہوں نے اپنی
خدمات پیش کی تھیں اور بعض دوسرے بزرگوں کو بھی شمولیت کی دعوت دی۔ چنانچہ مولانا
ابو محمد احمد جو مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد تھے اور مولانا افضل حق صاحب
جو مولانا نذیر احمد دہلوی کے شاگرد تھے، اس انجمن میں شامل ہو گئے۔

انجمن خدام الدین کا نصب العین اشاعت قرآن حکیم اور اشاعت سنت نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم قرار پایا۔ انجمن کے تحت دینی مسائل سے متعلق حضرتؒ کے رسائل شائع کیے
گئے حضرتؒ کا مسلک یہ تھا کہ وقتی طور پر جو ضروریات دین واقع ہوں ان کو قرآن اور سنت کی
روشنی میں حل کیا جائے۔ حضرتؒ کے تمام رسائل میں یہ رنگ نمایاں ہے۔ آپ نے ہر موضوع کو

قرآن حکیم کی آیات سے ثابت کیا اور اس کی تفسیر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا حوالہ دیا۔ البتہ آپ فقہی مسائل کو فقہ حنفی کی روشنی میں حل فرماتے تھے۔ حضرتؒ نے اپنا مسلک بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔

> "میرا مسلک یہ ہے کہ اوّلاً حکم کتاب اللہ میں تلاش کیا جائے۔ اس میں نہ ملے تو کتاب اللہ کی شرح حدیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اگر حدیث سے حکم نہ مل سکے تو پھر امام ابوحنیفہؒ کے قول کا اتباع کیا جائے۔ کیونکہ میں حنفی ہوں۔ امام کا اتباع بایں معنی ہے کہ امام صاحبؒ کتابُ اللہ اور سنّتِ رسُول سمجھتے ہیں اور اس سے احکام نکالنے میں ہمارے مقتدا ہیں۔"

انتخابِ امیر جب انجمن کا اجلاس شروع ہوا تو حضرتؒ نے تجویز پیش کی کہ انجمن کا ایک امیر ہونا چاہیئے۔ آپ نے اس امر کی خاص طور پر وضاحت کی کہ صدر اور امیر میں نمایاں فرق ہے۔ صدر مجلس منتظمہ کی تجاویز کو اپنی سرپرستی میں عملی جامہ پہنانے کا ذمہ دار ہے اور مجلس منتظمہ جو فیصلہ کرے صدر کے لیے اس کی پابندی لازمی ہے۔ صدارت کی صُورت میں ممکن ہے کہ انجمن میں پارٹی بازی ہو جائے اور کام میں رکاوٹ ہو۔ اس کے برعکس امیر مجلس منتظمہ سے مشورہ ضرور لے گا لیکن مشورہ کے بعد اگر وہ اسے انجمن کے مفاد کے خلاف سمجھے تو مجلس منتظمہ کی رائے کو رد کر کے اپنی رائے پر عمل کروا سکتا ہے۔ امارت کی صُورت میں پارٹی بازی نہیں ہو سکتی۔ اگر بفرضِ محال دو پارٹیاں ہو بھی جائیں تو امیر اپنے اختیار کی بنا پر سب کی رائے رد کر سکتا ہے۔ اس طرح پارٹیوں کے اختلافات انجمن کے کام میں حارج نہیں ہو سکیں گے۔

انجمن کی مجلس منتظمہ نے اور دیگر حضرات نے جن کے نام اوپر آچکے ہیں، حضرتؒ کی اس رائے سے اتفاق کیا۔ حضرتؒ نے یہ بھی کہا کہ جس شخص کی دیانت، امانت، صلاحیت اور اوصافِ حمیدہ پر سب کو اعتبار ہو اسی کو امیر منتخب کیا جائے۔

جب انتخاب کی نوبت آئی تو سب حضرات نے متفقہ طور پر حضرتؒ کا نام تجویز کیا۔ حضرتؒ نے اس عہدے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ مجلس ہٰذا میں میرے دو اساتذہ کرام اور تیسرے ایک بزرگ تشریف رکھتے ہیں۔ میرے نزدیک ان کی موجودگی میں یہ قطعی ناموزوں ہے کہ مجھے امیر منتخب کیا جائے۔ حضرتؒ کی کوشش تھی کہ ان ہر سہ افراد میں سے کسی کو امیر منتخب کیا جائے۔ اور ان بزرگوں کا یہ اصرار تھا کہ حضرتؒ ہی کو امیر چنا جائے۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ تینوں حضرات ناراض ہو کر مجلس سے جانے لگے اور انھوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر آپ ہماری رائے کو قابل قبول نہیں سمجھتے تو ہم اس مجلس میں شامل ہونے کے لیے تیار نہیں۔ اس پر حضرتؒ نے ادب پر امر کو ترجیح دی اور آپ باتفاق رائے انجمن کے امیر مقرر ہو گئے۔ حضرت مولانا فضل حق صاحب ناظم اور خواجہ محمد رشید صاحب (دائیں) آسٹریلیا والے خزانچی مقرر ہوئے اور انجمن نے باقاعدہ کام شروع کر دیا۔

اب حضرتؒ نے قرآن مجید کے دو درس شروع کر دیئے۔ پہلا "درس عام" بدستور نماز صبح کے بعد ہوتا رہا۔ اور دوسرا درس بعد از نماز مغرب ہونا قرار پایا۔ یہ درس تعلیم یافتہ طبقے کے لیے مخصوص تھا۔ اس میں انگریزی تعلیم یافتہ حضرات، کالج کے طلبہ اور ملازمین شامل ہوتے تھے۔

پہلا درس حضرتؒ خود ۱۹۱۷ء سے لے کر تا دمِ زیست بلاناغہ دیتے رہے اور دوسرا درس پچیس سال تک دینے کے بعد آپ سبکدوش ہو گئے اور آپ کے فرزند ارجمند

مولانا حافظ حبیب اللہ صاحب مدظلہ فاضل دیوبند دینے لگے۔ والحمد للہ علی ذلک۔

تفسیر قرآن ۱۹۲۵ء میں حضرتؒ کو بعض معتقدین کی درخواست پر خیال ہوا کہ اگر اسی درس قرآن کریم کو تحریر کی شکل میں لاکر طبع کرا دیا جائے تو ابدی فائدہ کا حامل ہوگا۔ چنانچہ بعض معتقدین کے مشورہ سے یہ طے ہوا کہ لاہور میں کثرت مشاغل اس کام میں مانع ہوگی۔ اس لیے حضرتؒ لاہور سے کسی پرسکون جگہ پر تشریف لے جائیں جس کے لیے ضلع کیمبلپور کی بستی واہ کا انتخاب ہوا۔ چنانچہ اسی سال ایک ماہ کے لیے حضرتؒ واہ تشریف لے گئے اور وہاں آپ نے ترجمۃ القرآن کا کام شروع کر دیا۔ اس طرح ۱۹۲۶ء میں یہ ترجمہ اور محشّی قرآن کریم شائع ہو گیا۔

مدرسہ قاسم العلوم ۱۹۲۴ء میں حضرتؒ نے تجویز پیش کی کہ انجمن کی زیرِ نگرانی ایک عربی مدرسہ قائم کیا جائے تو مجلس منتظمہ نے حضرتؒ کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے مدرسہ کے اجرا کی تجویز پاس کر دی اور مدرسہ کا نام "مدرسہ قاسم العلوم" رکھا گیا۔ انجمن کے پاس کوئی جگہ نہ تھی جو طلبہ کے لیے رہائش کا کام دیتی۔ اس مقصد کے لیے اندرون شیرانوالہ دروازہ، نواں محلہ کے باہر، ایک مکان کرایہ پر لیا گیا اور اسباق کا انتظام لائن والی مسجد میں کیا گیا۔

عام عربی پڑھنے والے طلبہ کے علاوہ فارغ التحصیل بھی تفسیر پڑھنے کی غرض سے آنے لگے۔ ان کی آمد پر حضرتؒ نے اعلان کیا کہ ایسے طلبا کو تین ماہ میں مکمل قرآن مجید پڑھا کر سند دی جائے گی۔ جس پر مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا انور شاہؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے دستخط ہوں گے۔

مدرسہ کی عمارت کرایہ کے مکان میں طلبہ کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

جامع مسجد واہ گاؤں
(نزد حسن ابدال) جس
کے نیچے دیئے ہوئے
حجرے میں حضرتؒ نے
قرآن حکیم کی تفسیر مکمل کی

جامع مسجد واہ گاؤں کا وہ حجرہ
جہاں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے
چودہ دن میں قرآن حکیم کے
سولہ پاروں کی تفسیر مع خلاصہ
رکوع و ربط آیات مرتب فرمائی

(فوٹو۔ عثمان غنی)

اس لیے انجمن نے اپنی عمارت بنانے کے لیے لائن سُبحان خان میں ایک قطعہ اراضی خریدا۔ جس پر مدرسہ کی عمارت تعمیر کی گئی۔ یہ عمارت ۱۵ کمروں پر مشتمل ہے۔ ہال ان کے علاوہ ہے۔

تعمیر عمارت کے بعد مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو مدرسہ کے افتتاح کی دعوت دی گئی۔ چنانچہ مولانا موصوف نے ۱۳۵۲ھ بمطابق ۱۹۲۴ء میں رسم افتتاح ادا فرمائی۔ جو طلباء دورہ تفسیر کے لیے آتے اُن کا انتظام اس مدرسہ میں کیا جاتا۔ مدرسے کے ساتھ مطبخ بھی ہے جہاں طلباء کا کھانا پکتا ہے۔ ان تمام مصارف کی ذمہ دار انجمن خدام الدین ہوتی ہے۔

مدرسہ کے شعبہ جات

(۱) درس قرآن مجید (عمومی)

۱۹۱۷ء سے درسِ قرآن مجید (عمومی) جاری ہے۔ یہ درس نمازِ فجر کے ایک گھنٹہ بعد ہوتا ہے۔ حضرتؒ کی زندگی میں اگر آپ لاہور قیام فرماتے تو آپ کے کوئی نائب یا فرزند یہ خدمت سرانجام دیتے تھے لیکن ناغہ کسی حال میں نہیں ہوتا تھا۔ مستورات کے لیے پردہ کا باقاعدہ انتظام ہے۔

درس کا پہلا دور آٹھ سال میں مکمل ہوا۔

درس کا دوسرا دور ۱۵ سال میں مکمل ہوا۔

تیسرا دور ۱۹۴۹ء سے حضرت کے وصال تک جاری رہا اور اب چوتھا دور حضرت کے جانشین مولانا عبیداللہ انور صاحب نے اسی طرز پر شروع کر رکھا ہے۔

(ب) درس قرآن مجید (خصوصی)

ہر سال رمضان المبارک میں ایک سہ ماہی درس تفسیر ہوتا ہے۔ اس میں پاک و ہند کے صرف دینی مدارس کے فارغ التحصیل علماء حضرات ہی شریک ہوتے ہیں۔ قیام پاکستان سے پہلے بالعموم دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور، دارالعلوم ڈابھیل اور مدرسہ شاہی

مرادآباد، مدارس عربیہ دہلی کے سند یافتہ طلبہ شریک ہوتے تھے۔ اب بھی جن ہندوستانی طلبہ کو پاسپورٹ اور ویزا مل جاتا وہ شریک ہوتے ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد مشرقی پاکستان، خیرالمدارس، جامعہ اشرفیہ، دارالعلوم اسلامیہ اور بالخصوص دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے فارغ التحصیل علماء شریک ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ ملایا، انڈونیشیا، ایران، افغانستان، روسی ترکستان اور دیگر اسلامی ممالک کے علماء بھی اس درس میں شرکت اپنے لیے باعث سعادت خیال کرتے اور بڑے ذوق وشوق سے اس میں شامل ہوتے تھے۔

(ج) حفظ وناظرہ :۔

مدرسہ میں بچوں کے لیے قرآن مجید حفظ وناظرہ کی تدریس کا انتظام بھی ہے۔ ۱۳۵۴ھ سے یہ شعبہ جاری ہے اور اس وقت تک سیکڑوں طلبہ حفظ وناظرہ قرآن مجید ختم کر چکے ہیں۔

(د) کتب خانہ :۔

مدرسہ قاسم العلوم کا ایک اعلیٰ درجے کا کتب خانہ بھی ہے۔ اس میں ہر علم وفن کی کتابیں موجود ہیں ———— ان میں تفسیر، حدیث، اصولِ حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، فلسفہ، شریعت، تاریخ وسوانح اور ادب کے علاوہ تقابل مذاہب اور مناظرہ کی کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(ہ) فنی تعلیم :۔

ابتدا میں فنی تعلیم کا انتظام بھی تھا۔ طلبہ کو صناعت اور کتابت کا کام سکھایا جاتا تھا۔ مگر یہ سکیم بعض وجوہ کی بنا پر دیرپا ثابت نہ ہو سکی۔

(د) تبلیغی سرگرمیاں

مدرسہ کے فارغ التحصیل طلبا نے نہ صرف اندرونِ ملک دینی خدمات انجام دیں بلکہ وہ بیرونِ ملک بھی تبلیغی خدمات سرانجام دیتے رہے اور دے رہے ہیں۔ افریقہ کے مسلمانوں نے ڈاکٹر اقبال مرحوم سے استدعا کی کہ وہ تبلیغ اسلام کے لیے کسی بہترین مبلغ کو بھیجیں۔ حضرت علامہؒ نے اس انتخاب کے لیے حضرت اقدسؒ کی خدمت میں درخواست کی جس کی بنا پر حضرتؒ نے ماسٹر نذیر احمد سیاب بی۔ اے کو جزیرہ ٹرینیڈاڈ میں تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا۔ ٹرینیڈاڈ کی انجمن اہل سُنّت والجماعت کے خزانچی ایک بار لاہور تشریف لائے اور انھوں نے بتایا کہ ماسٹر صاحب بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ ہمارے دو اسکول ہیں۔ ماسٹر صاحب تین دن ایک سکول میں اور تین دن دوسرے سکول میں درس دیتے ہیں اور وہاں کے لوگ ان کی کارگزاری سے بہت خوش ہیں۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ ؕ ھذا الیس متایلی من فضل اللہ علینا ؕ

اب کچھ عرصہ ہوا کہ ماسٹر صاحب موصوف تبلیغی جدوجہد میں مصروف وہیں انتقال فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(ذ) میزانیہ اور جائیداد۔

مدرسہ کا نہ کوئی سفیر ہے اور نہ اس کے لیے چندہ کی اپیل کی جاتی ہے حضرتؒ کے حلقہ ارادت کے مخیر حضرات ازخود اعانت کرتے ہیں حضرتؒ خود انجمن سے کوئی تنخواہ یا سفر خرچ وصول نہیں کرتے تھے۔ مدرسہ پر کل پچاس ہزار روپیہ خرچ ہوا۔

ریاست بہاولپور کے ایک متمول صاحب میجر اللہ دتہ نے اپنی نو تعمیر کوٹھی زینا منزل انجمن کو وقف کر دی جس کی قیمت ایک لاکھ بیس ہزار روپیہ ہے۔ اس کی صرف نچلی منزل کا کرایہ دو سو روپیہ ماہانہ ہے۔ اس سے طالبات کے مدرسہ کا مستقل خرچ پورا ہو جاتا ہے۔ کل

غیر منقولہ جائیداد دو لاکھ پچاس ہزار روپیہ سے زائد ہے

مدرسۃ البنات ۱۳۶۵ھ بمطابق ۱۹۴۵ء میں انجمن خدام الدین نے طالبات کے لیے ایک مدرسہ قائم کیا۔ یہ مدرسہ بھی شیرانوالہ دروازہ میں ہے۔ مدرسہ کے ۱۴ کمرے ہیں۔ اس کے دو طرف کارپوریشن کا باغ ہے۔ ایک طرف مسجد لائن سبحان خاں ہے اور دوسری طرف سڑک۔

مدرسہ میں دینی تعلیم کا ہشت سالہ نصاب رائج ہے جس میں اسلامی عقائد و ارکان کلام اللہ مع ترجمہ، درس حدیث، سیرۃ النبیؐ و خلفائے راشدین شامل ہیں۔ مزید برآں تعلیم خانہ داری کے علاوہ کشیدہ کاری بھی نصاب میں شامل ہے۔

اس مدرسہ کے دو شعبہ جات ہیں:۔

ا۔ ایک شعبہ ان وقتی طالبات کے لیے ہے جو کسی اور مدرسہ میں تعلیم نہیں پاتیں

ب۔ دوسرا شعبہ ان جز وقتی طالبات کے لیے ہے جو سرکاری مدارس میں زیر تعلیم ہیں اور دوپہر کے بعد مغرب تک اس مدرسہ میں دینی تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ مدرسہ میں طالبات سے کوئی فیس نہیں لی جاتی۔

مدرسۃ البنات میں قریباً پانچ سو طالبات زیر تعلیم ہیں اور قریباً تیرہ اُستانیاں کام کر رہی ہیں۔ جن میں چند حضرت کی شاگرد ہیں اور باقی آپ کی شاگرد معلمات کی شاگرد ہیں۔ یہ اُستانیاں دس روپیہ ماہانہ سے لے کر بیس روپیہ ماہانہ تک کے معمولی مشاہرہ پر رضا کارانہ طور سے دینی خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔ صرف خیاطی کی انچارج معلمہ کا مشاہرہ چالیس روپیہ ماہانہ ہے۔ جزاہن اللہ خیر الجزاء۔

مدرسۃ البنات پر کل تہتر ہزار روپیہ خرچ آیا تھا اور اس سلسلے میں کبھی کوئی چندہ

اندرون دروازہ شیرانوالہ
میں حضرت شیخ التفسیر کا
مکان جس میں حضرتؒ کی
زندگی کا بیشتر حصہ بسر ہوا۔

مدرسۃ البنات
جس میں بچیوں کو
امور خانہ داری اور
کشیدہ کاری کے علاوہ
اعلیٰ اسلامی تعلیم دی
جاتی ہے اس مدرسہ
کی بنیاد ۱۹۲۵ء
میں رکھی گئی۔
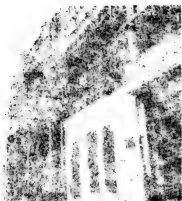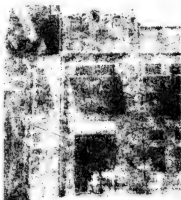
نہیں مانگا گیا۔ مدرسہ کا خرچ انجمن کی غیر منقولہ جائداد کے کرایہ وغیرہ سے پورا ہو جاتا ہے۔ الحمد للہ۔

شعبۂ اشاعت ۱۳۴۵ھ میں انجمن خدام الدین کے زیر اہتمام ایک شعبۂ اشاعت قائم کیا گیا۔ اس نے اردو میں چونتیس مختلف موضوعات پر پمفلٹ شائع کیے جن کی اشاعت اس وقت تک گیارہ لاکھ چھپن ہزار تک پہنچ چکی ہے۔ اس کے علاوہ انگریزی زبان میں گیارہ مختلف موضوعات پر پمفلٹ شائع کیے گئے۔ ان کی مجموعی اشاعت تا حال چھیالیس ہزار ہے۔ یہ رسائل مفت تقسیم کیے جاتے ہیں۔ صرف چند ایک کی قیمت برائے نام ہے:۔

رسائل کی فہرست حسب ذیل ہے:۔

(۱) تذکرۃ الرسوم الاسلامیہ	(۲) اسلام میں نکاح بیوگان
(۳) ضرورۃ القرآن	(۴) خلق محمدی
(۵) خلاصۂ اسلام	(۶) توحید مقبول
(۷) پیغام رسول	(۸) فلسفۂ عید قربان
(۹) اسلام ہندوستان میں	(۱۰) فلسفۂ روزہ
(۱۱) اسلام کا فوجی نظام	(۱۲) خدا کی نیک بندیاں
(۱۳) پیر و مرید کے فرائض	(۱۴) فلسفۂ زکوٰۃ
(۱۵) علماء اسلام اور علامہ مشرقی	(۱۶) خدا کی مرضی
(۱۷) استحکام پاکستان	(۱۸) شہادۃ البخاری علی حرمۃ المزامیر
(۱۹) احکام شب برات	(۲۰) اصلی حنفیت

(۲۱) وظیفے (۲۲) مالِ میراث میں حکمِ شریعت

(۲۳) فوٹو کا شرعی فیصلہ (۲۴) تحفۂ میلادُ النبی ؐ

(۲۵) معراج النبی ؐ (۲۶) شرح اسماءُ اللہ الحسنیٰ

(۲۷) فلسفۂ نماز (۲۸) بہشتی اور دوزخی

(۲۹) مسلمان عورت کے فرائض (۳۰) گلدستۂ صد احادیث

(۳۱) اسلام اور ہتھیار (۳۲) مقصدِ قرآن

(۳۳) نجاتِ دارین کا پروگرام (۳۴) مرزائیت سے نفرت کے اسباب

ان رسائل کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب بھی شائع ہو چکی ہیں :۔

(۱) خلاصۂ مشکوٰۃ شریف از مولانا احمد علی رح (۲) خطباتِ جمعہ (۸ جلدیں)

(۳) مجلسِ ذکر کے مواعظ ۸ جلدیں (۴) مجموعۂ تفاسیر

(۵) ترجمۂ قرآن از مولانا احمد علی رح (۶) قرآن مجید با حاشیہ

انگریزی رسائل :۔

(1) Islam and Ahmadism.
(2) Wisdom of the Quran.
(3) ——Do——
(4) Quran and Science.
(5) Quranic conceptions of National solidarity and International Peace.
(6) Preaching of Islam.
(7) Reform of Muslim Society.
(8) Spirit of Islamic Culture.
(9) The Quranic Origin of the Islamic Polity.
(10) The secret of inviolable of the five Prayers.
(11) Islam's solution of the Basic Economic problems

انجمن خدام الدین کا دفتر جس کی بنیاد ۱۹۲۱ء میں رکھی گئی تھی.

مسجد کی بالائی منزل حضرتؒ کا کمرہ تصنیف و تالیف. اس میں آجکل خدام الدین کا دفتر ہے.

ہفتہ وار خدام الدین

۱۹۵۵ء میں حضرتؒ کی زیرِ سرپرستی انجمن خدام الدین نے رسالہ خدام الدین ہفتہ وار شائع کرنا شروع کیا ابتدا میں تعداد اشاعت چار سو تھی۔ مگر حضرتؒ کی برکت سے اس خالص مذہبی رسالہ کو اس قدر مقبولیت ہوئی کہ اس کی اشاعت پندرہ ہزار تک پہنچ گئی اور اب اس کا حلقہ اشاعت پاکستان سے باہر بھی کافی وسیع ہو چکا ہے۔ رسالے کی تبلیغی سرگرمیوں کے زیرِ اثر متعدد لوگ بے دینی سے تائب ہو کر اللہ کے نیک بندے بن چکے ہیں اور کئی غیر مسلم اسلام قبول کر چکے ہیں۔ ذیل میں ایک نو مسلم خاتون کے خط کے اقتباسات درج ہیں وہ لکھتی ہیں کہ :۔

"میں ایک رومن کیتھولک عیسائی لڑکی تھی۔ مؤرخہ ۶۰/۷/۱ سے اپنا مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کر چکی ہوں۔ آئندہ میرا اسلامی نام ثریا ہو گا۔ میں سچے دل سے وعدہ کرتی ہوں کہ تمام زندگی اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق گزاروں گی۔ جو حکم مسلمانوں کے پاس اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت بھیجے ہیں، میں اُن پر عمل کروں گی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد میں ایک پاکستانی آر۔ ایس۔ اے خان سے شادی کر چکی ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُس نے مجھے اندھیرے غار سے نکال کر اسلام کی سچی روشنی دکھائی اور پھر مجھے اپنے محبوب نبیؐ کی اُمت کا ایک فرد بنا دیا اور مجھے ایسا خاوند دیا جس نے مجھے اسلام کی بیشمار خوبیوں سے روشناس کرایا۔۔۔۔۔۔"

"میں خدام الدین پڑھنے والوں کی خدمت میں عرض کرتی ہوں کہ

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دُعا کریں کہ مجھے اسلام کی سچی محبت عطا فرمائے اور
نبی کریمؐ کے فرمان کے مطابق چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ۔ ۔
دُنیا میں اگر کوئی سچا مذہب ہے تو وہ اسلام ہے۔ اگر کوئی بھولا
بھٹکا غیر مسلم انسان سکون کی زندگی چاہتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم کے نقشِ قدم پر دین و دنیا کی زندگی چین و آرام سے گزارے۔۔۔"
ثریا بیگم
از انگلستان

عام تقطیع میں بیس صفحات کا یہ مختصر سا صحیفہ شریعت اور طریقت کا بحرِ بیکراں
ہے جس کے تموج میں حقیقت و معرفت کے خزانے لٹتے نظر آتے ہیں۔ اداریہ کے علاوہ
چند مستقل عنوانات ہیں۔ جن میں خطبۂ جمعہ مجلس ذکر حکایات الصالحین اور بچّوں کا
صفحہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں:۔

ا- اداریہ میں شیوۂ جوانمرداں حق گوئی اور بے باکی کے تحت سیاست
حاضرہ کا جائزہ لیتے ہوئے ان تمام پہلوؤں کو سامنے لایا جاتا ہے جن کا جاننا
عامۃ المسلمین کے لیے از بس ضروری ہے۔

ب- خطبۂ جمعہ کے زیرِ عنوان حضرتؒ کے وہ فرمودات درج ہوتے ہیں
جو آپ ہر جمعہ کو قرآن و حدیث کی تفسیر و تشریح کے طور پر اس فاضلانہ انداز میں
پیش کرتے تھے کہ پڑھنے والوں کو یوں محسوس ہوتا کہ جیسے ہر ایک لفظ دل میں
گھر کرتا جا رہا ہے۔

ج- مجلس ذکر کے تحت پیرِ کامل کی پہچان، ترغیب و ترہیب، تزکیۂ نفس اور

مجاہدہ کی وہ وہ صورتیں پیش کی جاتی ہیں کہ پڑھنے والا محسوس کرتا ہے کہ باطن کی تمام خباثتیں دُھل رہی ہیں۔

د۔ **حکایات الصالحین** کے تحت روحانی اسلاف کے محیر العقول کارنامے اس انداز میں پیش کیے جاتے ہیں کہ پڑھنے والوں کے دلوں میں آرزو پیدا ہوتی ہے کہ انھیں بھی اپنے نیک اسلاف اور بزرگانِ دین کے نقوشِ قدم پر چلنے کی توفیق عنایت ہو۔

اس کے علاوہ رسالہ کو مشاہیر اہلِ قلم و اہلِ فکر کا تعاون حاصل ہے، جو علم و عرفان کی گوہر افشانی اس انداز سے کرتے ہیں کہ روحانیت کی مُرجھائی ہوئی کھیتیاں سرسبز و شاداب ہو جاتی ہیں۔

آخری صفحہ بصورت اشتہار انجمن خدام الدین کا ایک آئینہ ہے جس میں انجمن کے دستور العمل، پروگرام اور روئداد کا ایک اجمالی مگر جامع عکس نظر آتا ہے۔

حضرتؒ کی روحانی تربیت

علوم باطنیہ قرآن حکیم نے کارِ نبوت کو تین حصّوں میں تقسیم کرتے ہوئے فرمایا ہے:-
یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیۡہِمۡ وَ یُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ (سورہ جمعہ ۲)
جو پڑھتا ہے ان پر اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے کتاب و حکمت (تسہیل القرآن)

علوم آیات یعنی تلاوت آیات قرآنیہ اور قرآن و سُنّت کے علوم حاصل کرنا بھی دینی ارتقا کی ایک منزل ہے لیکن تزکیہ باطن نجات و فلاح کے لیے شرط ہے جب تک یہ حاصل نہ ہو، اس وقت تک کتاب اللہ کے رموز اور اس کی خوبیاں انسان کی نظر میں نہیں آسکتیں۔ آیات قرآنیہ میں فلسفیانہ اور متکلمانہ بحثیں کر لینے سے نجات نہیں بلکہ نجات اس وقت ہے جبکہ علوم ظاہریہ کے ساتھ علوم باطنیہ بھی حاصل کیے جائیں اور انھیں عملی زندگی میں جاری و ساری کیا جائے۔

جن علماء کرام نے علوم ظاہریہ کے ساتھ علوم باطنیہ بھی حاصل کیے وہ مطلع علم و عمل اور آسمانِ ولایت پر آفتاب نصف النہار بن کر چمکے اور جو صرف علوم ظاہریہ پر قانع رہے اُمّت ان سے وہ فائدہ نہ اُٹھاسکی جس کی ضرورت تھی۔ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، خواجہ علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ، خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانیؒ، بابا فرید گنج شکرؒ، شاہ ولی اللہؒ، اکابر علماء دیوبند قطب الارشاد گنگوہیؒ، حضرت قاسم العلوم و الخیرات نانوتویؒ، حضرت شیخ الہند، محدث اعظم حضرت انور شاہؒ، میاں اصغر حسینؒ، حکیم الاُمّت

حضرت تھانویؒ، سید العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ مسند آرائے تدریسِ علومِ ظاہریہ ہونے کے علاوہ ذکرِ الٰہی سے منوّر و معمور خانقاہوں کے بانی بھی تھے۔ ان کے رُوحانی اثرات نے لاکھوں مسلمانوں کو قعرِ ضلالت سے نکال کر شاہراہِ ہدایت پہ لگایا۔ علومِ ظاہریہ میں تمام زندگی گزار نے پر بھی وہ کیفیت حاصل نہیں ہوسکتی جو مردِ حق آگاہ کی ایک نظر سے حاصل ہوسکتی ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ حضرت امام الاولیاء لاہوری قدس سرہ العزیز علومِ باطنیہ میں اس بلند ترین مقام پر جلوہ افروز تھے جس کی نظیر اس دَور میں کم ملتی ہے۔ اس کا اعتراف ان علماء کرام کو بھی ہے جو علومِ اسلامیہ میں فاضل مانے جاتے ہیں اور دُوسرے اہلِ دل بزرگان کو بھی ہے۔

(۱) الحاج مولانا محمد اسحٰق صاحب خطیب ایبٹ آباد فرماتے ہیں کہ ۱۹۶۰ء میں حضرتؒ ایبٹ آباد تشریف لائے۔ تو اہالیانِ ایبٹ آباد نے نماز جمعہ عیدگاہ میں ادا کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہاں قریباً بارہ تیرہ ہزار کا مجمع تھا۔ میں نے حضرتؒ سے درخواست کی کہ آج خطبہ بھی آپ فرمائیں اور نماز بھی آپ ہی پڑھائیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ "میں دونوں کام نہیں کرسکتا۔ آپ خطبہ بھی فرمائیں اور نماز بھی پڑھائیں۔ البتہ میں آپ پر توجہ کروں گا۔"

خطیب صاحب فرماتے ہیں کہ میں تقریباً چالیس سال سے خطابت کر رہا ہوں مگر اس دن جتنا مؤثر خطبہ میں نے پڑھا، اُتنا پہلے کبھی نہیں پڑھا تھا۔ اس کا اعتراف اس نماز جمعہ میں شریک ہونے والے نمازیوں نے بھی کیا۔

(۲) شیخ محمد شریف صاحب نے ذکر کیا کہ ایک نوجوان مسمی عبدالستار قدمبوسی کا ملتجی ہوا اور اس نے عرض کی کہ "حضرت سینما کو بہت جی چاہتا ہے۔ طبیعت قطعاً نہیں رکتی۔" حضرتؒ نے چند منٹ خاموشی اختیار کی اور توجہ فرمائی۔ پھر پوچھا تو عبدالستار نے فوراً

عرض کی کہ حضرت اب دل میں نفرت پیدا ہو چکی ہے۔"

(۳) مولوی عبدالمجید صاحب مرحوم سوہدروی کا بیان ہے کہ قادیانی ایجی ٹیشن کے سلسلے میں دُوسرے علماء کی طرح میں اور حضرتؒ بھی ملتان جیل میں الگ الگ کمروں میں مقید تھے۔ سر فیروز خاں نون صوبے کے وزیرِ اعلیٰ مقرر ہوئے تو انھوں نے حضرتؒ کو لاہور تبدیل کر دیا۔ بعد ازاں افسرِ اعلیٰ جیل نے مجھ سے پُوچھا کہ اس کمرے میں کون بزرگ رہتے تھے۔ میں نے بتایا تو انھوں نے کہا کہ میں جیل میں آ کر عام کو طرح طرح سے تنگ کیا کرتا تھا مگر جب ان کے کمرے میں آتا تو دروازے میں داخل ہوتے ہی میرے آنسو جاری ہو جاتے۔ ایک دو دفعہ میں نے اسے اتفاق سمجھا لیکن متواتر ایسا ہونے سے میں ان کی رُوحانیت کا قائل ہو گیا اور اس کے بعد آپ کو پریشان کرنے کا خیال تک دل میں نہ لایا۔

(۴) حاجی عظمت اللہ صاحب حیدرآباد سندھ کا کہنا ہے کہ:

اغلباً ۱۹۲۵ء کا واقعہ ہے۔ میں لاہور میں تھا میں نے حضرتؒ کو اپنے بیٹے کی رسم نکاح پر بلایا اور حضرتؒ سے حسبِ معمول کھانے کا پُوچھا۔ عام طور پر حضرتؒ انکار کر دیا کرتے تھے۔ مگر اس بار کمال مہربانی سے دعوت منظور فرمائی۔ چنانچہ کھانا پیش کیا گیا۔ قریب ہی ایک متمول نوجوان عزیز نامی کھڑا تھا۔ حضرتؒ نے اُسے فرمایا کہ "آؤ میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔" نوجوان بولا کہ "حضرت میں اس قابل کہاں؟ حضرتؒ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں۔ تم بھی مسلمان ہو اور میں بھی دونوں مل کر کھا لیتے ہیں۔" وہ نوجوان کھانے میں شریک ہو گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس نوجوان کی بیوی کے علاوہ ایک داشتہ بھی تھی۔ جب وہ گھر گیا تو داشتہ سے کہنے

لگا کر یا تو ابھی میرے گھر سے چلی جاؤ یا میرے ساتھ نکاح کر لو۔ داشتہ نے نکاح کرنا منظور کر لیا۔ محض حضرتؒ کی توجہ کا اثر تھا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ ڈاکٹر مناظر حسین نظر کی دعوت پر ایک مرتبہ ضلع شیخوپورہ تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے رات کو "بندہ آ مادہ برائے بندگی و زندگی بے بندگی شرمندگی" کے عنوان پر تقریر فرمائی۔ دوران تقریر آپ نے لوگوں سے عہد لیا کہ آئندہ نماز باقاعدگی سے ادا کریں گے۔ نتیجۃً بیشتر لوگ نماز تو نماز تہجد تک کے پابند ہو گئے۔ اور اکثر کا یہ حال تھا کہ اگر ایک دن تہجد قضا ہو جاتی تو یہ محسوس کرتے کہ جیسے حضرت رحمۃ اللہ علیہ وعدہ یاد دلا رہے ہیں اور وہ فوراً ایفائے عہد پر مستعد ہو جاتے۔

آرائے بازار لاہور چھاؤنی میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ تشریف لائے معلوم ہوتا تھا دُنیا استقبال کے لیے ٹوٹ پڑی ہے۔ کافی لوگوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا۔ ڈاکٹر مناظر حسین نظر کے مکان پر عوام کے ایک گروہ کثیر نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی۔ چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مرتبہ تشریف آوری کے علاوہ پر یہ اثر ہوا کہ مسجدوں میں نمازیوں کے لیے جگہ تنگ ہو گئی۔ بیشتر لوگ یادِ الٰہی میں شاغل ہو گئے۔ اکثر لوگ جو سینما کے بے حد شائق تھے سینما کے نام تک سے متنفر ہو گئے اور بُرائیوں سے پہلے ہی دل تائب ہو گئے۔ یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نگاہِ توجہ کا اثر تھا۔

اسی طرح بیشتر مقامات ایسے ہیں کہ جہاں حضرت رحمۃ اللہ علیہ صرف ایک مرتبہ تشریف لے گئے لیکن ہزاروں اشخاص ان کے قدوم میمنت لزوم کی برکت سے یادِ الٰہی اور عبادات میں ہمہ تن مشغول ہو گئے۔ اس سلسلے میں ٹانک، ڈیرہ اسمٰعیل خاں، وزیرستان اور دیگر علاقوں کے بہت سے واقعات بوجہ طوالت تحریر میں نہیں لائے گئے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ علوم ظاہریہ کے ساتھ علوم باطنیہ کا ہونا بھی نہایت ضروری ہے۔
حضرت قدس سرہ العزیز نے علوم ظاہریہ کے ساتھ ساتھ تزکیہ باطن اور علوم روحانی حاصل کرنے پر بھی پوری توجہ رکھی۔ آپ کی عمر صرف نو سال کی تھی کہ حضرت دین پوریؒ نے باکمال شفقت آپ کو حلقۂ ارادت میں لے لیا۔ حضرتؒ فرماتے ہیں:-

"میری عمر تقریباً نو سال کی تھی جب میں نے حضرت دین پوریؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ میری بیعت کے بعد چالیس سال تک زندہ رہے اور ۱۱۰ سال کی عمر میں وصال پایا۔ حضرت امروٹیؒ بھی میری تربیت فرماتے رہے۔ دونوں نے مجھے اللہ کا نام بتلایا اور دوسروں کو اللہ کا نام بتلانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ گو جب تک یہ حضرات زندہ رہے جو شخص میرے پاس بیعت کے لیے آتا، اگر اس میں استطاعت ہوتی تو میں اس کو ان کے پاس بھیج دیتا۔"

آخر حضرتؒ کو ۱۹۲۶ء میں حضرت مولانا تاج محمود امروٹیؒ نے حکم فرمایا:-

"احمد علی بیٹا! اب تم خلق خدا کو بیعت کے لیے دور دراز کا سفر طے کرنے کی تکلیف نہ دیا کرو۔ آئندہ خود لاہور ہی میں بیعت کر لیا کرو۔"

چنانچہ حضرتؒ نے اس کے بعد بیعت لینا شروع کر دیا۔

طریقۂ بیعت حضرتؒ اپنے مریدوں سے مندرجہ ذیل الفاظ میں بیعت لیتے تھے اور آپ نے اپنے خلفاء مجاز کو بھی یہی ہدایت فرمائی تھی۔

"توبہ کی میں نے شرک سے، کفر سے، تیری نافرمانی سے۔ اے اللہ! میں تیرے دروازے پر آیا ہوں تو مجھے اپنا شوق نصیب فرما۔ اپنا نام نصیب فرما۔"

مجھ سے وہ کام کرائیں میں تو راضی ہوں۔

میں آپ سے بیعت کرتا ہوں اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حکم آپ بتائیں گے اُس پر صدق دل سے عمل کرونگا اور اس بات پر میں اللہ تعالیٰ کو گواہ کرتا ہوں۔

لطائفِ روحانی اس کے بعد آپ بیعت کنندہ (مردوں) کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیتے اور لطیفہ قلبی پر اللہ کے نام کی تلقین فرماتے۔ پھر مندرجہ ذیل بارہ روحانی سلسلہ راشدیہ قادریہ کی تکمیل کرواتے۔ ان لطائف کی ترتیب یوں ہے:۔

(۱) ذکر قلبی (۲) ذکر رُوحی (۳) ذکر سِرّی (۴) ذکر نفسی

(۵) ذکر خفی (۶) ذکر اخفیٰ (۷) پاس انفاس (۸) ذکر ارہ

(۹) ذکر سبع صفات (۱۰) سلطان الاذکار (۱۱) نفی اثبات (۱۲) مراقبہ صفات سبع

(۱۳) مراقبہ اسم ذات نورانی

آپ اپنے خلفائے مجاز کو بھی اسی بات کی ہدایت کرتے کہ پہلے ذکر قلبی کی تلقین کی جائے۔ جب لطیفہ قلبی بیدار ہو جائے تو آگے سبق دیا جائے۔ بیداری کی علامت یہ ہے کہ جب سالک کے قلب کی طرف توجہ کی جائے تو اس کا قلب ذکر الٰہی سے متاثر نظر آئے۔ اس طرح جب لطیفہ قلبی پک جائے تو بیعت کنندہ کو لطیفہ "رُوحی" کی تلقین کی جائے۔ جب یہ بھی توجہ کرنے سے بیدار نظر آئے تو اُسے "سِرّی" کی تلقین کی جائے جو چھاتی کے درمیان ہے۔ جب یہ تینوں لطیفے توجہ سے متحرک نظر آئیں تو چوتھے لطیفے "نفسی" کی تلقین کی جائے۔

کچھ وقت کے بعد جب چاروں لطیفے توجہ کرنے سے متحرک نظر آئیں تو پانچویں لطیفے

"خفی" کی تلقین کی جائے۔ جب یہ بھی توجہ کرنے سے متحرک نظر آئے تو چھٹے لطیفہ "اخفیٰ" کی تلقین کی جائے۔
اس کے بعد جب چھ کے چھ متحرک ہو جائیں تو "پاسِ انفاس" کی تلقین کی جائے۔ علیٰ ہٰذا القیاس
تمام اشغال اسی انداز میں تلقین کیے جائیں۔ حتیٰ کہ ذکرِ الٰہی طبیعت ثانیہ بن جائے اور سالک درجہ
تکمیل کو پہنچے۔

"تکمیل کے بعد توجہ دینا، کشفِ قبور، کشفِ قلوب اور اسی قسم کی دوسری چیزیں تبا کر
جسے اہلِ تصور فرماتے اُسے مجاز قرار دے دیتے۔ حضرتؒ کی خواہش یہ ہوتی کہ کسی عالم باعمل کو
ہی خلافت دی جائے۔ لیکن کچھ لوگ اس کلیہ سے مستثنیٰ بھی ہیں۔

حضرتؒ شروع شروع میں تحریری اقرار نامہ بھی لیا کرتے تھے جس کا مضمون یہ ہے:۔

اقرار نامہ

"منکہ ولد پیشہ محلہ

کا ہوں۔ اقرار کرتا ہوں کہ میں نے جس غرض کے لیے حضرت مولانا احمد علی صاحب مدظلہ العالی
کے دستِ حق پرست پر بیعت کی ہے، اس کو پورا کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کروں گا۔

"میں یہ بھی اقرار کرتا ہوں کہ میں جس شعبۂ حیات میں کسبِ معاش کے لیے تگ و دو
کرتا ہوں وہاں اپنے قول و فعل اور معاملات سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کروں گا کہ میری
زندگی کتاب و سنّت کے مطابق ہو اور دوسروں کے لیے نمونہ بن سکے۔ خطا و نسیان سے بچنے
کے لیے میں اس اقرار نامہ کو ہر وقت اپنے سامنے رکھوں گا۔ وما توفیقی الا باللہ
العلی العظیم"

ناخواندہ حضرات اس کو پڑھوا کر ذہن نشین کرلیں۔ دستخط یا نشان انگوٹھا

عورتوں کی بیعت

انسانی آبادی میں تقریباً آدھا حصہ عورتوں کا ہے قرآن حکیم ان کی اصلاح کا بھی پروگرام رکھتا ہے مستقل عنوانات سے اُن کے لیے احکام موجود ہیں۔ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی درخواست پر اُن کے لیے علیحدہ محفل وعظ بھی منعقد فرمائی ہے۔ قرآن حکیم میں عورتوں کی بیعت تک کا ذکر موجود ہے۔ سورۃ الممتحنۃ، آیت ۱۲

"اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ ...."

یہ بیعت مسلمان عورتوں سے بیعت طریقت تھی جس پر کہ لفظ المؤمنات دلالت کرتا ہے۔ وہ عورتیں دولت ایمان سے پہلے ہی مشرف تھیں حضرتؒ کے مرشدانِ محترم بھی خواتین کو بیعت کرلیا کرتے تھے جیسا کہ حضرتؒ نے ارشاد فرمایا:۔

"میرے دادا پیرؒ کے پاس کچھ عورتیں بیعت کے لیے حاضر ہوئیں۔ اُن میں ایک لڑکی بھی تھی جو بلا وجہ ہنس رہی تھی۔ حضرت دادا پیرؒ نے فرمایا "بیٹی اتنا ہنسو جتنا رو بھی سکو" آپ کا یہ فرمانا تھا کہ اُس کی حالت بدل گئی اور اس نے رونا شروع کر دیا۔ کہتے ہیں کہ پھر وہ ساری عمر روتی رہی"

عورتوں کی بیعت کرتے وقت ہاتھ میں ہاتھ نہ لیا جائے بلکہ صرف زبانی بیعت کی جائے۔ احادیث میں سید الانبیاء کے اسی طریق کار کا ذکر ہے۔

عن عائشۃؓ قالت ما مس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بیدہ امرأۃ قط الا ان یاخذ علیھا فاذا اخذ علیھا قال اذھبی فقد بایعتک۔ رواہ الشیخان وابوداؤد۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی

عورت کے ہاتھ کو کبھی نہیں چھوا۔ البتہ صرف زبانی بیعت لے لیتے تھے جب زبانی عہد لینے پر وہ عہد دے دیتی تو فرماتے کہ جاؤ میں نے تم کو بیعت کر لیا۔ روایت کیا اس کو بخاری و مسلم و ابوداؤد نے۔

اس سے یہ بات ظاہر ہوتی کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خواتین کو بیعت فرمایا لیکن ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں کبھی نہیں لیا۔ اس سے ہمیشہ مجتنب رہے۔

(۱) "حضرت امیمہ بنت رقیہ فرماتی ہیں کہ میں بیعت کے لیے حاضر خدمت ہوئی۔ مگر سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں عورتوں کے ساتھ مصافحہ کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

(۲) حضرت ہبیرہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اپنے والد ماجد کے ساتھ حاضر خدمت ہوئی تاکہ بیعت کروں۔ آپ نے مردوں اور عورتوں دونوں کو بیعت فرمایا مگر عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا۔" (الجواہر المنبعہ جلد اول صـ ۳۱۶)

بعض ناواقف اور بے احتیاط پیر عورتوں سے دست بدست بیعت لیتے ہیں۔ یہ عمل بالکل ناجائز ہے۔ اجنبی عورت کے بدن کو ہاتھ لگانا گناہ ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود احتیاط فرمائی تو کسی پیر کو باپ یا فرشتہ سمجھ کر ایسی غیر شرعی رسم کی اجازت کیونکر دی جا سکتی ہے۔

حقیقت بیعت کی محض معاہدہ ہے، سو زبانی کافی ہے۔ مشائخ متاخرین نے تقویت اتصال اور تسکین قلب کے لیے کپڑے کا ایک گوشہ خود پکڑنا اور دوسرا گوشہ مریدہ کو دینا معمول کر لیا ہے۔ اس کا مضائقہ نہیں۔ لیکن چونکہ ہاتھ میں ہاتھ لینا بیعت کی ایک مسنون ہیئت ہے اور مرد کے لیے اس میں کوئی امر مانع نہیں لہٰذا معنی اور صورت کا جمع کر لینا اولیٰ ہے لیکن عورتوں

کو بیعت کرتے وقت باپردہ ہونا چاہیئے۔

حضرتؒ سے کتنی ہی عورتیں بیعت ہوئیں اور زندگی بھر اتباعِ سُنّت میں سرگرم عمل رہیں۔ ان کی قبریں بھی بحمدہ تعالیٰ آباد اور خوش حال ہیں۔ حضرتؒ نے خود فرمایا کہ "مجھ سے بیعت ہونے والی عورتوں کی قبریں جنت کا نمونہ ہیں۔"

حضرتؒ کی عملی تربیت اور مجلسِ ذکر

متعدد لوگوں سے بیعت لینے کے بعد حضرتؒ نے مدرسہ قاسم العلوم کے زیریں حصے میں مجلس ذکر شروع کردی اور مریدوں کی عملی طور پر تربیت فرمانے لگے۔ آپ نے حکم دے رکھا تھا کہ ہر مرید ہفتہ وار رپورٹ لکھ کر لایا کرے کہ اس نے اس ہفتے کس قدر اطاعت خداوندی کی ہے۔ پھر اس رپورٹ پر حضرتؒ اپنی رائے ثبت فرماتے تھے۔ ذیل میں حضرتؒ کی رائے کا نمونہ درج ہے جو آپ نے الحاج منشی نور احمد صاحب انہاجہ کابل) کی کاپی پر تحریر فرمائی تھی یہ کاپی انھوں نے ۲۷ر جنوری ۱۹۳۷ء کو حضرتؒ کی خدمت میں پیش کی تھی۔ منشی صاحب نے لکھا تھا:۔

"سب نمازیں باجماعت ادا ہوئیں۔ ماشاء اللہ آپ کی صحبت کی وجہ سے جب تک نماز باجماعت ادا نہ کروں لطف نہیں آتا۔ اگر بعض اوقات اس مسجد میں جس میں ہم نماز پڑھتے ہیں جماعت ہو جاتی ہے تو دوسری مسجد میں جا کر نماز ادا کی جاتی ہے۔ یہ محض فضل ربی ہے۔

گھر میں جہاں تک ہو سکتا ہے خورد و کلاں کو نماز کی تاکید کی جاتی ہے اگر کوئی بالغ بچہ نماز ادا نہ کرے تو اسے سزا تک دینے سے دریغ نہیں کیا جاتا۔ ویسے کوئی بچہ ایسا نہیں جو نماز نہ پڑھتا ہو۔ اہلیہ نے بھی سب نمازیں

ادا کی ہیں۔ وظیفہ بھی کیا جاتا ہے۔"

حضرتؒ کا اس رپورٹ پر ارشاد:۔

"اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جو نسخہ بیماروں کے لیے زیادہ مؤثر ہو، اور اس سے شفا ہوتی نظر آئے، اس کا التزام کیا جائے۔ لہٰذا وقتاً فوقتاً خواہ کام کا کچھ حرج بھی ہو، میرے ہاں درس میں صبح و شام آئیں اور عشا کے بعد ذکرِ الٰہی میں شامل ہوا کریں۔ اور جب تشریف لائیں تو میرے ساتھ ذکرِ قلبی میں شامل ہوا کریں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت شاملِ حال ہو گی۔"

حضرتؒ تربیتِ روحانی کے معلم ہونے کی حیثیت میں بھی ممتاز شخصیت تھے۔

حضرتؒ اکثر فرمایا کرتے:۔

"میں نے بفضلِ ایزدی سندھ سے بڑی نعمتیں حاصل کی ہیں۔ اُن میں سے ایک دل کی بصیرت ہے۔ میرا دعوٰے ہے کہ چار سال کا خرچ بیوی بچوں کو دے کر میرے پاس آجاؤ۔ مسجد لائن والی میں نیم کے پیڑ کے نیچے بٹھلاؤں گا۔ اور صرف وہ چیزیں کھانے کو دوں گا۔ جو حلال ہوں گی۔ حرام کھانے سے یہ نور حاصل نہیں ہوتا۔ میں نے خود چالیس سال صرف کیے ہیں لیکن تم کو چار سال میں یہ سکھا سکتا ہوں۔

حضرتؒ بطور شیخِ طریقت

سلوک علیٰ منہاج النبوت کے شیوخ کا اصل مقصد اصلاحِ عالم ہوا کرتا ہے۔ اگر وہ کسی درسگاہ میں بیٹھ کر قال اللہ و قال الرسول کا درس دیں تو اُن کا مقصد حقیقی مخلوقات کی اصلاح اور اُن کا

تعلق اپنے خالق سے جوڑنا ہوتا ہے اور اگر وہ کسی منبر پر بیٹھ کر وعظ و نصیحت فرمائیں تب بھی ان کا منشا لوگوں کو خدا کی نافرمانی سے نکال کر اطاعت کی طرف لانا ہوتا ہے اور اگر میدانِ کارزار میں تیغ بکف ہوں تو وہاں بھی یہی مقصد ہوتا ہے۔ یہی پاک بزرگ بجائے درس گاہ یا منبر کے خانقاہ میں چلّہ کشی کریں تو پھر بھی اُن کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ :۔

"مخلوق خالق سے باغی نہ ہو بلکہ ظلمت سے نکل کر نور کے حلو میں آجائے"

اس لیے اہل اللہ کے سوانح کے تمام ابواب اسی مرکز کے گرد گھومتے ہیں۔

جیسے کہ حکیم الامت تھانوی ؒ نے فرمایا ہے :۔

"جاننا چاہیئے کہ اولیاء اللہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جن کے متعلق خدمتِ ارشاد و ہدایت و اصلاح قلوب و تربیتِ نفوس و تعلیم طرق، قرب و قبول عند اللہ ہے۔ اور یہ حضرات اہلِ ارشاد کہلاتے ہیں۔ اور ان میں سے اپنے عصر میں جو اکمل و افضل ہو اور اس کا فیض اتم و اعم ہو اس کو قطب الارشاد کہتے ہیں اور یہ نائب حقیقی ہوتے ہیں۔

دوسرے وہ ہیں جن کے متعلق خدمتِ اصلاح معاش و انتظام امور دنیویہ و دفع بلیات ہے کہ اپنی ہمّتِ باطنی سے باذنِ الٰہی ان اُمور کی درستی کرتے ہیں اور یہ حضرات اہلِ تکوین کہلاتے ہیں۔ ان میں سے جو اعلیٰ و اقویٰ اور دوسروں پر حاکم ہوتا ہے، اس کو قطب التکوین کہتے ہیں" (التکشف صـ۹۴)

قطبُ الارشاد والتکوین

حضرت ؒ کے حالات جاننے والوں سے مخفی نہیں کہ حضرت ؒ نے ہر دو میں اصلاحِ قلب کی طرف توجہ فرمائی۔ آپ جس حیثیت میں بھی رہے مقصد یہی رہا کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے ملائیں۔ آپ کے دستِ حق پرست پر جتنے لوگوں نے بیعت کی، جس قسم کی صحیح اور سچی توبہ کی اور جس طرح اتباعِ سنت

اور عقیدۂ توحید سے مشرف ہوئے اس کی نظیر حضرتؒ کے زمانہ میں نہیں ملتی۔ اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ حضرتؒ قطب الارشاد والتکوین تھے تو یہ بات محض خوش عقیدگی نہیں بلکہ مبنی برحقیقت ہے۔

حضرتؒ نے اپنے مرد و مشائخ حضرت دین پوریؒ اور حضرت امروٹیؒ کے وصال کے بعد شیخ طریقت کی حیثیت سے خلق اللہ کی خدمت کی۔ آپ قادریہ طریق میں مجاز تھے جیسا کہ شجرۂ قدسیہ سے واضح ہے اور اسی طریقہ پر بیعت لیا کرتے تھے۔ حضرتؒ نے اپنے شیخ کی خدمت میں بھی کبھی کچھ پیش نہ کیا۔ یہ تعلق محض لوجہ اللہ تھا۔ اسی طرح حضرتؒ کے بیعت لینے میں بھی للّٰہیت اور خلوص تھا۔ دنیا داری یا دنیاوی نسبت کا کوئی تعلق نہ تھا۔ حضرتؒ کے مقربین جانتے ہیں کہ در دولت پر جو پہلے آیا، اُسے ہی پہلے شرف بخشا گیا۔ جو امیر آیا وہ اپنی باری پر حاضر ہو سکا۔ کوئی لاکھ تعارف کرائے اس مردِ حق آگاہ کے ہاں اس کا کوئی لحاظ نہ تھا۔ یہ تعلق اس حد تک لوجہ اللہ تھا کہ کسی مرید کا پتہ تک نہ پوچھا کرتے تھے اور نہ لکھا کرتے تھے۔

ایک بار گجرات کا ایک شخص حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بعد از نماز جمعہ اُس نے بیعت کی درخواست کی جس کو حضرتؒ نے منظور فرمایا۔ اور اسے بیعت کر لیا۔ اس شخص نے درخواست کی کہ حضرت میرا پتہ لکھ لیجیے۔ حضرتؒ نے جواب میں فرمایا: "میرے ہاں کسی کا پتہ نہیں لکھا جاتا"۔

یہی وجہ ہے کہ حضرتؒ کے مریدوں کی صحیح تعداد کا پتہ نہیں ہو سکتا۔ آپ نے بطور شیخ طریقت جو تعلیم دی اُس پر عمل کرنے سے نہ صرف انسانوں کی اخلاقی اصلاح ہوتی ہے بلکہ دُنیا میں پائیدار اور ابدی امن بھی قائم ہو سکتا ہے۔

مَثَلُ کَلِمَۃٍ طَیِّبَۃٍ کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ اَصْلُھَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُھَا فِی السَّمَآءِ

شجرۂ خاندان عالیہ قادریہ راشدیہ

الٰہی بحرمت شمس الضحیٰ نور الہدیٰ احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم — روضۂ اطہر مدینہ منورہ

الٰہی بحرمت باب العلوم اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ	مزار نجف شریف غالباً
الٰہی بحرمت حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ	بصرہ
الٰہی بحرمت حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ	بغداد شریف
الٰہی بحرمت حضرت خواجہ حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ	بصرہ
الٰہی بحرمت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ	بغداد شریف
الٰہی بحرمت حضرت شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ	بغداد شریف
الٰہی بحرمت حضرت شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ	بغداد شریف
الٰہی بحرمت حضرت شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ	بغداد شریف
الٰہی بحرمت حضرت عبد الواحد تمیمی رحمۃ اللہ علیہ	بغداد شریف
الٰہی بحرمت حضرت ابو الفرح طرطوسی رحمۃ اللہ علیہ	طرطوس
الٰہی بحرمت حضرت شیخ ابو الحسن ہنکاری قرشی رحمۃ اللہ علیہ	بغداد شریف
الٰہی بحرمت حضرت شیخ ابو سعید مبارک مخزومی رحمۃ اللہ علیہ	بغداد شریف
الٰہی بحرمت حضرت شاہ محی الدین عبد القادر جیلانی اول رحمۃ اللہ علیہ	بغداد شریف
الٰہی بحرمت حضرت شیخ سیف الدین عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ	بغداد شریف
الٰہی بحرمت حضرت سید صفی الدین صوفی رحمۃ اللہ علیہ	بغداد شریف
الٰہی بحرمت حضرت سید ابو العباس احمد رحمۃ اللہ علیہ	حلب شریف

الٰہی بحرمت حضرت سید مسعود رحمۃ اللہ علیہ	حلب شریف
الٰہی بحرمت حضرت سید علی رحمۃ اللہ علیہ	حلب شریف
الٰہی بحرمت حضرت سید شاہ میر رحمۃ اللہ علیہ	حلب شریف
الٰہی بحرمت حضرت سید شمس الدین جیلانی بغدادی حلبی اوّل رحمۃ اللہ علیہ	حلب شریف
الٰہی بحرمت حضرت سید محمد غوث گیلانی الحسنی حلبی اُچی رحمۃ اللہ علیہ	اُچ شریف
الٰہی بحرمت حضرت سید عبد القادر ثانی رحمۃ اللہ علیہ	اُچ شریف
الٰہی بحرمت حضرت سید عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ	اُچ شریف
الٰہی بحرمت حضرت سید حامد گنج بخش کلاں رحمۃ اللہ علیہ	اُچ شریف
الٰہی بحرمت حضرت عبد القادر ثالث رحمۃ اللہ علیہ	اُچ شریف
الٰہی بحرمت حضرت سید عبد القادر رابع رحمۃ اللہ علیہ	اُچ شریف
الٰہی بحرمت حضرت سید حامد گنج بخش ثانی رحمۃ اللہ علیہ	اُچ شریف
الٰہی بحرمت حضرت سید شمس الدین ثانی رحمۃ اللہ علیہ	اُچ شریف
الٰہی بحرمت حضرت سید محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ	اُچ شریف
الٰہی بحرمت حضرت سید عبد القادر جیلانی خامس رحمۃ اللہ علیہ	پیر کوٹ سدھانہ
الٰہی بحرمت حضرت سید محمد بقا رحمۃ اللہ علیہ	پیر گوٹھ پگارا
الٰہی بحرمت حضرت سید محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ	پیر گوٹھ پگارا
الٰہی بحرمت حضرت شاہ حسن رحمۃ اللہ علیہ	مسوئی شریف
الٰہی بحرمت حضرت شیخ حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ	بھرچونڈی شریف
الٰہی بحرمت حضرت شیخ المشائخ مرشدنا غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ الٰہی بحرمت حضرت قطب الاقطاب سید مولانا تاج محمود رحمۃ اللہ علیہ	مزار دین پور شریف ضلع بہاولپور
الٰہی بحرمت حضرت مرشدنا مولانا مولوی احمد علی صاحب قدس سرہ	لاہور شہر

حضرتؒ کے خلفاء

حضرتؒ نے اپنے زمانۂ حیات میں ہی اپنے خلفاء مقرر فرما دیئے تھے اور ان کو تاکید فرما دیا تھا کہ اس سلسلہ کو لوجہ اللہ قائم رکھا جائے۔ اس خدمتِ دین میں للّٰہیت اور خلوص کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا جائے۔ ذیل میں حضرتؒ کے خلفاء کے اسمائے گرامی درج کیے جاتے ہیں:-

(۱) مولانا الحاج حافظ محمد حبیب اللہ صاحب خلف اکبر مدینہ منورہ

(۲) مولانا الحاج عبدالہادی جانشین سلطان العارفین حضرت دین پوری خانپور

(۳) مولانا الحاج ابوالحسن علی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء

(۴) مولانا الحاج عبدالعزیز صاحب۔ مسجد نور منٹگمری

(۵) مولانا الحاج بشیر احمد صاحب۔ جامع مسجد پسرور۔ سیالکوٹ

(۶) جانشینِ شیخ التفسیر حضرت مولانا عبیداللہ انور صاحب۔ لاہور

(۷) مولانا الحاج حمید اللہ صاحب لاہور

(۸) حضرت مولانا محمد شعیب صاحب میاں علی شیخوپورہ

(۹) مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب جامعہ مدنیہ کیمبلپور

(۱۰) مولانا عرض محمد صاحب کوئٹہ

(۱۱) مولانا سید احمد شاہ بخاری۔ چوکیرہ سرگودھا

(۱۲) مولوی محمد ہارون صاحب بھریجالی سکھر

(۱۳) مولانا گل محمد صاحب۔ ایران

(۱۴) مولانا محمد حسن صاحب۔ خانیوال

(۱۵) مولانا قاضی عبداللطیف صاحب جہلم

(۱۶) مولانا غلام رسول صاحب ڈیرہ اسمٰعیل خان

(۱۷) قاری عبدالکریم صاحب کستانی حال کراچی

(۱۸) مولوی محمد علی صاحب کھیڑہ گروٹ سرگودھا

(۱۹) مولوی عبدالمجید صاحب۔ رحیم یار خاں

(۲۰) مولوی احمد شاہ صاحب لیرانی سندھ

(۲۱) حاجی میر محمد صاحب۔ چونگل

(۲۲) حضرت الحاج رفیق الحق صاحب شیخوپورہ

(۲۳) مولانا غلام قادر صاحب ملتان

(۲۴) مولوی محمد حسن صاحب۔ سندھ

حضرتؒ کی عمومی تعلیمات آپ کی ابتدائی اور عمومی تعلیمات کا خلاصہ درج ذیل ہے:۔

آپ ہر بیعت ہونے والے سے تین باتوں کا اقرار لیتے تھے:۔

(۱) روزانہ کم از کم ایک ہزار بار ذکر اسم ذات اللہ جل جلالہ کروں گا۔

(۲) نماز پنجگانہ کی پابندی کروں گا۔

(۳) کسی کو دکھ نہ دوں گا۔

یہ تعلیمات بظاہر سادہ اور معمولی نظر آتی ہیں مگر سارے تصوف کا نچوڑ اور اصلاح انسانیت کا مکمل نسخہ ہیں۔ حضرتؒ ذکر کی تلقین کرتے وقت یہ ارشاد فرماتے کہ ذکر کے وقت یہ خیال ہے کہ نہ زمین ہے نہ آسمان، نہ جن ہے نہ انسان۔ مقصد یہ تھا کہ تصوف اور سلوک کے اعلیٰ مقام احسان کا پورا پورا احساس اور شعور پیدا ہو۔

پہلی تعلیم۔ ذکر اسم ذات

انبیاء علیہم السلام کا کام یہ ہے کہ وہ عبادت خداوندی سے بندوں کو مشرف کرائیں اس عبادت کی پہلی کڑی ذکر اللہ ہے۔ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر مختلف تعبیرات کے ساتھ اس کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ؆ (الجمعہ: ۱۰)

اور یاد کرو اللہ کو بہت تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (تسہیل القرآن)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ؆ (الاحزاب: ۴۱)

اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کو یاد کرنا بہت (تسہیل القرآن)

ذکرالٰہی کی تعبیراور اس کی تشریح بھی فرما دی :-

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝ (المزمل : ۸)

اور یاد کیجئے نام اپنے رب کا اور بھاگ جائیے اسی کی طرف سب سے الگ ہو کر (تسہیل القرآن)

اسم رب (اللہ) کا یہ ذکر لسانی کہا جا سکتا ہے۔

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ (اعراف : ۲۰۵)

اور یاد کرتے رہیئے اپنے رب کو اپنے جی میں (تسہیل القرآن)

یہ ارشاد ذکرنفسی پر دلالت کرتا ہے۔ اسی ذکر لسانی کے اثرات کو قرآن کریم نے بیان کرتے ہوئے فرمایا:

ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ (الزمر ۲۳)

ترجمہ : پھر نرم ہو جاتی ہیں ان کی کھالیں اور ان کے دل ذکرالٰہی کی طرف (تسہیل القرآن)

بدن کے جوڑوں اور دلوں کا اللہ کے ذکر کے لیے نرم ہو کر مائل ہو جانا ذکر قلبی اور سلطان الاذکار کہلاتا ہے جیسے نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کے مرید امیر خسرو کے الفاظ میں یُوں ادا کیا جا سکتا ہے۔ ع

ہر رگ من تار گشتہ حاجت زنّار نیست

ظاہر ہے کہ روزانہ کم ازکم ایک ہزار بار اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا اس غفلت کا شکار نہیں ہو سکتا جس کا شکار یادِ الٰہی سے غافل لوگ ہوتے ہیں۔ بالفاظ قرآن کریم ان کے قلوب قاسیہ عتاب خداوندی کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ فرمایا:-

فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ (الزمر: ۲۲) ترجمہ : پس

افسوس ہے سخت دل والوں پر ذکرِ الٰہی کی طرف سے۔

حضرتؒ نے تعلیماتِ قرآنی کی روشنی میں ذکرِ الٰہی کے لیے یہ آسانی فرمادی کہ سالک چوبیس گھنٹوں میں یہ تعداد پُوری کر لے۔ خواہ دفتر میں ہو یا دکان پر، بازار میں ہو یا کھیت میں اور پھر یہ بھی آسانی فرمادی کہ باوضو ہو یا بے وضو، ذکرِ اسم ذات کر سکتا ہے۔ چھ سات گھنٹے نیند کے نکال دینے کے بعد سالک ہر منٹ میں اپنے خالق کا نام اگر ایک دفعہ بھی لے تو وہ اس تعداد کو آسانی سے پُورا کر سکتا ہے اور یوں بھی آسانی ہے کہ لگاتار پچیس منٹ لگا کر یہ تعداد پُوری کر لے۔

دُوسری تعلیم۔ نمازِ پنجگانہ

دراصل نماز کا جو سب سے بڑا فائدہ قرآن کریم نے بتایا ہے وہ بھی ذکر اللہ کا دوام ہے۔ ارشاد فرمایا:۔

أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ (طٰہٰ:۱۴)

قائم کر نماز میرے ذکر کے لیے

قرآنی تعلیم کی روشنی میں یہ کہنا بالکل درست ہے کہ نماز بندے کو جس سُرعت سے معبودِ حقیقی سے ملاتی ہے۔ دُوسری عبادات میں یہ کیفیت نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ ذکرِ الٰہی جس کثرت سے نماز میں کیا جاتا ہے۔ اتنی کثرت سے دُوسری عبادات میں نہیں ہوتا۔ اگر نماز میں تلاوت، تسبیحات اور رکوع و سجود کے بغیر صرف اللہ اکبر پر ہی غور کیا جائے تو صرف ایک رکعت میں چھ مرتبہ اس کا ورد کیا جاتا ہے۔

نماز جس طرح طہارتِ ظاہری سے مشرف کرتی ہے، اسی طرح طہارتِ باطنی سے بھی

موثر کرتی ہے۔ ایک نمازی کا چہرہ پاک و صاف نظر آتا ہے۔ اس کا دل بھی کسی نہ کسی مرحلہ پر جاکر پاک و صاف اور گناہوں سے متنفر ہو جاتا ہے۔ یہ سب ذکر کی برکات ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (العنکبوت: ۴۵)

بے شک نماز روکتی ہے بے حیائی اور برے کام سے (تسہیل القرآن)

اور یہ اثر اس لیے پیدا ہوا کہ

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ

یقینی بات ہے کہ اللہ کا ذکر سب سے بڑی عبادت ہے۔

تعلیمات حضرت قدس سرہ العزیز میں ذکر اللہ اصل الاصول کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی تربیت اور اس پر داومت کے لیے نماز کا پابند ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ذکر سے جو نتائج مرتب ہوں گے ان میں سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ نمازی ایک نہ ایک وقت ضرور برے کام سے بچ جائے گا۔

تیسری تعلیم اصلاح نفس

تیسری تعلیم یا پہلی منزل کے تیسرے درس یعنی اصلاح نفس کے لیے حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ "کسی کو دکھ نہ دینا"۔

بظاہر یہ سادہ سا عہد ہے مگر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اصلاح عالم اور فساد امت کے خاتمہ کے لیے اس سے بہتر اور کوئی درس نہیں ہوسکتا۔ یہ پہلی منزل کا تیسرا جزو ہے۔ جو در اصل آثار ذکر میں سے ہے۔ انسان زبان سے ذکر الٰہی کرتے کرتے زبان کا پابند ہوا اور نماز میں اسی ذکر کا اعادہ ہوا

جس سے غور و فکر کی راہیں کھلیں اور نمازی بار بار عظمت و کبریائی کا واحد مالک اُسی ذات پاک کو ماننے کا اقرار کرنے لگا جو نہ صرف اس نمازی کا معبود ہے بلکہ تمام کائنات کا رب ہے۔

نماز کی ابتداء رَبِّ الْعٰلَمِیْن سے ہوئی اور نمازی جب رکوع میں پہنچا تو اس نے عملی طور پر اپنی ذلت اور خدائے قدوس کی عظمت کا اعتراف کیا اور زبان سے تقدیس و تسبیح کا اقرار کرتے ہوئے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ کہا۔ اب اس جذبۂ عبدیت نے اس کو اس قدر سرشار کیا کہ وہ فوراً اپنی ذلت کے آخری مرحلے پر پہنچ کر سربسجود ہو گیا۔ اُس نے زبان سے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کا اعتراف کیا اور عملاً با وقار پیشانی زمین پر رکھ دی۔

نماز میں نمازی کی قولی اور عملی حالت اس بات کی مظہر ہوتی ہے کہ نمازی رَبِّ الْعٰلَمِیْن کا پرستار اور اسی کا بندہ ہے۔ اب اس کی زندگی میں جو نمایاں اور ممتاز اثر پیدا ہونا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ مخلوق الٰہی کو نہ صرف دکھ دینے سے بچے بلکہ اُن کے لیے وہ کام کرے جس سے ان کو فائدہ ہو۔ اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جو نمازی عظمتِ خداوند قدوس کے سوا کسی اور مقصد کے لیے نماز پڑھتے ہیں وہ ریا کار ہیں۔ اسے شارع اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اَلشِّرْكُ الْاَصْغَرُ قرار دیا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:۔

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ۝ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ ۝ فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَ ۝ وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝ (الماعون۔ پ ۳۰)

ترجمہ:۔ کیا آپ نے دیکھا اس کو جو جھٹلاتا ہے جزا کو، پس یہی ہے جو ہٹاتا ہے یتیم کو، اور نہیں ترغیب دیتا کھانا کھانے کی مسکین کو۔ پس ہلاکت ہے

ان نمازیوں کے لیئے جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔ جو دکھاوا کرتے ہیں
اور روکتے ہیں برتنے والی چیز تک۔
(تفسیل القرآن)

سورۃ المومنون میں نمازی کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ نماز کا پابند ہوجانے پر نمازی کے دل میں حقیقت توحید اس قدر راسخ ہوجاتی ہے کہ وہ فِي صَلوٰتِهِمْ خَاشِعُوْنَ کا مصداق بن جاتا ہے۔ اس میں خلق خدا وندی سے حسن سلوک کی صفت پیدا ہوجاتی ہے۔ وہ خلق خدا کو دکھ دینے سے بچتا ہے۔ گالی گلوچ، غیبت، حسد، بخل کو گناہ اور قتل کو جرم عظیم سمجھتا ہے۔

تعلیمات اسلامی کا نچوڑ

حضرتؒ کی ساری تعلیمات کا خلاصہ دراصل اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔ اس لیے کہ دین اسلام دو چیزوں سے عبارت ہے حقوق اللہ اور حقوق العباد، حقوق اللہ کی تعلیم میں ذکر اللہ اور نماز کی تعلیم شامل ہے اور حقوق العباد میں کسی انسان کو دکھ نہ دینا۔

بظاہر یہ آسان الفاظ ہیں مگر حقیقت ساری تعلیماتِ اسلامیہ کا خلاصہ ہیں حضرتؒ جو پہلی ہی منزل میں ان کی نشاندہی فرمایا کرتے تھے۔

رزقِ حلال اور ذکرُ اللہ

اسلام میں اعمال صالحہ کی بہت تاکید کی گئی ہے۔ بلکہ اعمال ہی کو نجات کا باعث قرار دیا گیا ہے قرآن حکیم میں ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کا ذکر ہر جگہ موجود ہے مگر اعمال صالح اس وقت تک نہیں ہو سکتے جب تک کہ انسان کا رزق حلال نہ ہو۔ قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:-

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا۔

اکلِ طیبات کا حکم انبیاء علیہم السلام جیسے مقدس گروہ کو بھی دیا گیا۔ تاکہ اُمّت پر اس کی اہمیت اور ضرورت واضح ہو جائے۔ مسلمانوں کو رزق حلال کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ○

دُوسرے الفاظ میں شکرِ خداوندی اور اطاعتِ ربِ کریم اس وقت تک نہ ہو سکے گی جب تک کہ رزق طیب اور حلال نہ ہو گا۔ ایک حدیث میں سید الانبیاء کا ارشاد ہے:۔

"بعض لوگ ہاتھ لمبے کر کر کے دُعائیں مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو رب رب کہہ کر پکارتے ہیں۔ مگر اُن کا عملی حال یہ ہے کہ کھانا حرام کا، لباس حرام کا۔ تو ان کی دُعا کیسے قبول ہو؟"

اسی لیے ولایت علیٰ منہاج النبوت کے پیروکاروں نے ہمیشہ رزق کے سلسلے میں پُوری احتیاط کو ملحوظ رکھا۔ رزقِ حلال میسر نہ ہونے پر فاقہ کشی کر لی مگر حرام اور خبیث رزق کو ہاتھ نہیں لگایا۔ حضرتؒ اپنے زمانہ میں اس مسلک پر سختی سے پابند رہے۔ اوائل عمر ہی سے رزق حلال کھاتے اور مشتبہ رزق سے کنارہ کش رہتے تھے۔ حضرتؒ نے سارے تصوف کا نچوڑ ان الفاظ میں فرمایا:۔

"حاصل یہ نکلا کہ اللہ کے پاک نام میں بیشمار خاصیتیں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ انسان ماسوا اللہ سے کٹ کر اللہ سے جُڑ جاتا ہے۔ اس کے لیے علاج یہ ہے کہ ذکر بکثرت کیا جائے اور پرہیز یہ ہے کہ مشتبہ اور حرام سے بچا جائے۔"

حرام کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:۔

"حرام کی دو قسمیں ہیں۔ صُورتاً حرام مثلاً سؤر، کُتا۔ حقیقتاً حرام مثلاً بکری

کا گوشت، بظاہر حلال ہے۔ اگر چوری کی ہوگی تو حقیقتاً حرام ہوگا۔

اور اس امر کی پابندی حضرتؒ کو اپنے ہر دو مشائخ سے ورثہ میں ملی تھی۔ ارشاد فرمایا:۔

"حضرت دین پوریؒ اللہ اللہ کرنے والی جماعت کو پھیکا بھات دیتے تھے جس میں نہ نمک اور نہ میٹھا ہوتا تھا۔ اس میں حلال کے چاول اور پانی ہی ہوتا تھا۔ یہ اس لیے کرتے تھے کہ اللہ اللہ کرنے والی جماعت کے پیٹ میں حرام کا لقمہ نہ جانے پائے۔ حضرت دین پوریؒ خود دیتا تھے ان کی وجہ سے ساری جماعت حرام سے بچ جاتی تھی۔"

رزقِ حلال کی پابندی اور ذکر کی برکت سے یہ کیفیت حاصل ہو جاتی ہے کہ پیٹ رزق حرام کو قبول ہی نہیں کرتا۔ بلکہ کھانے کے بعد فوراً قے ہو جاتی ہے۔

دیوبند میں ایک بزرگ تھے۔ جب کبھی حرام ان کے پیٹ میں چلا جاتا تو فوراً قے ہو جاتی۔ ایک دفعہ ایک شخص نے ان کی دعوت کی اور ہر ممکن احتیاط کی کہ کوئی حرام یا مشتبہ چیز نہ پکنے پائے۔ اس شخص نے دعوت میں کھیر بھی پکائی۔ کہتے ہیں کہ جب اس بزرگ نے کھیر کھائی تو فوراً قے ہو گئی۔ تحقیق حال کی گئی تو معلوم ہوا کہ جس بھینس کا دودھ کھیر میں استعمال ہوا تھا جب اس کا دودھ دوہ رہے تھے تو اس نے پاس والی بھینس کے چارہ میں سے تھوڑا سا کھا لیا تھا۔

حضرتؒ کی مُلکی اور ملّی خدمات

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا ایک ایک ثانیہ دینِ اسلام کی خدمت اور مسلمانوں کی رُوحانی تربیت میں بسر ہُوا۔ جس وقت بھی دیکھیے حضرتؒ کی مجلس میں قال اللہ وقال الرسول کا تذکرہ رہتا تھا اور سب سے بڑی بات یہ کہ آپ نے اس خدمتِ دین کو تمام زندگی حصولِ زر کا ذریعہ نہیں بنایا اور نہ تعریف و توصیف کے ہی متمنّی ہُوئے۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے۔ اس خدمت کا اجر بارگاہِ الٰہی میں ہے اور یہ حقیقت بھی ہے کہ اس سے بڑھ کر اجر کیا ہو گا۔

لیکن خدمتِ دین کے ساتھ ساتھ حضرتؒ نے اپنے زمانہ حیات میں جو مُلکی اور ملّی خدمات انجام دی ہیں وہ یقیناً آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

غیر ملکی حکومت کو برّصغیر سے نکال لینے اور عوام میں جذبۂ حریت و آزادی پیدا کرنے کے لیے آپ نے بڑے ہی مجاہدانہ عزم و استقلال سے کام کیا ہے جرمِ آزادی میں حضرتؒ کو قید و بند کی مصیبتیں بھی اُٹھانی پڑیں مگر یہاں ہر سزا کے بعد ذوقِ جرم بڑھتا ہی گیا۔

قبل اس کے کہ حضرتؒ کی مُلکی و ملّی خدماتِ جلیلہ کا اجمالی تذکرہ کیا جائے ضروری ہے کہ حضرتؒ کا وہ شجرۂ علمی اور نسب نامۂ حریت اگلے صفحہ پر درج کر دیا جائے۔ اس سے بخوبی اندازہ ہو سکے گا کہ ان گرانبہا ملّی خدمات کے پس منظر میں کن نفوس قدسیہ کے نقوش درخشاں ہیں جن کو حضرتؒ نے مشعلِ راہ بنا کر حریت کا نعرہ بلند کیا اور ہر مصیبت اور تکلیف کو بخندہ پیشانی لبیک کہا۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رح
شاہ عبدالعزیز رح
شاہ عبدالقادر رح
شاہ رفیع الدین رح
شاہ عبدالغنی رح
شاہ اسماعیل شہید
(فرزند)
شیخ الآفاق شاہ محمد اسحٰق
نواسہ
شاہ محمد یعقوب رح
نواسہ
سید احمد بریلوی رح
شاگرد
شاہ اسماعیل شہید
مرید
شاہ عبدالغنی محدث دہلوی رح
حجۃ الاسلام مولانا
محمد قاسم نانوتوی
امام ربانی مولانا
رشید احمد گنگوہی
قطب ربانی شیخ الہند
حضرت مولانا محمود الحسن رح
جنگ آزادی
اور
تحریک ریشمی رومال کے دو اہم مراکز
شیخ المشائخ
سلطان العارفین
خلیفہ غلام محمد رح
دین پوری
قطب الاقطاب
ابوالحسن شاہ سید
تاج محمود رح
امروٹی
امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی رح
قطب الاقطاب امام الاولیاء
حضرت مولانا احمد علی قدس سرہٗ

جناب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علماءِ حق کے متعلق ارشاد فرمایا ہے :-

عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْل

میری اُمّت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی مثل ہیں۔

یعنی جس طرح بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام نے اپنی قوم کو فرعون اور اس کی جماعت سے نجات دلانے کی کوشش کی اور ان کو احکام خداوندی پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دی اسی طرح میری اُمّت کے علماءِ حق بھی قوم کی بہبودی اور اس کی سربلندی کے لیے مصروفِ عمل رہیں گے۔ تاریخ علماءِ حق اس بات کی شاہد ہے کہ علماءِ کرام اور اولیاءِ عظام نے ہر دور میں ملّت کی دینی اصلاح اور تربیت کے ساتھ ساتھ ایسی سیاسی خدمات بھی سرانجام دیں جو ان کی تربیتِ فکر کے لیے مفید تھیں۔ امام احمد بن حنبل اور امام ابوحنیفہؒ سے لے کر سید احمد بریلویؒ اور سید اسماعیل دہلویؒ قدس اللہ اسرارہم کی خدمات ہمارے سامنے ہیں۔ حضرت امام الاولیاء نے بھی ملی خدمات کے سلسلے میں ما انا علیہ واصحابی کی بنیاد کو استوار رکھتے ہوئے ہر اس فتنے کا مقابلہ کیا جو سنّتِ نبوی کے خلاف اُٹھا۔ حضرتؒ نے اشاعتِ سُنّت، تحفظِ ختمِ نبوت، اعتقاد علی السلف، تحفظِ حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں قائدانہ خدمات انجام دیں۔ اس کے ساتھ ہی آپ کی سیاسی خدمات بھی آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ آپ تقسیم سے قبل ہمیشہ مرکزی جمعیۃ العلماء ہند کی مجلس عاملہ کے رُکن رہے۔ تقسیم کے بعد جمعیۃ علماء اسلام کے امیر منتخب ہوئے۔

انجمن حمایت اسلام کی سرپرستی

حضرت رحمۃ اللہ علیہ انجمن کے عام اراکین میں عرصے سے شامل تھے گر ۱۹۶۲ء کو

بحیثیت عالم دین انجمن کی جنرل کونسل کے رکن مقرر ہوئے۔ اس کے بعد انجمن کے معاملات میں گہری دلچسپی لینے کی بنا پر ۱۷/۱ کو انجمن کے وائس پریزیڈنٹ چنے گئے۔ اس عہدے پر آپ تاز یست فائز رہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے انجمن حمایت اسلام کی ترقی کے سلسلے میں جو خدمات سرانجام دیں ان پر مختصر سا تبصرہ سیکرٹری انجمن حمایت اسلام کی زبان قلم سے سماعت فرمائیے:-

"مولانا مرحوم و مغفور ضعیف العمری اور ناتوانی کے باوجود انجمن کے اجلاسوں میں شرکت فرماکر اپنے قیمتی مشوروں سے انجمن کو مستفید فرماتے تھے۔ بالخصوص ان مشاورتوں میں جو رد عیسائیت کے سلسلے میں منعقد ہوئیں۔ مرحوم نہایت ہی انہماک کے ساتھ دیگر علمائے کرام کے ساتھ صلاح مشورہ میں حصہ لیتے۔ آپ انجمن کے سالانہ جلسوں میں بھی تشریف لاتے اور اپنے مواعظ حسنہ سے سامعین کو فیض یاب کرتے تھے۔

مرحوم کی وفات سے انجمن کو کئی پہلوؤں سے نقصان پہنچا ہے۔"

حضرت کے وصال کے دن انجمن کے تمام ادارے بند رہے اور مجلس عاملہ کے خصوصی اجلاس میں امام الاولیاء کی ذات گرامی کو خراج عقیدت پیش کیا گیا۔

وقارِ رسالت کا تحفظ ۱۹۳۱ء کے اوائل میں میکلیگن انجینیرنگ کالج کے انگریز پرنسپل نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بدزبانی سے کام لے کر مسلم طلبا کے جذبات کو مجروح کیا۔ طلبا نے احتجاج کیا لیکن کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ مجبوراً انھیں ہڑتال کرنی پڑی۔ ہندو اور سکھ اپنی تنگ نظری اور کوتاہ فہمی کی بنا پر انگریز پرنسپل کی حمایت پر اتر آئے۔ معلوم ہوتا تھا کہ طلبہ کا احتجاج

نہ صرف بے اثر ہوگا بلکہ ان کا مستقبل بھی تاریک ہو جائے گا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو خبر ہوئی تو فوراً ان کی حمایت پر کمربستہ ہو گئے اور ہر خطرے سے بے نیاز ہو کر ان کی امداد کی۔ حضرت علامہ اقبالؒ بھی اس تحریک سے متاثر ہوئے اور میدانِ عمل میں آ گئے۔ طلبا کی حمایت اور اعانت کے لیے ایک امدادی کمیٹی تشکیل کی گئی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں سرگرم حصہ لیا۔ آپ کی قائدانہ صلاحیتوں اور بے پناہ قوتِ عمل نے اس واقعہ کو جسے حکومت درخورِ اعتنا نہ سمجھتی تھی ایک تحریک کی صورت میں بدل دیا۔ آپ نے جون جولائی اور اگست میں متعدد بار تقاریر فرمائیں جس سے مسلمانانِ پنجاب میں جوش و خروش پھیل گیا۔ حکومت نے مولانا کو گرفتار کر لیا لیکن عوام کا بے پناہ سیل ختم نہ ہو سکا۔ بالآخر حکومت کو جھکنا پڑا اور ۲۶ ستمبر ۱۹۳۱ء میں ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کر دی گئی۔ طلباء کو باعزت واپس بلا لیا گیا اور حضرت مولانا احمد علیؒ اور دیگر اسیرانِ قیدِ فرنگ سے رہا کر دیے گئے۔

جماعت اسلامی کے متعلق حضرتؒ کا اصلاحی عمل

امیر جماعت اسلامی کے مخصوص نظریات جملہ اکابر علمائے حق کے ہاں قابلِ اعتراض ہیں جس پر علمائے حق نے اپنے مواعظ اور تصانیف میں کافی روشنی ڈالی ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں مقدور بھر سعی کی اور لوجہ اللہ اس تحریک کے نقائص پر ایک ایک کر کے کتاب و سنت کی روشنی میں تنقید فرمائی۔ اس سلسلے میں آپ کے مضامین اور پمفلٹ شعبۂ تالیف و اشاعت انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ سے دستیاب ہو سکتے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں مودودی صاحب کے عقائد اور ان کی بعض تحریریں نہ صرف یہ کہ گمراہ کن ہیں بلکہ

کتاب و سنت سے انسان کو دُور لے جانے والی اور بہت بڑے خطرے کی نشان دہی کرتی ہیں۔

فتنۂ انکارِ حدیث جس طرح سیّد دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک کو خسرو پرویز شاہِ ایران نے پھاڑ کر اپنے جہنمی ہونے کا ثبوت دیا تھا اسی طرح آج اسی کا ہم نام پرویز انکار کلامِ رسالت کرکے سیّد دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مجموعۂ اقوال کو (جو بخاری جیسی عظیم المرتبت اور بین الاسلامی قبولیت یافتہ کتاب کی شکل میں ہے) کو تنویت کے ساتھ تعبیر کرکے کئی ہزار ناپسے سیّد دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پُرزے پُرزے کر رہا ہے۔ علمائے کرام نے انفرادی طور پر تو اس کی تردید کی مگر اجتماعی طور پر ایک حتمی فیصلہ کرنے کے لیے خداوند قدوس نے حضرت شیخ ہی سے کام لیا۔ چنانچہ آپ نے ۲۹ جنوری ۱۹۶۲ء کو (وصال سے صرف ۲۵ دن پہلے) دیال سنگھ کالج لاہور کے ایک عظیم الشان جلسے کی صدارت کی اور صدارتی خطبے میں ارشاد فرمایا:۔

"یہاں بہت سی تقریریں ہوئی ہیں لیکن کسی مقرر نے وہ بات نہیں کہی
جو میں کہتا ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ منکرِ حدیث منکرِ قرآن ہے منکرِ قرآن
خارج از اسلام یعنی بے ایمان ہے"

یہ وہ پہلی ضرب تھی جو پرویزیت کے قلعہ پر ز دیر لگی۔ اس کے بعد تمام علمی اور دینی حلقوں نے اس فیصلے پر صاد کرتے ہوئے پرویزیت کی مخالفت کی۔

اس تاریخی اجلاس کے متعلق کوہستان (۲۹ جنوری ۱۹۶۲ء) میں احسان بی اے اپنے تاثرات یوں پیش فرماتے ہیں:۔

"اورینٹیل کالج لاہور کے دروازہ پر مجھے ایک بہت بڑا معمولی زرد رنگ کا پوسٹر نظر پڑا اور میں ٹھٹھک گیا۔ پوسٹر میں اعلان کیا گیا تھا کہ انجمن ثقافت اسلامیہ دیال سنگھ کالج لاہور کے زیر اہتمام مولانا احمد علی امیر انجمن خدام الدین کی صدارت میں اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت کے موضوع پر ملک کے اکابر علماء جلسہ سے خطاب فرمائیں گے۔

اس پوسٹر میں نہ تو "نقل کفر کفر نباشد" "محمد کی کہانی خدا کی زبانی" جیسا کوئی ڈرامائی فقرہ تھا اور نہ ہی اس کے ڈیزائن کو فریب نظر بنانے کے لیے مختلف اور متضاد رنگوں سے فلمی پوسٹروں کی سی سج دھج بخشی گئی تھی۔ معمولی زرد کاغذ پر سپاٹ اعلان چھاپ کر دیواروں اور دروازوں پر چسپاں کر دیا گیا تھا۔

کرسی صدارت پر مولانا احمد علی رونق افروز تھے۔ کریمی رنگ کا روئی کا لمبا کوٹ زیب تن تھا۔ سر پر سفید ملگجی فلالٹن کی پٹی پگڑی کی طرح بندھی ہوئی تھی۔ لمبی سفید داڑھی سینے کو ڈھانپے ہوئے تھی۔ ہاتھ میں عصا اور آنکھوں میں خاص قسم کی چمک تھی۔ شیخ کے دائیں بائیں علماء کرام تشریف فرما تھے۔ طلبا اور مختلف خیال اور مختلف عادتوں کے اس کثیر انبوہ میں سے ڈھائی تین گھنٹے کسی کو سگریٹ سلگانے کی جرأت نہیں ہوئی کوئی مجلس میں سے اٹھ کر باہر نہیں گیا۔ سب پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ علماء کے ارشادات سنتے رہے۔

نماز عصر کے لیے جلسہ ملتوی کر دیا گیا۔ کالج کے لان میں دری بچھا کر نماز کا انتظام کیا گیا۔ اذان دی گئی۔ کالج کے دوسرے کمروں میں بھی نمازیوں کا بہت بڑا ہجوم جمع ہو گیا تھا۔ طلبا اور کلین شیوڈ نوجوان جوق در جوق بڑے خضوع و خشوع کے ساتھ نماز میں شامل ہوئے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس قوم نے اپنے شعائر کو ترک کر دیا ہے"

یہ منظر اس منظر کی بہت بڑی ضد تھا جو گزشتہ سال اسی ہال میں پیش آیا۔ اس جلسے کے وقت عشا کی اذان ہوتی رہی ۔ اکثر لوگ نماز پڑھنے کے لیے چلے گئے تھے اور محمدؐ کی کہانی خدا کی زبانی' بیان کرنے والا اپنی خطابت کے جوہر دکھا تا رہا تھا۔ آج خطابت لپیٹ دی گئی۔ تقریریں بند کر دی گئیں۔ مائکروفون کا منہ پھیر دیا گیا۔ چھوٹے اور بڑے' عالم اور جاہل' داڑھیوں والے اور داڑھی منڈے سب نے مل کر اس میدان میں صفیں بنائیں جہاں تنظیم، ترتیب اور عمل کا پہلا سبق دیا جاتا ہے۔"

تحریکِ ختمِ نبوّت

ختم نبوت مسلمانوں کا اجتماعی اور بنیادی عقیدہ ہے۔ کوئی شخص اس وقت تک مومن و مسلم نہیں ہو سکتا جب تک وہ حضور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ختم المرسلینی کا اقرار نہ کرے۔ سیّدنا صدیق اکبرؓ سے لے کر اب تک لاکھوں فرزندانِ اسلام نے اپنی جانوں پر کھیل کر اس عقیدہ کی حفاظت کی ہے۔ مسلمان کے خمیر میں یہ بات داخل ہے کہ وہ مصائب کا سامنا کر سکتا ہے' جان کی بازی ہار سکتا ہے، خاک و خون کے دریا میں نہا سکتا ہے لیکن سرورِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شان میں کوئی گستاخی اور حضورؐ کی ختم المرسلینی پر حرف آئے' یہ کسی صورت گوارا نہیں کر سکتا۔ اسی لیے ۱۸۸۰ء میں مرزا غلام احمد قادیانی نے جب ملہم من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا تو علمائے حق سے اس کی جنگ ٹھن گئی ــــ لیکن مرزا صاحب کو چونکہ حکومت برطانیہ کی سرپرستی حاصل تھی اور وہ قادیانیت کو انگریزی حکومت کا خود کاشتہ پودا قرار دیتے تھے۔ یہ پودا انگریزی عہدِ اقتدار میں علماء کی مخالفت کے باوجود کسی نہ کسی حد تک پروان چڑھتا رہا۔

حصولِ آزادی کے بعد جب ملک کا بٹوارا ہوا تو قادیانیوں نے پاکستان کو

اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنا لیا۔ ان کی سرگرمیوں سے فرزندانِ اسلام کو تشویش لاحق ہونا بدیہی امر تھا۔ چنانچہ انھوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ یہ ملک جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے اس میں رسُول اللہ صلعم کے باغیوں کو پنپنے کی اجازت نہ دی جائے۔ حکومت نے پس و پیش کیا تو رفتہ رفتہ یہی مطالبہ تحریک کی صورت اختیار کر گیا۔ آخر ۱۹۵۳ء میں مسلمانوں نے علمائے اسلام کے متفقہ فیصلہ کے پیشِ نظر مرزائیوں کی سازشوں کو ناکام بنانے کی غرض سے منظم تحریک شروع کی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ حضرت امیرِ شریعت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری نور اللہ مرقدہٗ اور دیگر کئی علمائے کرام تحریک کے رُوحِ رواں تھے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت بے باکی کے ساتھ تقاریر فرمائیں اور مسلمانوں کے جذباتِ خفتہ کو بیدار کیا۔ ان کے جذبۂ غیرت و حمیت کو مہمیز لگائی اور نہ صرف عام مسلمانوں کو تحریک میں شمولیت کی دعوت دی بلکہ خود بھی قید و بند کی آزمائشوں کو ہنسی خوشی قبول کیا۔ لاہور کے گلی کوچے اور مغربی پاکستان کی فضا اب بھی گواہ ہے کہ جب اس مردِ درویش نے دیوانہ وار عشقِ رسُول میں ڈوبے ہوئے جذبے کے ساتھ اپنی گرفتاری پیش کی تو تحریک میں زندگی کی رُوح دوڑ گئی۔ مسلمانوں میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔ تحریک کا رنگ بدل گیا۔ عاشقانِ ختمِ رسالت اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر میدانِ عمل میں آ گئے اور نوجوان حضور ختم المرسلین پر پروانہ وار نثار ہوئے۔ مسلمانوں نے لاتعداد گرفتاریاں پیش کیں اور مغربی پاکستان کی جیلیں مسلمانوں سے بھر گئیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو باوجود پیرانہ سالی کے جیل میں طرح طرح کی تکالیف دی گئیں

آپ کو زہر بھی دیا گیا مگر جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے۔ آپ کے پائے استقامت میں رائی بھر لغزش نہ آئی۔ بالآخر حکومت جھک گئی اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو رہا کر دیا گیا۔

قطب العالم حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری فرماتے تھے کہ امام الاولیاء حضرت لاہوری کا تحریک میں شامل ہونا اور گرفتاری پیش کرنا ہی دراصل تحریک کی کامیابی تھی۔

جمعیۃ العلماء اسلام کا قیام تقسیم ملک کے بعد جمعیۃ العلماء ہند نے فیصلہ کیا کہ جمعیۃ کے جو ارکان پاکستان میں رہتے ہیں وہ اپنی الگ جماعت بنا لیں۔ ان کا اب جمعیۃ علمائے ہند سے کوئی تعلق نہیں۔ اس پر حضرت نے حضرت مدنی کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا کہ جن حضرات کے دامن سے وابستہ ہو کر ہمیں قیامت کے دن نجات کا ظاہر وسیلہ تھا، انھوں نے ہی ہمیں الگ کر دیا۔ یہ عریضہ "مکتوبات شیخ الاسلام" میں چھپ چکا ہے اور مندرجہ ذیل حضرت کا جواب بھی چھپ چکا ہے:۔

سیدنا المحترم زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ والا نامہ باعث سرفرازی ہوا۔ مندرجہ مضامین سے سخت متاثر ہوا۔ محترم! کیا آپ سے علاقہ کسی انجمن کے وجود و عدم اور اس کی ممبری پر موقوف ہے جس پر آپ متاثر ہوتے ہیں۔

کلا واللہ ہم اور آپ حضرت شیخ الہند قدس سرہ العزیز کے دربار کے دریوزہ گر اور اس بنا پر خواجہ تاش ہیں۔ یہ روحانی تعلق کسی طرح ٹوٹ نہیں سکتا۔ اگر مادی اسباب حائل بھی ہو جائیں تو کیا ہے۔ ہماری ارواح ایک ہی دربار دُربار کی حاضر باش ہیں۔ آمین

گھر کے لوگوں اور صاحبزادوں اور دیگر احباب پرسانِ حال سے سلام مسنون عرض کردیں۔ دعواتِ صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ والسلام

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

از دارالعلوم دیوبند ۳ ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ

نوٹ:۔ یہ خط حضرت نے فریم میں لگوا کر تبرکاً اپنے پاس رکھا ہوا تھا۔

جمعیۃ العلماء اسلام کا پہلا اجلاس

پاکستانی علماء حق کی تنظیم کرنے کے لیے ۸-۹ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو سندھ، سرحد، بلوچستان، کراچی، پنجاب، بہاولپور وغیرہ اطراف ملک سے ۲۷۰ جلیل القدر علماء کی مجلس مشاورت منعقد ہوئی جس میں اتفاقِ رائے کے بعد حضرت ہی مرکزی جمعیۃ العلماء اسلام مغربی پاکستان کے صدر منتخب ہوئے۔ اور آخر تک اس عہدے پر فائز رہے۔ بحمدہٖ تعالیٰ حضرت کی راہ نمائی میں صرف ایک سال کے قلیل عرصہ میں مغربی پاکستان میں تقریباً تین سو شاخیں جمعیۃ علماء اسلام کی قائم ہوگئیں اور علماء اسلام نے جون ۱۹۵۷ء سے اخبار ترجمان اسلام شائع کرنا شروع کیا جو آج تک جاری ہے۔

جمعیۃ العلماء اسلام نے حضرتؒ کی سرپرستی میں جو منشور مرتب کیا تھا اس کی افادیت سے عام مسلمانوں کو روشناس کرانے کے لیے اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے:۔

انتخابی منشور

پاکستان میں عادلانہ اسلامی نظام کا قیام

(۱) پاکستان میں اسلامی عادلانہ نظام کو قائم کرنا جس سے باشندگانِ پاکستان ایک طرف

انسانیت کش سرمایہ داری اور دُوسری طرف الحاد آفرین اشتراکیت کے مضر اثرات سے محفوظ رہ کر فطری معاشرتی نظام کی برکتوں سے مستفید ہو سکیں۔

(ب) صوبائی اور قومی اسمبلیوں کو خالص اسلامی اسمبلیاں بنانے کی جدوجہد کرنا۔

دستُورِ پاکستان موجودہ منظور شدہ ملکی دستور کو صحیح معنوں میں اسلامی دستور بنانا اور اس سے مخالفِ اسلام اصول و دفعات کو خارج کر کے قوانین اسلام کے مطابق کرانا مثلاً اس دستور میں غیر مسلم و مرتد کو تمام کلیدی اسامیوں حتیٰ کہ وزارتِ عظمیٰ تک کے لیے فائز ہونے کا حق دیا گیا ہے۔ محکمہ عدلیہ میں سب جج سے لے کر چیف جج تک کے اہم اور ذمہ دار عہدوں پر ہر غیر مسلم اور مُرتد کے فائز ہونے کا حق تسلیم کر لیا گیا ہے اور ہر پاکستانی کو کافر و مرتد بننے اور بنانے کی اجازت دی گئی ہے۔ **صدرِ جمہوریہ** کے مرزائی نہ ہونے کی تصریح نہیں کی گئی۔ اس طرح تمام غلط اور غیر اسلامی دفعات کو بدل کر دستور کو قرآن و سنّت کے مطابق بنانا۔

پاکستان کی خارجہ پالیسی — (ا) پاکستان کی خارجہ پالیسی کو مکمل طور پر آزاد رکھنا۔

(ب) مسلم ممالک کے ساتھ اسلامی دوستانہ تعلقات کو مستحکم بنانا۔

(ج) غیر مسلم ممالک کے ساتھ سیاسی و اقتصادی اور دیگر تعلقات کو اس حد تک قائم کرنا جس سے پاکستان کی آزاد خارجہ پالیسی قطعاً متاثر نہ ہو۔

(د) دُنیا کے دو متحارب بلاکوں کی جنگ سے پاکستان کو علیحدہ رکھنا اور ملکی دفاع استحکام اور سالمیت کے لیے زیادہ سے زیادہ ملک کو تیار کرنا

امورِ داخلہ۔ عدالت (ا) ملک میں اسلام کا عادلانہ نظام قائم کرنا۔

(ب) عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ رکھنا۔

(ج) انصاف بلا معاوضہ کو عمل میں لانا اور کورٹ فیس کو ختم کرنا۔

(د) کم سے کم وقت میں مقدمات کا تصفیہ کرنا۔

(ذ) انصاف کی راہ کی تمام رکاوٹوں (مثلاً رشوت ستانی سفارش وغیرہ) کو دُور کرنا۔

(ر) تحفظ مسئلہ ختم نبوت اور حفاظتِ سُنّت، نیز فتنہ مرزائیہ کے لیے قانون بنانا۔

(ز) تحفظ ناموسِ صحابہؓ کے لیے قانون وضع کرنا اور شیعہ سُنی مسئلہ حل کرنے کے لیے مناسب اور مؤثر اقدامات۔

(ص) بزرگانِ دین اور مسلمہ مذہبی جماعتوں اور فرقوں کے اکابر کی توہین کے انسداد کی کوشش کرنا۔

تعلیم اور زبان

(ا) ایسا نصابِ تعلیم مرتب کرنا جو کہ ہماری دینی و دنیوی ضروریات کا کفیل ہو اور قوم میں غلامانہ ذہنیت کی بجائے خودداری کا جوہر پیدا کرے۔

(ب) تعلیم مفت اور عام کرنا۔

(ج) طلباء کی صلاحیتوں کے مطابق بلاتخصیص ان کے لیے ترقی کے مواقع مہیا کرنا۔

(د) طلباء کی اخلاقی تربیت اور ان میں صحیح اسلامی رُوح پیدا کرنے کا خاص اہتمام کرنا۔

(ہ) ابتدائی و ثانوی تعلیم ہر علاقہ کے عوام کی پسندیدہ زبانوں میں اور باقی تعلیم ملک کی مشترکہ زبان (اُردو) میں دینا۔

(و) دورِ غلامی کی یادگار انگریزی زبان کی سرکاری حیثیت کو عدالتوں اور اسمبلیوں وغیرہ سے ختم کرنا اور اس کی جگہ پاکستان کی قومی زبان کو نافذ کرنا۔

(ذ) علومِ مشرقی کی ترویج

صحت

(ا) ملک کے مختلف حصوں میں وسیع پیمانہ پر شفاخانے قائم کرنا اور ان میں دواؤں کی فراہمی کا انتظام کرنا۔

(ب) دیسی یونانی طریقِ علاج کی ہمت افزائی کرنا۔

(ج) علاج و دواسازی میں ملک کو اپنی ضروریات میں خودکفیل بنانا۔

قیامِ امن

(ا) قیامِ امن، تحفظِ جان و مال اور حفاظتِ ننگ و ناموس کے لیے ایسی تدابیر عمل میں لانا جس سے ملک کا ہر باشندہ باطمینان زندگی بسر کر سکے اور آئے دن کے حوادث و واقعات کا خاتمہ ہو سکے۔

معاشیات

(ا) ایسی تدابیر کو عمل میں لانا جن سے ہر پاکستانی اپنی ضروریاتِ حیات کو کم از کم قیمت پر خرید سکے اور ہر شخص کے لیے اکتسابِ رزق کے مواقع فراہم کرنا۔

(ب) ملک میں جہاں کہیں کسان اور مزارع پر خلافِ انسانیت مظالم ہو رہے ہوں، ان کا مکمل سدِباب کرنا۔ اور مالک، مزارع، مزدور اور کارخانہ دار کے نزاعات کو شرعی روشنی میں ختم کرنا۔ نیز برطانوی عہد کی جاگیرداری کا خاتمہ کرنا۔

(ج) تمام بیجا سرکاری مصارف کو ختم کرنا اور آمدنی کا زیادہ سے زیادہ حصہ ملک کے غرباء پر صرف کرنا۔

(د) ملک کے وسائلِ معاش (زراعت، صنعت و حرفت، تجارت) کو ترقی دینا۔

(ہ) پس ماندہ علاقوں کی آبادی کی طرف خصوصی توجہ مبذول کرنا۔

(و) شرعی احکام کے مطابق ان لوگوں کی ضروریاتِ زندگی کو سرکاری خزانہ سے

مفت مہیا کرنا جو اکتساب رزق پر قادر نہ ہوں۔

(ذ) محنت پیشہ طبقہ کے حقوق کا تحفظ کرنا۔

(ح) ملازموں کی تنخواہوں میں ایسا صحیح تناسب قائم کرنا جس سے تیسرے درجے کے ملازمین کی تنخواہ ان کی ضروریاتِ زندگی کی کفیل ہو سکے۔

معاشرت

(ا) ملک میں بیحیائی، عریانی، فحاشی، رقص و سرود اور فحش لٹریچر، شراب نوشی اور زناکاری وغیرہ تمام مخرب اخلاق امور کو خلاف قانون قرار دینا اور ملک کے نوجوانوں میں مردانہ صفات، بہادرانہ جذبات اور اعلیٰ اسلامی اخلاق پیدا کرنے کے لیے تمام تدابیر کو عمل میں لانا۔

(ب) مسکرات کے تمام اقسام کے استعمال کو جُرم قرار دینا۔

(ج) قمار بازی اور سُود کی تمام صُورتوں کو جرم قرار دینا۔

(د) پاکستان کی مسلم رعایا کو مُسلح کرنا، کشمیر اور نہری پانی کے مسائل حل کرنے کے لیے قوم کی مختلف سیاسی اور غیر سیاسی پارٹیوں کے مشورے سے پروگرام طے کرنا۔

مواصلات

سلسلہ مواصلات مثلاً ریلوے، بسوں، ڈاک، ٹیلیفون، تار میں تمام موجودہ مشکلات اور تکالیف کو حل کرنا۔ دیہاتی اور قصباتی باشندگانِ ملک کے لیے نقل و حرکت کی ہر طرح سہولت بہم پہنچانا۔

مُلک میں یک جہتی وعلاقائی حقوق

صوبائی اور نسلی تعصب کو ختم کرنا، علاقائی حقوق کا تحفظ اور مہاجرین کی بحالی اور متروکہ جائیداد کے معاوضہ کا اہتمام اور ان کی جملہ تکالیف کا ازالہ۔

شہری آزادی۔ پاکستان میں ہر شہری کو تقریر و تحریر اور اجتماعات و دیگر حقوق

شہریت کی شرعی حدود کے اندر ضمانت دینا۔

اقلیت پاکستان میں شرعی روشنی کے ماتحت غیر مسلم اقلیت کی جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت اور ان کی مذہبی رسوم کی آزادی اور معابد کا تحفظ۔ تا وقتیکہ ان کی سرگرمیوں سے مملکت اور مسلم حقوق کو خطرہ لاحق نہ ہو۔

انسدادِ ارتداد۔ فتنۂ ارتداد (مرزائیت و عیسائیت وغیرہ) کا مکمل انسداد۔

یہ چودہ نکاتی انتخابی منشور باتفاق آراء ارکان مجلس عاملہ مرکزی جمعیۃ علمائے اسلام مغربی پاکستان منظور ہوا۔

جہادِ کشمیر میں حضرتؒ کا حصّہ کشمیر کی جنگ میں مجاہدین کی کمی نہ تھی، کمی تھی تو سامانِ حرب اور دیگر ضروریات کی جس کے لیے سرمایہ کی ضرورت تھی۔ حضرتؒ، اس جہاد میں حصّہ لینے کی خاطر ہزاروں روپے کی وہ رقم جو شیرانوالہ مرکز میں جمع ہوتی، خود لے کر روانہ ہوگئے اور اس وقت کی ذمہ دار شخصیت کے سپرد کر دیتے۔ اس کا واپسی پر باقاعدہ اعلان کر دیتے۔ شب و روز اہمیت جہاد کا ذکر ہوتا۔ فرماتے۔ دل کی تمنا یہی ہے کہ ڈوگروں کے مقابلے میں فرنٹ پر پہنچ کر صفِ اول میں شریک ہو جاؤں۔ سینے میں گولی لگے اور شہادت نصیب ہو جائے۔ ہوتا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہو۔ مجاہدین کی ضروریات کا مہیا کرنا زیادہ ضروری تھا۔ اس کام میں حضرتؒ نے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔

آزاد کشمیر میں میر واعظ محمد یوسفؒ اور کرنل سید علی احمد شاہ کی کوششوں سے افتا کا کام جاری ہوا کہ ہر تحصیل میں مفتی اور ضلع میں مفتی اور اوپر صوبائی مفتی ہو، تاکہ موجودہ نظام کو اسلامی نظام کے قریب تر لایا جا سکے۔ حضرتؒ کو علماء اور مقبول

کی فلاح وبہبود کے لیے مظفرآباد دعوت دی گئی۔ حضرتؒ پہنچے تو وہاں آپ حکومت آزاد کشمیر کے مہمان تھے لیکن اپنے دیرینہ عقیدت مند غازی خدا بخش صاحب کے ہیڈ کوارٹر پر بھی تشریف لائے۔ جو وہاں اس وقت آنریری کیپٹن بطور سول آفیسر کا کام کر رہے تھے۔

آزاد کشمیر میں مفتیوں کے تقرر کے طریق کار کو حکومت کشمیر نے آپ کی صوابدید پر چھوڑا۔ آپ نے امیدواروں کا تحریری امتحان لیا اور ان کا انتخاب فرمایا۔ ان کو گزیٹڈ آفیسر کی حیثیت دی۔ اس میں آپ کے ساتھ کرنل علی احمد شاہ بھی شریک تھے۔

مسلک میں استقامت

حضرتؒ ابتداہی سے عقیدۃً دیوبندی اور مسلک کے اعتبار سے بھی دیوبندی تھے۔ ملی اور ملکی معاملات میں جو طرز عمل اکابر علماء ہند اختیار کرتے وہی حضرتؒ اختیار فرماتے اور یہ قدم صرف اندھی تقلید نہ ہوتا بلکہ علی وجہ البصیرت ہوتا۔

جب مولانا عبیداللہ سندھی ۱۹۳۹ء میں ہندوستان واپس تشریف لائے اور اپنے ساتھ ایک خاص انقلابی پروگرام لائے اور اس کو علماء ہند کے سامنے پیش فرمایا تو علماء ہند نے اس کو بعض وجوہ سے غیر پسندیدہ قرار دیا۔ اس وقت باوجود یکہ حضرتؒ کی مرشد نسبتی سے اس قدر عقیدت تھی کہ حضرت سندھیؒ کے جوتے اٹھایا کرتے تھے مگر اس کے باوجود چونکہ جمعیۃ علماء ہند نے حضرت سندھیؒ کا مشورہ ماننے سے انکار کر دیا تھا اس لیے آپ نے بھی حضرت مولانا سندھیؒ کے ساتھ ہمنوائی نہ فرمائی بلکہ اسی مسلک کو حق سمجھا جو علماء ہند کا پسندیدہ تھا۔

عظیم الشان تجدیدی کارنامہ

خدمتِ قرآن حکیم حضرت کے تجدیدی کارناموں میں سب سے بڑا کارنامہ قرآن حکیم کی خدمت ہے۔ جس کے تمام شعبوں پر حضرتؒ نے پوری محنت کی۔ درس قرآن حکیم، ناظرہ و حفظ کا اہتمام ۱۳۵۱ھ میں شروع کیا گیا تھا جو آج تک جاری ہے۔ اس میں بچوں کو حفظ اور ناظرہ قرآن حکیم پڑھایا جاتا ہے۔ مغربی پاکستان میں تجوید اور ترتیل کی ابتدا حضرت ہی کی توجہ سے ہوئی۔ غیر منقسم ہندوستان میں دیوبند، سہارنپور، لکھنؤ، پانی پت اور بعض دوسرے مقامات پر تجوید کا کام ہوتا تھا مگر سرحد، پنجاب، سندھ وغیرہ علاقوں میں ترتیل اور تجوید کا باقاعدہ فن موجود نہ تھا۔ سب سے پہلے حضرت مولانا رحمہ اللہ نے اس مقدس اور ضروری کام کو شروع کیا جو آج پاکستان میں تجوید القرآن کی شکل میں ترقی پذیر ہے۔

الحاج سیٹھی محمد یوسف صاحب بانی تعلیم القرآن ٹرسٹ راہوالی فرماتے ہیں:-

"۱۹۱۸ء یا ۱۹۱۹ء میں جبکہ میں لاہور کے اسلامیہ ہائی سکول بالمقابل مسجد لائن سبحان خاں میں پڑھ رہا تھا تو حضرت کے مدرسے کا سالانہ جلسہ ہوا جس میں ایک بچے معظم نامی نے قرآن حکیم کی چند آیات با تجوید تلاوت فرمائیں جن کا مجھ پر اور میرے مرحوم والد شیخ حبیب اللہ رحمہ اللہ پر اتنا اثر ہوا کہ ہم نے قرآن حکیم کی یہ عظیم خدمت کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ انجمن حمایت اسلام کے اجلاس ۱۹۳۲ء میں ہم نے اپنے خرچ سے دار القرآن تعمیر کیا اور ایک قاری مقرر کیا جہاں آج بحمدہٖ تعالیٰ درس جاری ہے۔"

ہندوستان بھر کے مدارس عربیہ کے فارغ التحصیل طلبا لیے جاتے ہیں۔ یکم رمضان سے یہ درس شروع ہوتا ہے۔ ان داخل ہونے والے حضرات کو تین ماہ میں سارے قرآن حکیم کی تفسیر پڑھا دی جاتی ہے۔

اس درس میں مندرجہ ذیل چیزیں خاص طور پر ملحوظ ہوتی ہیں۔ سوار خصوصی سے قواعد کلیہ کا استنباط (واقعات جزویہ سے قواعد کلیہ کا استنباط)، ربط آیات، ہر رکوع کا خلاصہ مضمون، ہر سورۃ کا خلاصہ مضمون، اقتصادی، معاشرتی، اخلاقی و سیاسی مسائل کا بیان جو قرآن حکیم میں ہیں۔

یہ درس روزانہ دو تین اور بعض اوقات چار پانچ گھنٹے تک ہوتا ہے روزانہ سبق سے پہلے امتحان ہوتا ہے اور سبق کے بعد تکرار سبق کا دُہرانا لازمی ہوتا ہے اور جو کچھ طالب علم نے سُنا ہوتا ہے اُسے قلمبند کرنا بھی لازمی ہوتا ہے غرضیکہ ایک قابل اور محنتی طالب علم رات اور دن میں سوائے سونے اور نماز وغیرہ کی ضروریات کے سارا دن اسی کام میں مصروف رہتا ہے۔ تب کہیں اپنے مجوزہ فرائض درس سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ بیشک اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

تین ماہ کے بعد یہ طالب علم اس قابل ہو جاتے ہیں کہ بلا مبالغہ سارے قرآن حکیم کے مضامین کو ایک گھنٹہ بصیرت سے سُنا سکتے ہیں۔ قیام پاکستان سے پہلے اس جماعت میں تمام صوبہ جات ہند اور ریاستوں کے طلبہ شامل ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ بیرون ہند کے طلبہ بھی جن کو پاسپورٹ مل جاتا تھا درس میں شامل کر لیے جاتے تھے۔

درس خاص الخاص درس خاص سے فارغ ہونے کے بعد جو طلبہ مزید تعلیم حاصل کرنا چاہتے تھے انھیں چار امام فلسفہ شریعت اور حکیم الامت مجدد العصر شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ دہلوی کی حجۃ اللہ البالغہ پڑھائی جاتی تھی۔

۱۹۴۰ء میں بعض احباب کے اصرار پر حضرتؒ نے حجۃ اللہ البالغہ کا درس شروع کیا۔ اس درس کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ بند کمرے میں ہوتا تھا اور وہی لوگ شریک ہو سکتے تھے جن کو اس کے لیے چن لیا جاتا تھا۔ یہ درس حضرتؒ کی زندگی تک جاری رہا اور اس میں حسب ذیل حضرات شریک ہوتے رہے۔

۱۔ حضرت مولانا حافظ حبیب اللہ صاحب دامت برکاتہم۔ فاضل دیوبند خلف اکبر حضرت رحمۃ اللہ علیہ۔
۲۔ علامہ علاؤالدین صاحب صدیقی ایم۔ اے صدر شعبہ اسلامیات پنجاب یونیورسٹی
۳۔ چودھری عبدالرحمٰن خاں صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی
۴۔ مولانا بشیر احمد صاحب بی۔ اے
۵۔ چودھری عطاء اللہ خاں صاحب بی۔ اے
۶۔ حافظ فضل الٰہی صاحب ایم۔ اے
۷۔ مولانا غازی خدابخش صاحب منشی فاضل
۸۔ مولانا عبدالعزیز صاحب مرحوم مالک الہلال بک ایجنسی
۹۔ ڈاکٹر عبداللطیف صاحب ایم۔ بی۔ بی۔ ایس؛ بی۔ ٹی۔ ایس
۱۰۔ مولانا سیف الدین صاحب بہاری فاضل امروہہ

۱۱- محمد مقبول عالم صاحب بی اے منشی فاضل

اس درس میں عوام میں سے کسی کو بیٹھنے کی اجازت نہ تھی۔ ایک دن حضرتؒ نماز ظہر کے بعد چھوٹی مسجد کے عقب میں حجۃ اللہ البالغۃ کا درس دے رہے تھے کہ قاضی زاہد الحسینی صاحب حاضر خدمت ہوئے۔ عالم شال زیر بحث تھا۔ انھوں نے مٹ دیمی کی تو فرمایا کہ دُور بیٹھ جائیں۔ درس سے فراغت کے بعد یہاں آئیں۔ ایک مولوی صاحب نے، جو قاضی صاحب سے واقف تھے اُن کا تعارف کرایا تو پھر پاس بلایا۔ اور فرمایا: "یہ علوم و معارف عوام کے لیے نہیں ہوتے اس لیے ان کو یہاں نہیں آنے دیا جاتا۔"

قرآن کریم سے بے پناہ عشق

حضرتؒ کو قرآن حکیم سے اس قدر عشق تھا کہ بڑے سے بڑا صدمہ اور واقعہ بھی اس پر انداز نہ ہو سکا۔ خواجہ نذیر احمد صاحب، محمد نگر، لاہور راوی ہیں کہ ایک روز حضرت حسب معمول صبح درس قرآن مجید کا درس دے رہے تھے کہ مولوی حبیب اللہ صاحب تشریف لائے اور حضرتؒ کے کان میں کچھ کہہ کر چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد پھر تشریف لائے اور کان میں کچھ کہہ کر چلے گئے۔ اسی طرح تیسری بار تشریف لائے اور کان میں کچھ کہا، مگر درس بدستور جاری رہا۔

کچھ دنوں بعد میں نے مولوی حبیب اللہ صاحب سے دریافت کیا کہ اس روز کیا بات تھی۔ اس سے پیشتر ایسا کبھی اتفاق نہیں ہوا کہ کوئی شخص دوران درس حضرتؒ کو پیغام دینے آئے۔ انھوں نے فرمایا: "حضرتؒ کی ایک چھوٹی بچی بیمار تھی، پہلی بار اس کی نازک حالت کی اطلاع دینے آیا تھا۔ دوسری بار یہ کہنے آیا کہ صرف چند سانس

باقی ہیں۔ دیکھیے اور تیسری بار چند لمحوں کے بعد اطلاع دیتے آیا کہ بچی فوت ہوگئی ہے۔" سبحان اللہ کیا صبر تو بی تھا کہ بچی فوت ہوتے پر بھی درس قرآن مجید بدستور جاری رہا۔

(۲) ایک عرصہ بعد۔ دوسری جواں سال صاحبزادی کا رات کو وصال ہُوا مگر اس کی اطلاع اور نماز جنازہ کا اعلان اس وقت تک فرمایا جب تک آپ حسب معمول صبح کے درس قرآن حکیم سے فراغت نہ پا چکے۔ درس سے فراغت پر احباب اور متعلقین کو اس واقعہ کا علم ہُوا۔

(۳) ۱۹۴۲ء میں حضرت حج کو تشریف لے گئے سندھیا سٹیم کمپنی بمبئی کے جہاز ایس۔ ایس انگلستان پر آپ بحری سفر کر رہے تھے۔ مگر اس سفر میں بھی آپ نے درس قرآن جاری رکھا اور اس کے لیے اتنی مشقت برداشت فرمائی کہ حجاج کرام میں سے سندھی حضرات کی درخواست پر سندھی زبان میں اور فارسی دان حضرات کی درخواست پر فارسی زبان میں بھی درس دیتے رہے۔ حضرتؒ نے اس سفر میں سات دن تک ایک لقمہ تک تناول نہ فرمایا کہ جہاز کے مطبخ کے ملازم سب کے سب بے نماز تھے۔ حضرتؒ کی متعدد بار فرمائش پر بھی انھوں نے نماز نہ پڑھی اس لیے آپ نے کھانے سے پرہیز فرمایا۔

(۴) کشمیر ایجی ٹیشن کے دوران آپ نے قائدانہ شرکت فرمائی۔ آپ کو اس پاداش میں ملتان ڈسٹرکٹ جیل میں نظر بند کر دیا گیا۔ حضرتؒ وہاں بھی درس قرآن دینے کے بے تاب تھے مگر کوئی مسلمان اس وارڈ میں موجود نہ تھا۔ آخر ایک ہندو کو بیجریٹ ہی کو آپ نے درس قرآن دینا شروع کیا جس دن اُس کے

سامنے یاایہاالناس کی تفسیر بیان فرمائی تو وہ وجد میں آگیا اور صداقت قرآنی کا معترف بن گیا۔

(۵) بارہا ایسا ہوا کہ شدید علالت کے باوجود درس قرآن حکیم کا ناغہ نہ فرمایا ایک دفعہ ۱۹۶۰ء کے رمضان المبارک میں اس قدر شدید علیل ہو گئے کہ رات بھر حجرہ میں قیام فرمایا۔ اسہال ہوتے رہے سینہ اور کمر پر پٹیاں باندھ رکھی تھیں ڈاکٹر نے بات تک کرنے سے منع کر دیا مگر جب سحری کا وقت آگیا تو حضرتؒ نے بڑی مشکل سے اتباع سنت میں سحری کی نیت سے چائے کی آدھی پیالی نوش فرمائی۔ صبح کی نماز کے لیے معتقدین پکڑ کر لائے مگر نماز کھڑے ہو کر ادا کی اور پھر درس عمومی حسب معمول دے کر علمائے کرام کے درس خصوصی کو اسی طرح جاری رکھا گویا کہ حضرت علیل ہی نہیں۔ و ذٰلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء۔ اور درس کے بعد پھر اسی طرح علیل ہو گئے۔

چونکہ حضرتؒ کو قرآنی تفسیر اور درس قرآن حکیم سے مخلصانہ و والہانہ عقیدت اور عشق تھا جس کا یہ اثر تھا کہ جو ایک دفعہ بھی حضرتؒ کے درس میں شریک ہوا وہ برکات سے خالی نہ گیا۔ اس درس نے کئی خوش نصیبوں کو معرفت سے آگاہ کیا اور کئی بدکردار اللہ کے محبوب بندے بن گئے۔

خواتین میں درس قرآن مجید

حضرتؒ کو قرآن حکیم سے جو والہانہ تعلق تھا اس کی بنا پر حضرتؒ نے خواتین کے لیے درس دینا شروع کیا جس کی ابتداء میاں غلام حسین صاحب مرحوم (ناظم انجمن خدام الدین) کے مکان واقع قلعہ گوجر سنگھ لاہور میں ہوئی۔ یہ درس ان ہی کے مکان پر

دو برس سے زیادہ عرصہ تک جاری رکھا۔ یہی درس بعد میں مدرسۃ البنات کی شکل میں ظاہر ہو گیا جس میں معلمات وہ تربیت یافتہ خوش نصیب بچیاں ہیں جنھوں نے حضرتؒ سے درس قرآن کا شرف حاصل کیا۔ دوسری بچیوں نے اپنے اپنے مکانات پر درس قرآن جاری کر دیئے۔

درسِ قرآن میں لحاظِ مخاطبین حضرت قدس سرہ العزیز کو یہ ملکہ بھی حاصل تھا کہ آپ مخاطب کے حالات کے مطابق اس سے کلام فرماتے تھے خصوصاً درس قرآن حکیم میں اس امر کا پورا لحاظ فرمایا کرتے تھے۔

صبح کا درس عمومی وعظ پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس میں زیادہ تر تذکیری ارشادات ہوتے۔ آپؒ نہایت آسان اور سادہ الفاظ میں درس فرماتے جس سے وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ کی عملی تفسیر ظاہر ہوتی۔ اگرچہ اس درس میں بھی علمائے کرام اور منتہی حضرات بیٹھتے مگر حضرتؒ کا روئے سخن عام مذکر کا ہوا کرتا تھا۔

علماء کے درس میں آپ کا روئے سخن انہی کی طرف ہوتا۔ یوں معلوم ہوتا کہ امام سیوطی اور امام راغب اصفہانی کی تعلیمات کا نچوڑ بیان ہو رہا ہے۔

مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء کا بیان ان دروس کے بارہ میں مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء اور رکن مؤتمر عالم اسلامی مکرم محترم علامہ ابوالحسن علی ندوی کا بیان ملاحظہ ہو۔

"راقم السطور کو مولاناؒ کی خدمت میں ۱۹۲۹ء سے نیاز حاصل تھے اور مجھے

آپ سے علمی تلمذ اور باطنی تعلق دونوں کا شرف حاصل تھا۔ مولانا نے تقریباً نصف صدی قرآن مجید کی خدمت و اشاعت اور دینی دعوت و اصلاح کا کام کیا۔ اس بارے میں ایسے انہماک شغف و محویت، ثبات و استقامت کا ثبوت دیا جو بغیر اعلیٰ درجہ کی عزیمت، یقین و للّٰہیت اور روحانی قوت کے مشکل ہے۔ جب انگریزی حکومت نے ان کو دہلی سے جلا وطن کر کے دجہاں وہ مولانا عبید اللہ صاحب سندھی کے جانشین کی حیثیت سے قرآن مجید کے مضامین کی اشاعت اور جہاد حریت کی تلقین کر رہے تھے) لاہور پہنچایا تو آپ نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر درس قرآن کا آغاز کیا۔ رفتہ رفتہ آپ شیرانوالہ دروازہ کی اس مسجد میں منتقل ہوئے جو لاٹ والی مسجد یا سبحان خاں کی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ اس مسجد کا مسقف حصہ نہایت مختصر تھا۔ رفتہ رفتہ آپ کے درس نے شہر میں عام مقبولیت حاصل کرنی شروع کی اور پھر وہ پنجاب کا سب سے بڑا درس قرآن بن گیا۔

جہاں تک ہم کو معلوم ہے، آپ ہی کی وجہ سے پنجاب میں درس قرآن کا ذوق عام ہوا اور جگہ جگہ اس کی بنیاد پڑی۔ یہاں تک کہ کسی بڑی مسجد اور پڑھے لکھے مسلمان محلے کے لیے درس قرآن ایسا ضروری کام ہو گیا جس کے بغیر مسجد آباد اور خطیب کامیاب اور مفید نہیں سمجھا جاتا۔

معمولاً آپ کے درس کے دو اوقات تھے۔ ایک فجر کی نماز کے کچھ دیر بعد یہ عام درس بن گیا تھا۔ اور ایک مغرب کے بعد یہ انگریزی دان طبقے اور کالجوں کے طلبہ کے لیے مخصوص تھا۔ اس درس میں صرف جمعہ کے دن ناغہ ہوتا تھا، یا جب مولانا سفر میں ہوتا اس کے علاوہ چھٹی یا ناغہ کا کوئی دستور نہ تھا۔ بعض اوقات گھر

میں میت رکھی ہوتی ہے اور مولانا اپنے درس کا معمول پورا فرما رہے ہیں۔ درس کے بعد حادثہ کی اطلاع دیتے ہیں اور لوگ میت کے جنازہ میں شریک ہوتے ہیں۔

آخر شعبان سے ایک نئے درس کا اضافہ ہوتا ہے "یہ علماء کرام کی کلاس" کہلاتی تھی۔ یہ آخر شعبان سے شروع ہو کر غالباً آخر شوال میں ختم ہوتا تھا۔ یہ درس تین تین چار چار گھنٹے جاری رہتا تھا۔ مولانا کا معمول تھا کہ پہلے امتحان لیتے پھر سبق پڑھاتے۔ اس درس میں صرف مدارس عربیہ کے فارغین اور آخری درجوں کے مستعد طالب علم لیے جاتے تھے۔ ان کی تعداد معمولاً پچاس اور سو کے درمیان ہوتی تھی۔ آخر میں اختتامی امتحان ہوتا تھا اور پھر کسی صاحب نسبت بزرگ کے ہاتھ سے سندیں دی جاتی تھیں۔ یہ سند مطبوعہ ہوتی تھی۔ اس کا مضمون عربی میں حضرت مولانا محمد انور شاہ کا لکھا ہوا ہوتا تھا۔ اس پر حضرت شاہ صاحب، حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی، مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی اور غالباً حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کے دستخط ہوتے تھے۔

اکابر علماء دیوبند کے اس سند پر دستخط ہونا اس بات کی دلیل تھی کہ حضرتؒ کا درس قرآن حکیم تمام علماء کرام کے ہاں مستند ہے۔ آپ جو درس دیتے ہیں وہ سب کے ہاں صحیح ہے۔ (نقل سند سامنے صفحہ پر ملاحظہ ہو)۔

ترجمہ قرآن حکیم حضرتؒ کا ترجمہ و محشی قرآن حکیم پہلی بار ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا۔ حضرتؒ کو قرآنی الفاظ و ارشادات الٰہیہ کے ترجمہ میں خصوصی مہارت حاصل تھی۔ آپ قرآن حکیم کا ترجمہ تمام غیر متعلقہ اور غیر ضروری امور سے خالی الذہن ہو کر فرمایا کرتے تھے۔ آپ کو خیالات کو زیر قلم لانے کا سلیقہ بھی

الحمد للہ الذی خلق الانسان وعلمہ البیان ◆ ثم جعلہ خلیفۃ فی الارض ◆ حاکمًا علی الطول والعرض ◆ والذی وضع المیزان وانزل الفرقان ◆ لیحیٰ من حیّ عن بینۃ ◆ ویھلک من ھلک عن بینۃ ◆ ولیفرق بین الاولیاء الرحمۃ واولیاء الخذلان ◆ الذین عدلوا عن سنۃ اللہ وتنکبوا عن الفرض ◆ والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ وخیرۃ خلیقتہ ◆ عبدہ ورسولہ الھادی لطریقتہ ◆ نبی الانبیاء وخطیبھم وخاتمھم وعاقبھم وحاشرھم ◆ الذی بیدہ لواء الحمد ومقام المحمود کان اول النبیین وبعث فی اٰخرھم۔ متمما لمکارم الاخلاق ومحاسن الافعال ◆ ومختتما لمظاھر الجمال والکمال ◆ وعلیٰ الہ واصحابہ کلما ذکرہ الذاکرون صلوٰۃ دائمۃ الی الیوم الموعود ◆ اما بعد فان من اٰیات اللہ البینات فی بسیط الارض کتابہ المنیر ◆ ووحیہ البشیر النذیر ◆ وھو قراٰنہ المجید ◆ وفرقانہ الحمید ◆ الذی لا تنقضی عجائبہ ◆ ولا تنفد رغائبہ ◆ الا وھو واسطۃ بینہ وبین مخلوقتہ ◆ ورابطۃ الی حضرتہ وحظیرۃ قدسہ ◆ وھو انفاسہ الرحمانیۃ من غیبہ وانسہ ◆ وکان خیر الناس بنص خیر الناس من علّمہ وتعلّمہ وخدمہ ◆ وکان من منن اللہ ان وفق اخانا فی دین اللہ المولوی   لاخذ ترجمتہ وتفسیرہ ◆ فی جمعیۃ خدام الدین التی نشأت فی بلدۃ لاھور لحفظ متنہ ◆ وظھرت برکاتہ ◆ وبھرت ثمراتہ ◆ ووقع العزم الاٰن علیٰ اعطاء السند والاسناد لمن وفق لتحصیل تفسیر القراٰن من خیار العباد ◆ ووجدناہ اھلًا لذالک وخلیقًا لہ بنشر المعارف وبسط العوارف ◆ ونوصیہ بتقوی اللہ فی السر والعلانیۃ وان ینصح للہ وللدین ولعامۃ المسلمین وللائمۃ والملۃ السنیۃ ◆ وان یدعو لنا فی اوقاتہ الصالحۃ ◆ واللہ الموفق وبہ نستعین؟

امضاءات العلماء
محمد انور شاہ عفا اللہ عنہ
شیخ الحدیث بجامعہ اسلامیہ ڈابھیل
شبیر احمد عثمانی دیوبندی عفا اللہ عنہ
شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل

امضاءات العلماء
ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ
شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند
احقر الناس احمد علی عفی عنہ
امیر انجمن خدام الدین لاہور

منہاج ولی اللہ و دیعت تھا۔ آپ نے خدمتِ قرآن حکیم کے سلسلے میں جو ترجمہ قرآن حکیم فرمایا ہے وہ نہایت جامع و مانع ہے جس طرح قرآنی ارشادات سے اسلام کے سب فرقے نورِ ہدایت کا اقتباس کرتے ہیں، اسی طرح آپ کے مترجم قرآن مجید کو بھی سب فرقے متفقہ طور پر صحیح اور مستند سمجھتے ہیں۔ یہ ترجمہ سب مکاتیبِ فکر (دیوبندی، بریلی، سُنی، شیعہ) کا مصدقہ ہے۔

حضرت کے ترجمہ و تفسیر کی خصوصیات (ا) حضرتؒ نے ترجمہ میں بنیادی طور پر شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالقادرؒ کا رُخ رکھا ہے۔

(ب) حاشیہ پر ربط آیات کو اس طرح واضح فرمایا ہے کہ معمولی اردو خواں طلباء بھی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

(ج) ضمناً مختصر اور جامع الفاظ میں پُوری سورت یا اس کے کچھ حصے خلاصہ کے طور پر بیان کیے ہیں تاکہ طالب کے ذہن میں سورت کا مضمون مستحضر رہے۔

(د) تائیدی طور پر تفسیر موضح القرآن کو بھی نقل فرمایا ہے۔

ترجمہ میں شاہ رفیع الدینؒ کی اقتداء اور تفسیر میں شاہ عبدالقادرؒ کی اتباع اس امر کی روشن دلیل ہے کہ حضرتؒ نے تفسیر میں وہ اسلوب اختیار نہیں کیا جو کہ اسلاف اور اکابر کے خلاف ہو۔

تفسیر اور ترجمہ کا ایک صفحہ بطور نمونہ شامل کتاب ہے۔

سندھی زبان میں ترجمۃ القرآن تعلق بالقرآن کی بناء پر حضرتؒ نے اپنے شیخ حضرت امروٹیؒ رحمہ اللہ کے مترجمہ

قرآن حکیم کو سندھی زبان میں شائع فرمایا۔ جس کا اب پانچواں ایڈیشن شائع ہو رہا ہے اس میں ترجمہ کی اشاعت محض حضرت کے ایصالِ ثواب کے لیے کی۔ آپ نے اس منافع سے ایک حبہ تک وصول نہیں فرمایا۔

علمائے اُمّت کی رائے

حضرتؒ کے ترجمہ و تفسیر قرآن حکیم کے بارے میں چند علماء کرام کی آراء درج ذیل ہیں:۔

استاذ العلماء عمدۃ المحدثین زبدۃ الصالحین اعلیٰحضرت سید محمد انور شاہ صاحبؒ

جناب مستطاب مولانا احمد علی صاحب لاہوری دام ظلہ (رحمہ اللہ) سے حق تعالیٰ نے ایک بہت بڑی خدمت لی اور اب انشاء اللہ العزیز عوام و خواص دونوں طبقے اس تفسیر سے اپنی تشفی کر سکیں گے اور ترجمہ پڑھانے والے حضرات بہت سی مشکلات سے رہا ہو جائیں گے۔

سید الاتقیاء اسوۃ الصلحا حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا احمد علی صاحب (وفقہ اللہ لما یحبہ و یرضاہ و احسنہ علی فعل المراوت المرضیہ ورقاہ آمین) کو عنایاتِ ازلیہ کی نگاہ انتخاب نے ازل ہی سے جس کار عظیم الشان امر کے لیے مسبوق بالحسنیٰ قرار دے دیا تھا ان کی جدوجہد و جانفشانیاں بفضلہ تعالیٰ عرصہ دراز سے اس چمنستان میں بارآور ہو رہی ہیں۔ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

میں نے مولانائے موصوف کی یہ تحریر دربارۂ ربطِ آیات قرآنیہ و ایضاح معانی فرقانیہ مختلف مقامات سے دیکھی۔ بحمداللہ نہایت مفید اور کارآمد تحریر پائی۔ دلچسپ صحیح

اور ضروری مضامین کا خلاصہ اس طرح اس میں بھر دیا گیا ہے کہ عوام و خواص دونوں کو بہت آسانی کے ساتھ دُر گراں مایہ ہاتھ آسکیں گے۔ میری نظر سے کوئی ایسا مضمون نہیں گزرا جو کہ مسلکِ اہل سُنّت والجماعت کے خلاف ہو یا اس پر کوئی گرفت ہو سکے۔ مجھ کو قوی اُمید ہے کہ اگر لوگ اس عجیب و غریب تحریر کو غور و خوض کے ساتھ مطالعہ فرمائیں گے تو کتاب اللہ کے سمجھنے کا فرض ادا کریں گے۔

آخر میں مولانا موصوف کی اس کامیابی پر مبارک باد دیتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے دارین میں ان کو سُرخرو اور کامیاب فرمائے اور اپنی لقاء اور رضوان کے اعلیٰ درجات سے مالامال کرے۔

امین واللہ ولی التوفیق وصلی اللہ علی خیر خلقہٖ سیدنا محمدٍ وَّآلہٖ وصحبہٖ وسلّم

امامُ العلماء اسوۃُ المہتدین حضرت مولانا مفتی محمد کفایتُ اللہ صاحب صدر جمعیۃ العلماء ہند (رحمۃُ اللہ علیہ)

حضرت فاضل علّامہ مولانا احمد علی صاحب نے جس صورت سے کتاب اللہ کی خدمت کی ہے یہ انشاء اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لیے بہت مفید ہوگی اور ان کے قلوب میں قرآن مجید کی تلاوت کی رغبت اور مضامین قرآنیہ پر غور کرنے اور سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرنے کا قوی ذریعہ وسیلہ ثابت ہوگی۔ میں نے اس کو جستہ جستہ مقامات سے مطالعہ کیا اور اس طرز کو مفید اور سہل اور اقرب الی الفہم پایا۔ میری نظر میں کوئی بات مسلک اہل سنت والجماعت کے خلاف نہیں آئی۔ میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کی اس مخلصانہ خدمت کو قبول فرما کر مسلمانوں کو مستفید اور بہرہ مند کرے۔ آمین والحمد للہ رب العالمین

والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

مخدوم ومحترم رئیس المورخین زماں حضرت مولانا سید محمد سلیمان صاحب ندوی دامت برکاتہم (رحمۃ اللہ علیہ)

قرآن پاک کے علوم میں سب سے زیادہ دقیق اور نازک علم آیات اور سُور کے باہم ربط وتعلق کا ہے۔ امام رازی اور بقاعی نے اس پر بہت کچھ محنت کی ہے اور دوسرے علماء نے بھی اس پر کافی غور وخوض کیا ہے۔ ہمارے زمانہ میں مولانا حمید الدین صاحب فراہی صاحب نظام القرآن اور مولانا عبید اللہ صاحب سندھی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں دونوں مُدت تک اتحادِ مذاق کے باعث کراچی میں باہم ملتے جُلتے رہتے تھے۔ مولانا عبید اللہ صاحب سندھی کے درس نے متعدد باکمال پیدا کیے۔ جن میں سب سے پہلی جگہ مولانا احمد علی صاحب امیر انجمن خدام الدین کو حاصل ہے۔ موصوف نے اس درس میں جو کچھ پایا اُس کو وقف عام فرمایا۔

انجمن خدام الدین کے مخلص و باہمت ارکان شکریہ کے مستحق ہیں کہ اُنھوں نے ایک ایسے قرآن کی طباعت واشاعت کا سامان کیا جس میں یہ متفرق فیوض وبرکات یکجا کردیے گئے ہیں۔ قرآنِ پاک کے اس نسخہ میں ترجمہ بعینہٖ شاہ عبد القادر کا رکھا گیا ہے اور حضرت شاہ صاحب کے حواشی بھی بعینہٖ چڑھائے گئے ہیں ساتھ ہی مولانا احمد علی صاحب نے قرآن پاک پر آیات کے ربط وتسلسل کی پابندی کے ساتھ جو حواشی لکھے تھے اور جو علماء عصر کی نگاہوں سے بار بار گزر چکے تھے، ان کا اضافہ کیا ہے۔ حضرت شاہ عبد القادر صاحب کے حواشی پر جس نے دقت کی نظر ڈالی ہے اس کو معلوم ہے کہ اُنھوں نے بھی آیات کے ربط وتسلسل کا خاص خیال رکھا ہے لیکن افسوس ہے کہ اُن کے یہ حواشی

بہت مختصر تھے اور پورے قرآن پر بالالتزام نہیں لکھے گئے تھے۔ مولانا احمد علی صاحب نے اس کمی کو پورا کیا ہے اور سارے قرآن پر التزام کے ساتھ ایسے حواشی لکھے ہیں جن میں ربط و تسلسل کے رموز و اسرار منکشف ہو جاتے ہیں اور مختصر الفاظ میں آیات کے وہ حقیقت پرور مطالب سامنے آجاتے ہیں جن سے تفسیر کی بڑی بڑی کتابیں خالی ہیں۔ ان حواشی کی خصوصیات یہ ہیں کہ ان میں مسلمانوں کی موجودہ بیماریوں کے علاج کی طرف خاص طور سے اشارے کیے گئے ہیں اور ان کے قوائے عمل کو بیدار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ارشد تلامذہ کی فہرست

حضرتؒ نے مدرسہ دارالرشاد (سندھ) میں کتب درس نظامیہ کا درس دیا مگر ابتداء ہی سے حضرت کو درس قرآن حکیم کا شوق تھا اور اس میں آپ کو ایسا ملکہ حاصل تھا جو اس زمانہ میں شاید ہی دوسرے علماء کو حاصل ہو۔ آپ کے ہاں فضلاء اور علماء کے لیے درس قرآن خصوصی ہوا کرتا تھا جس میں آپ معارف قرآنی اور حکمت ولی اللّٰہی کے نکات بیان فرماتے۔ یہ درس اصل تمام علوم کے حاصل کرنے کے بعد ایک قسم کا تکمیلی درس ہوتا تھا۔

حضرت شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ دورۂ حدیث کے اختتام پر جب فارغ التحصیل علماء کو دستارِ فضیلت بندھواتے تو فرمایا کرتے تھے:۔

علم کی تحصیل آپ نے آٹھ سال دیوبند میں رہ کر کی لیکن تکمیل آپ کی لاہور جاکر حضرت مولانا احمد علی کے دورۂ تفسیر میں ہوگی:

حضرتؒ کی اس درس گاہ سے فارغ شدہ باکمال علماء و فضلاء میں سے جن کی زندگی مسلمانوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوئی، مندرجہ ذیل نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں:

حضرت کے فیض سے علمائے کرام اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ بھی برابر فیض یاب ہوتا رہا۔ اس بیتے تلامذہ کی فہرست کو دو حصوں میں پیش کیا جاتا ہے۔

الف: علمائے کرام

۱۔ علامہ سید ابوالحسن صاحب ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
۲۔ مولانا محمد طاہر صاحب مرحوم قاسمی نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند (سابقاً)
۳۔ مولانا الحاج عبدالحنان صاحب خطیب و مہتمم دارالعلوم عثمانیہ کشتاپی محلہ راولپنڈی
۴۔ حضرت مولانا کفیل احمد صاحب (بجنوری) استاد مدرسہ انصاریہ کلکتہ۔
۵۔ حضرت مولانا ابوالبیان حماد صاحب

ب۔ جدید تعلیم یافتہ حضرات

۱۔ خواجہ عبدالوحید صاحب ایڈیٹر الاسلام (انگلش) کراچی
۲۔ علامہ علاؤالدین صاحب صدیقی صدر شعبہ علوم اسلامی پنجاب یونیورسٹی
۳۔ ڈاکٹر سید عبداللہ شاہ صاحب پرنسپل اورینٹل کالج لاہور
۴۔ ڈاکٹر محمد فاروق صاحب ایم اے پروفیسر دیال سنگھ کالج لاہور
۵۔ شیخ محمد عظیم اللہ صاحب ایڈوکیٹ۔ لاہور۔
۶۔ پروفیسر سعادت علی خاں ایم اے پرنسپل (ریٹائرڈ)
۷۔ مولوی بشیر احمد صاحب بی اے لودھیانوی

تلامذہ کو خدمتِ قرآن کی ہدایت حضرت خدمت قرآن حکیم کے اس قدر شیدائی تھے کہ دورۂ تفسیر کے سند یافتہ علماء کو وقتاً فوقتاً یاد دہانی کراتے رہتے کہ انھوں نے کس حد تک خدمت

قرآن حکیم کی ہے۔ ذیل کے خطوط سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے:۔

باسمہ تعالیٰ

محترمی سلام مسنون!

مدرسہ قاسم العلوم لاہور سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ قرآن مجید کی تبلیغ کس قسم کی کر رہے ہیں، جلد اطلاع دیں۔ استاذنا مولانا احمد علی صاحب کے ارشاد کے مطابق میں یہ آپ سے پوچھ رہا ہوں۔ جب کبھی کوئٹہ آویں تو ملاقات بھی کر کے جائیں۔ فقط والسلام

ڈاکٹر عبداللطیف غفرلہٗ

۴۰-۲۰ / ۴۷ مسجد روڈ کوئٹہ ۶ر مارچ ۱۹۵۴ء

محترم المقام مولانا نور احمد صاحب۔ دامت فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ میرے طبع شدہ کارڈ اور سوال نامے کے جواب میں آپ کا کارڈ ملا۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ قرآن مجید کی اشاعت نہیں کر رہے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ پہلی فرصت میں اس کوتاہی کی تلافی کرنے کی کوشش کریں۔ زیادہ نہیں تو ابتداءً دس پندرہ منٹ روزانہ اس کارِ خیر کے لیے ضرور صرف کریں۔ اگر آپ چند آیات کا ترجمہ ہی سنا دیا کریں تو بھی ایک حد تک اشاعت قرآن مجید کا حق ادا ہو جائے گا۔

العارض احقر الانام احمد علی عفی عنہ

محترم المقام مولانا نور احمد دام فیضکم!

از احقر الانام احمد علی عفی عنہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

واقعہ یہ ہے کہ اصل میں علمار کرام ہی قرآن مجید کی اشاعت کر سکتے ہیں۔ ارشاداتِ نبویّہ پر نظر غائر رکھنے کے باعث قرآن مجید سے اللہ تعالیٰ کی مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرح کو یہی حضرات شرحِ صدر سے بیان فرما سکتے ہیں۔ اس لیے میری درخواست ہے کہ آپ اس فرضِ منصبی کے ادا کرنے والوں میں شمولیت فرمائیں اور نظامِ اشاعتِ قرآن میں شامل ہونے کے لیے منسلکہ جوابی کارڈ پر جواب تحریر فرمائیں۔

نمبر ۴۱ مورخہ ۱ ماہ ذیقعد ۱۳۷۸ھ

خطباتِ جمعہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی اتباعِ قرآن حکیم اور اطاعتِ سیرتِ سید الرسل کا مکمل نمونہ تھی۔ آپ کا کوئی بھی کام قرآنی تعلیمات کے دائرہ سے باہر نہ ہوا کرتا تھا۔ اس ضمن میں حضرتؒ کی تقاریر، مواعظ، بالخصوص خطباتِ جمعہ شاہد ہیں۔ وعظ و نصیحت کے لیے قرآنِ حکیم نے قرآن ہی کو بنیاد قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ (ق)

چنانچہ آپ نے جامع مسجد شیرانوالہ میں ۴۲ سال تک جو خطباتِ جمعہ ارشاد فرمائے وہ سب کے سب قرآنی آیات کی روشنی میں مرتب کیے گئے تھے۔ ان کی ترتیب میں حضرتؒ اس قدر اہتمام فرماتے تھے کہ آپ نے ہفتے کے دو دن (منگل، بدھ) صرف خطبہ جمعہ کے لیے مخصوص فرما دیے تھے۔ ان مخصوص ایام میں اپنے ایک معتمد خاص کے ہاں تشریف لے جاتے اور قرآنی آیات پر غور و فکر کر کے خطبہ جمعہ مرتب فرماتے۔ آپ نے جو خطبے ارشاد فرمائے ان میں سے چند مشہور خطبات کے عنوان یہ ہیں:-

۱- نبی کا آنا، پیغامِ الٰہی پہنچانا، سردارانِ قوم کا جھٹلانا، عوام کا اپنے سرداروں کا کہنا ماننا، عذابِ الٰہی آنا اور اس قوم کا ملیامیٹ ہو جانا۔

۲- آدمی دو قسم کے ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے جن کا مقصدِ حیات فقط یہ ہے کہ دنیا کی زندگی آرام سے گزرے۔ دوسری قسم وہ ہے جن کا مقصد یہ ہے کہ آخرت کے حساب کتاب میں کوئی خلافِ مرضی الٰہی کرنے کا ہم پر الزام نہ لگنے پائے۔

۳۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم والا رُوحانی مرض میری قوم میں بھی پایا جاتا ہے (ناپ و تول میں کمی)۔
۴۔ قرآن مجید بابرکت کتاب ہے اس کا اتباع کرو اور خدا تعالیٰ سے ڈرو۔
۵۔ آج ظلم پر خطبہ دینے کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے۔ اس لیے کہ مسلمانوں میں بعض گروہ ایسے پیدا ہوگئے ہیں کہ شریفوں پر ظلم کرنا انھوں نے اپنا شیوہ بنا رکھا ہے۔
۶۔ سچے مومن کون ہیں؟
۷۔ اشیاءِ مخلوقہ کے فرائض۔
۸۔ خطیب کا فرض۔
۹۔ ناموس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت۔

حضرت کے خطبات کس قدر جامع اور مؤثر ہیں، اس کے لیے صرف دو شہادتیں کافی ہیں۔ آپ کے تلمیذ رشید علامہ ابوالحسن علی ندوی فرماتے ہیں:

"افادہ و اصلاح کا ایک بڑا مؤثر ذریعہ اُن (حضرت) کے جمعہ کے خطبات تھے۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، لاہور کی کسی مسجد میں اتنا کثیر مجمع اتنے ذوق و شوق کے ساتھ خطبہ سننے نہیں آتا تھا۔ مولانا عربی کے خطبۂ جمعہ سے پہلے پورا ایک گھنٹہ تقریر کرتے تھے۔ تقریر حالاتِ حاضرہ سے قریبی تعلق رکھتی تھی۔ اس میں معاشرہ کی خرابیوں اور لوگوں کی اخلاقی اور دینی بیماریوں کی نشان دہی ہوتی تھی اور عوام کے غلط رجحانات اور حکومتِ وقت کی بے دینی پر اتنی صاف اور کھلی تنقید ہوتی تھی کہ جس کی نظیر ملنی اس زمانہ میں مشکل ہے۔ ہونے والے کا اخلاص، اس کی بے غرضی، اعتماد علی اللہ، نتائج و عواقب سے بے نیازی اور دین کے دل سوزی اور دردمندی، لوگوں کو مسحور کر لیتی تھی۔ بہت سی آنکھیں اشکبار نظر آتی

تھیں اور بت سے سرِ ندامت سے جھکے ہوئے۔

انگریزوں کے عہد اور قیام پاکستان کے بعد مولانا کی یہ حق گوئی اور بے باکی یکساں طور پر قائم رہی۔ اس میں نہ حکومت کی تمیز تھی اور نہ جمہور کی۔ عامۃ المسلمین کی اخلاقی پستی، اُن کے تعیّش کی طرف رُجحان اور اسلامی قانون کی مخالفت کو بڑی بیباکی اور بے خوفی سے بیان فرماتے تھے۔ بداخلاقی اور فسق و فجور کے مرکزوں کو شمار کرکے بتاتے اور مسلمانوں کو غیرت دلاتے۔ اکثر درس میں فرماتے کہ "اے اٹھارہ لاکھ لاہوریو! میں تمھارے درمیان چھیالیس برس سے رہتا ہوں اور قرآن سُناتا ہوں لیکن انسان کی صُورت کو ترستا ہوں۔ تم سب کچھ ہو لیکن انسان نہیں ہو۔" مولانا کی تقریریں سُن کر اکثر اقبال کا یہ شعر یاد آجاتا۔ ؎

آئینِ جواں مردی حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رُوباہی

مولانا عبدالمجید مرحوم سوہدروی حضرت مولانا عبدالستّار محدّث وزیرآبادی کے پوتے ہیں۔ اُنھوں نے حضرتؒ کے خطبات کو سب سے پہلے شائع کرانے کا شرف حاصل کیا۔ آپ رقم طراز ہیں:۔

"حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ قرآن فہمی اور قرآن دانی میں جو ملکہ قدرت نے آپ کو ودیعت کر رکھا ہے اُس پر آپ کے اساتذہ اور دارالعلوم دیوبند کو بھی بجا طور پر ناز ہے کہ ان کی وساطت سے ایک ایسا مردِ مجاہد پیدا ہوا جس کے درسِ قرآن نے ان کے ناموں کو بھی زندہ کر دیا۔ یہ ایک حقیقت ہے جس میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں کہ جب سے صاحبِ ممدوح نے لاہور میں "درسِ قرآن" کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ لاہور

کی کایا پلٹ گئی ہے اور لوگوں کی ذہنیتوں میں ایک انقلاب پیدا ہو گیا ہے
درسِ قرآن اور خطبات تو عام طور پر ہوتے رہتے ہیں۔ مگر جس ایثار، جس خلوص،
جس ذوق و شوق اور جس کیف و وارفتگی سے حضرت مولانا درس یا خطبہ دیتے ہیں بہت کم
خطیب یا مدرس دیتے ہوں گے۔ قدرت نے ان کی زبان میں خاص تاثیر عطا فرمائی ہے
اچھے اچھے ادیب اور صاحب علم بھی اُن کی تقریر سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔
اور دُور دُور سے کھینچے چلے آتے ہیں"۔

بحمدہ تعالیٰ حضرتؒ کے خطباتِ جمعہ آٹھ جلدوں میں کئی دفعہ طبع ہو چکے ہیں۔ ان
کی افادیت سے علماء اور خطباء کرام بہرہ ور ہو رہے ہیں۔

مجالسِ ذکر

بعثتِ انبیاء علیہم السلام اس لیے ہوئی کہ انسانوں کا تعلق خداوند قدوس سے قائم کر دیا جائے اور بندہ اپنے آقا کا پورا پورا مطیع اور فرمانبردار ہو جائے ہر نبی علیہ السلام نے یہی پیغام حق اپنی قوم تک پہنچایا۔ اُعْبُدُوا اللّٰہَ۔ ترجمہ۔ عبادت کرو اللہ کی۔ (نوح ۳)

عبادت اور اطاعت کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کو بڑا اہم مقام حاصل ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا۔ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ اس ذکر کا حکم قرآن میں بار بار آیا ہے بلکہ قرآنی آیات کے بغور پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کے ہر موڑ پر ذکر اللہ کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا:۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (جمعہ ۱۰)

ترجمہ:۔ یاد کرو اللہ کو بہت تاکہ تم فلاح پاؤ۔

یہ فلاح و کامرانی اس زندگی میں بھی ہے اور اُخروی زندگی میں بھی جیسا کہ ارشاد ہے:۔

وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (الاحزاب ۳۳: ۳۵)

ترجمہ:۔ اور ذکر کرنے والے مرد اللہ کا بہت اور ذکر کرنے والی عورتیں تیار کر رکھی ہیں اللہ نے ان کے بخشش اور اجر بڑا۔ (تسہیل القرآن)

چنانچہ تمام بزرگانِ دین نے ذکر اللہ کو بنیادی تعلیم قرار دیا۔ ذکر اللہ کے طریقے مختلف ہیں مگر مقصود سب کا اللہ کا ذکر ہی ہے حضرت کا تعلق سلسلۂ قادریہ سے تھا۔
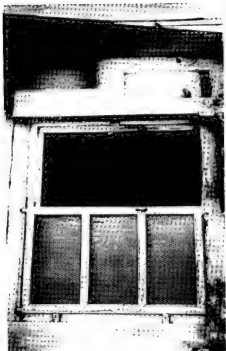
جامع مسجد شیرانوالہ کا وہ حجرہ جس میں حضرتؒ مشغول اوراد و وظائف رہا کرتے تھے اور متبعین کو رشد و ہدایت تعلیم کیا کرتے تھے۔
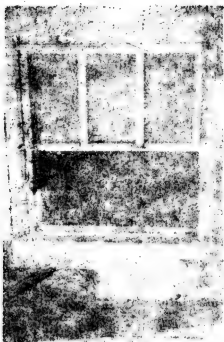
اور اس سلسلے میں ذکر کو بڑی اہمیت حاصل ہے اس لیے کہ اسی ذکر کو تعلق باللہ کا سب سے بڑا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ حضرتؒ نے ذکر کے لیے یہ التزام فرمایا تھا کہ ہر جمعرات کو مغرب کی نماز کے بعد ذکر کیا جاتا اور یہ ذکر بالجہر ہوتا جو بانیٔ سلسلۂ قادریہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ العزیز کی طرف منسوب ہے۔ حضرتؒ کا ارشاد ہے:۔

"ہم جمعرات کو ذکر جہر شروع کرنے سے پہلے گیارہ دفعہ سورۂ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے حضرت پیران پیر شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی رُوح کو پہنچاتے ہیں۔ ذکرِ جہر کا یہ طریقہ انھیں کا بتایا ہوا ہے۔"

ذکرِ جہر کا طریقہ ذکرِ جہر کا جو طریقہ حضرتؒ نے تجویز فرمایا تھا وہ یہ ہے:۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے اوّل گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھی جائے پھر ہاتھ اٹھا کر حضرت شیخ عبد القادر جیلانی محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ کی رُوح کو ثواب پہنچایا جائے اس کے بعد مندرجہ ذیل تین دُعائیں کی جائیں:۔

(۱) اے اللہ تو مجھے اپنا شوق نصیب فرما

(۲) اے اللہ تو مجھے اپنا نام نصیب فرما۔

(۳) اے اللہ تو مجھ سے وہ کام کروا جن میں تو راضی ہو۔

اس کے بعد ذکر شروع کیا جائے اور ساتھ ہی تسبیح کے دانے پھیرنے شروع کر دیئے جائیں۔ اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ تین دفعہ پورا کلمہ پڑھنے

کے بعد پھر فقط لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کی دس تسبیحیں پھیری جائیں۔ اس کے بعد اِلَّا اللہ کی دس تسبیحیں پھیری جائیں۔ بعد ازاں اللہ کا ذکر کیا جائے پہلی تین مرتبہ جَلَّ شَانُہٗ کا لفظ بھی پڑھا جائے۔ بعد میں فقط اللہ کافی ہے۔ اس کے بعد ھُو کا ذکر کیا جائے۔ اس کی بھی دس تسبیحیں پھیری جائیں۔ اس کے بعد مراقبہ کریں۔ ۳ یا ۵ یا ۹ مرتبہ لفظ اللہ کہہ کر لطیفہ قلبی پر ضرب لگائیں اور اس کے بعد یہ دعا پڑھیں۔

اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنا۔ ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاخرۃ حسنۃً وقنا عذاب النار۔ اللھم انا نجعلک فی نحورھم و نعوذ بک من شرورھم۔ اللھم استرنا بسترک الجمیل، وادخلنا الجنۃ بغیر حساب۔ یا مقلب القلوب ثبت قلوبنا علی دینک۔ اللھم نعوذ بک من عذاب القبر و من عذاب النار و من فتنۃ المحیا و الممات و من فتنۃ المسیح الدجال۔ اللھم ھون علینا سکرات الموت۔ ربنا ھب لنا من ازواجنا و ذریتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما۔ اللھم وفقنا لما تحب و ترضیٰ واجعل اٰخرتنا خیراً من الاولیٰ۔

قرآن حکیم نے ذکر الٰہی کے ساتھ تفکر و تدبر کا حکم بھی فرمایا: اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (اٰل عمران ۱۹۱) (ترجمہ: جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر اور غور کرتے ہیں پیدائش آسمانوں اور زمین کی۔) چنانچہ حضرتؒ کا قاعدہ تھا کہ ذکر

کے بعد تقریر فرمایا کرتے تھے جو اسی وقت قلمبند کرلی جاتی تھی۔ اس تقریر میں خالص روحانی اور دینی ارشادات ہوا کرتے تھے۔ ذیل میں چند تقاریر کے اقتباسات درج ہیں:-

سانس کی قضا نہیں ہوسکتی

حضرتؒ کا اکثر ارشاد ہوا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ چونکہ حاضر و ناظر ہے۔ ہر گھڑی اور ہر آن موجود ہے۔ نماز کی قضا تو ہوسکتی ہے یعنی جب بندہ چاہے اللہ کی بارگاہ میں حاضری دے کر پچھلے گناہ معاف کرا سکتا ہے مگر سانس کی قضا نہیں ہوسکتی اس لیے کہ جو سانس ایک دفعہ جا چکا ہے اس کا دوبارہ لانا مشکل ہے جب آئے گا دوسرا ہی آئے گا۔ اسی لیے اہل اللہ فرمایا کرتے ہیں جو دم غافل سو دم کافر۔

اچھی اور بری صحبت

صحبت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک اچھی دوسری بری۔ اچھی صحبت اچھے نتائج پیدا کرتی ہے اس سے اخلاق سنور جاتے ہیں اور مستقبل درست ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اچھی صحبت عطا کرے۔ بری صحبت میں عاقبت برباد ہو جاتی ہے۔ آنحضرت صلعم نے اچھی اور بری صحبت کے نتائج کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:- "اچھی صحبت کی مثال ایسی ہے جیسے عطر فروش کی دکان ہو۔ جو شخص ایسی دکان میں جائے گا۔ چاہے وہ عطر نہ بھی خریدے کم از کم اس کی خوشبو تو ضرور سونگھے گا۔ اور بری صحبت کو لوہار کی بھٹی سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا کہ ایسی دکان میں جانے والا اگر کچھ نہ بھی لے گا تو کپڑے ضرور جلا کر آئے گا۔"

خواجہ معین الدین چشتیؒ فرماتے ہیں:- "صحبتِ نیکاں نیکی و صحبتِ بداں بدازبدی۔" اللہ تعالیٰ ہمیں نیکوں کی صحبت میں پہنچائے۔

اولیاء کرام نبی اکرم صلعم کے مسند نشین ہوتے ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔

علمائے کرام اور صوفیائے عظام۔ علمائے کرام حضور اکرم صلعم کی تعلیم کتاب کا فرض ادا کرتے ہیں، وہ بھی حضرت نبی کریم صلعم کے مسند نشین ہیں۔ صوفیائے عظام تزکیہ کا فرض ادا کرتے ہیں۔ وہ قرآن کا رنگ چڑھاتے ہیں اور یہ بھی نبی کریم صلعم کے مسند نشین ہیں۔"

آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے خیار عباد اللہ اذا راوا ذکر اللہ۔" خدا کے نیک بندے وہ ہیں کہ جب انھیں دیکھا جائے تو خدا یاد آجائے۔ اس قسم کے اللہ کے بندوں کا عکس دوسروں پر پڑتا ہے۔ ان کی صحبت میں جانے سے دل چاہتا ہے کہ اللہ اللہ کریں۔ دل دنیا سے برگشتہ ہو جاتا ہے۔ اس چیز کو ساڑھے تیرہ سو سال پیچھے لے جائیے اور اندازہ کیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بابرکت میں کتنا اثر پڑتا ہوگا۔ آپؐ کی صحبت میں سب کچھ ذہنی طور پر حاصل ہو جاتا تھا۔ اب سب کچھ کسبا حاصل کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے نیک بندوں کی صحبت از حد ضروری ہے بزرگوں کی صحبت میں جا کر اور کچھ نہیں تو بری باتیں تو ضرور سننا پڑتی ہیں۔

کامل کی صحبت کا اثر

" امراض روحانی کا علاج صحبتِ شیخ کے سوا کچھ نہیں۔ کتابیں پڑھنے سے یہ دور نہیں ہوتے۔ دینی مدارس میں کتابوں پر عبور حاصل ہو جاتا ہے مگر تکمیل نہیں ہوتی۔ اس لیے علماء کی بھی کما حقہٗ اصلاح نہیں ہوتی۔ بعض امراضِ روحانی جسمانی امراض سے زیادہ مہلک ہوتے ہیں۔ جسمانی بیماریاں قبر کے ورے ختم ہو جاتی ہیں۔ روحانی بیماریاں ساتھ جاتی ہیں۔ زمینداروں، سرکاری ملازمین اور تاجروں کو تو جانے دیجئے۔ اہلِ علم بھی ان سے نجات نہیں پا سکتے جب تک کہ خاص اہتمام نہ کریں۔

مدارسِ عربیہ میں طلبہ کو علم دانستن کے درجے پر حاصل ہوتا ہے دانستن

کے درجے پر نہیں یعنی وہ دین سمجھ کر آتے ہیں لیکن اکثر ان میں سے ایسے ہوتے ہیں جن پر دین کا کامل رنگ چڑھا ہوا نہیں ہوتا۔ اس لیے علما کے اندر بھی روحانی بیماریاں باقی رہتی ہیں جب تک کہ اللہ والوں کی صحبت نصیب نہ ہو۔

"نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ اس کے سوا باقی تمام کمالات نبوی کے حاملین اب تک رہے ہیں۔ اب بھی موجود ہیں اور قیامت تک رہیں گے انہیں کی صحبت میں اصلاح حال ہوتی ہے۔ اللہ والے وہ موتیوں سے بھی گراں قیمت ہیں۔ موتی ملنے ارزاں لیکن اللہ والے ملنے گراں۔ وہ نایاب نہیں کم یاب ہیں۔ اگر کامل مل جائے تو اس کے قلب سے ادب، عقیدت اور اطاعت کی تین تاریں جوڑنے سے فائدہ ہوتا ہے۔ اس کے بغیر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں بھی رہنے والے محروم رہے۔ جن کو آنحضرت صلعم کا نہ پاس ادب تھا اور نہ عقیدت تھی اور نہ وہ اطاعت کرتے تھے۔

عقیدت، ادب، اطاعت میں نے ان گنہگار آنکھوں سے اپنے دونوں مرتبوں کے ہاں دیکھا کہ عقیدت، ادب اور اطاعت کرنے والے چند دنوں میں جھولیاں بھر کر لے گئے اور جنہوں نے ایسا نہیں کیا۔ وہ ساری عمر صحبت میں رہ کر بھی محروم رہے۔ اینٹ اگر بھٹے میں ڈالی جائے اور نہ پکے تو کچی کہلاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ کچی اینٹ بہتر ہوتی ہے کہ وہ مینہ کا مقابلہ پکی سے زیادہ کرتی ہے۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کسی اللہ والے کے ہاں لے جائیں تو وہاں سے پک کر نکلنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین

حُبّ لغیر اللہ ایک شخص نے مجھ سے اپنا واقعہ بیان کیا۔ اس کا بیان ہے

کرمیں اللہ اللہ کیا کرتا تھا۔ اس کی برکت سے میرے دل میں ایک چراغ روشن تھا۔ ایک دن میں پانی والے تالاب کی طرف سے آرہا تھا۔ سنہری مسجد کے قریب تقسیم سے قبل ایک ہندو لڑکی پر میری نظر کا پڑنا تھا کہ چراغ بجھ گیا۔ پھر آج تک روشن نہیں ہوا۔"

وہ تو ایسا نازک مزاج محبوب ہے کہ غیر پر نظر پڑ جائے تو ناراض ہو جاتا ہے۔ میلانِ طبع اپنے بس کی بات نہیں۔ یہ دُوسری بات ہے کہ انسان طبیعت کو بُرائی سے روک لے۔ جیسے منہ زور گھوڑا ہو تو زور لگائے گا مگر سوار اس کو روک لے گا۔"

غریب کی آہ

میں کہا کرتا ہوں کہ امیر سے مت ڈریئے۔ اس کو اپنی دولت، پارٹی اور اثر و رسوخ پر ناز ہوتا ہے۔ وہ غیر کے دروازے پر جاتا ہے۔ وہ پولیس اور عدالت میں جائے گا۔ اس کا آپ مقابلہ کر سکیں گے۔ غریب سے زیادہ ڈرنا چاہیئے۔ اگر اس کو آپ نے ستایا تو وہ غیر کے دروازے پر نہیں جائے گا۔ وہ صرف بارگاہِ الٰہی میں فریاد کرے گا اور دو آنسو بہا کر خاموش ہو جائے گا۔ ؎

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دُعا کردن
اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

اس کے دو آنسو بربادی کے لیے کافی ہیں۔ میرے پاس ایک دفعہ ایک سابق پولیس انسپکٹر آیا۔ بڑا قوی ہیکل۔ چھ فٹ قد تھا۔ سر فضل حسین، سر محمد شفیع اور ڈاکٹر سر محمد اقبال کی تحریریں اس نے مجھے دکھائیں کہ یہ واقعی امداد کا مستحق ہے۔ میں نے جب اس سے کہا کہ اس وقت دفتر بھی بند ہے اور کوئی وجہ بھی نہیں تو وہ مجھ سے کہنے

لگاکر" ورالحفاظ کے بچوں سے ہی پیسہ پیسہ جمع کرکے مجھے دے دیجئے۔
دیکھا آپ نے کسی غریب کی آہوں نے اُسے کہاں تک پہنچا دیا۔

ذکرِ جہر کا فائدہ ذکرِ جہر کے فائدے میں بارہا عرض کر چکا ہوں۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ذاکر وساوس وخطرات سے بچ جاتا ہے۔ لیکن ذکرِ جہر زیادہ زور سے نہیں کرنا چاہیئے بعض احباب مجھ سے ملنے آتے ہیں۔ ان کو علم نہیں ہوتا اس لیے وہ زیادہ بلند آواز سے ذکر کرتے ہیں۔ پُرانے احباب کو چاہیئے کہ ان کو سمجھا دیا کریں۔

مصائب میں خُدا پرستوں کا مسلک "دنیا میں کوئی شخص من کل الوجوہ آرام پا ہی نہیں سکتا ہے۔"

دریں دُنیا کسے بے غم نہ باشد
اگر باشد بنی آدم نہ باشد

اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں:-

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ (سورۃ البلد پ۳۰)

ترجمہ: ہم نے انسان کو تکلیف اُٹھانے کے لیے پیدا کیا ہے۔

انبیاء علیہم السلام سب سے زیادہ پاک سب سے زیادہ باا خلاق اور مقبول بارگاہ الٰہی ہوتے ہیں۔ وہ کسی کو نہیں ستاتے۔ اُن کے متعلق آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے:-

عَنْ سَعْدٍ قَالَ سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ النَّاسِ اَشَدُّ بَلَاءً قَالَ الْاَنْبِیَآءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ۔

ترجمہ: سعدؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون لوگ

سخت تکلیفوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ انبیاء علیہم السلام پھر وہ لوگ جوان کے مشابہ ہوں اور پھر وہ لوگ جوان کے مشابہ ہوں۔" (الحدیث۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ)

سب سے زیادہ مصائب انبیاء علیہم السلام پر آتے ہیں۔ اس کے بعد جو شخص جتنا اُن سے زیادہ قریب ہوگا۔ اتنا ہی وہ مصائب کا شکار ہوگا۔ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں لیکن مصائب اُن پر بھی آتے ہیں۔

انسانوں کی دو قسمیں ہیں۔ خُدا پرست اور نفس پرست۔ مصائب میں دونوں مبتلا ہوتے ہیں نفس پرستوں پر مصائب ان کی اپنی شامت اعمال کا نتیجہ ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ

ترجمہ:۔ اور جو مصیبت تم پر آتی ہے سو وہ بدلہ ہے جو کیا تمہارے ہاتھوں نے اور معاف کرتا ہے اللہ بہت سے گناہ۔ (سورۃ الشوریٰ۔ پ۲۵)

مصائب خدا پرستوں پر بھی آتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام خُدا پرستوں کے امام ہوتے ہیں۔ وہ چونکہ معصوم ہوتے ہیں۔ اس لیے ان پر مصائب کا آنا ان کی شامت اعمال کا نتیجہ نہیں کہا جاسکتا۔ بلکہ یہ مصائب قُرب الی اللہ میں ان کی ترقی درجات کا باعث بنتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کی تکالیف کے متعلق سورہ آل عمران (۱۴۶، ۱۴۷) پارہ ۴ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا

ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝ فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝

ترجمہ:۔ اور بہت نبی ہیں جن کے ساتھ ہو کر لڑے ہیں بہت خدا کے طالب اور پھر نہ ہارے ہیں کچھ تکلیف پہنچنے سے اللہ کی راہ میں اور نہ سست ہوئے ہیں اور نہ دب گئے ہیں اور اللہ محبت کرتا ہے ثابت قدم رہنے والوں سے اور کچھ نہیں بولے مگر یہی کہا۔ اے رب ہمارے! بخش ہمارے گناہ اور جو ہم سے زیادتی ہوئی ہمارے کاموں میں اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ۔ اور مدد دے ہم کو کافروں کی قوم پر۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا دُنیا کا ثواب اور خوب ثواب آخرت کا۔ اور اللہ محبت رکھتا ہے نیک کام کرنے والوں سے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ امثال عبرت کے لیے ہوتی ہیں۔ پہلے انبیاء علیہم السلام اور ان کے صحابہ کرامؓ نے اللہ کی راہ میں جہاد کیے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں سے ان کو جو تکالیف پہنچیں اس پر وہ ہارے، نہ سست ہوئے اور نہ دبے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو پہلے سوچ سمجھ کر اپنا صحیح مسلک متعین کرلینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا إلٰہ العلمین۔

احکام شرعیہ کی تعمیل میں استقامت

اس کی شہادت میں پہلے قرآن مجید پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے پیش کروں گا۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ

الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِىْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ٥ (سورہ حٰم السجدہ ۔ ع ۴ ۔ پ ۲۴)

ترجمہ :- بے شک جنہوں نے کہا تھا کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ پھر اس پر قائم رہے اُن پر فرشتے اُتریں گے کہ تم خوف نہ کرو اور غم نہ کرو۔ اور جنت میں خوش رہو۔ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

یہ وہ شخص ہیں جنھوں نے ایک دفعہ اللہ تعالیٰ کو اپنا پروردگار مانا اور پھر اس پر جم گئے۔ عسر و یُسر، رنج و راحت، غرضیکہ ہر حالت میں اُسی کا دروازہ کھٹکھٹاتے رہے اور دُوسرے کے دروازے پر نہیں گئے۔ یہ صاحب استقامت اور توحید پرست ہیں۔ توحید اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ توحید جانبین سے ہونی چاہیئے۔ اگر توحید میں کہیں فرق آگیا تو یہ مخلوط بالشرک ہو جائیگی۔ ہمارا بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔ ہم بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے نہیں جب رب العالمین نے ہم کو اپنا لیا تو دُوسری جگہ جانے کی ضرورت نہیں۔

اِخلاص میں نے اپنے مُربی حضرات کی خدمت میں کبھی ایک روپیہ تک نذر نہ کیا تھا۔ لیکن ان کو مجھ سے بے حد محبت تھی اور ہر وقت بیٹا بیٹا فرماتے رہتے تھے۔ مجھے ان سے عشق تھا۔ ایک دفعہ میں حضرت امروہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہُوا جب واپس آنے لگا تو میں نے عرض کی کہ حضرت میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ فرمانے لگے کہ بیٹا! میں دن رات تمھارے لیے دُعا کرتا رہتا ہوں۔ میں خاموش ہو گیا اور اجازت لے کر واپس آگیا۔

فیض کیا ہے ۔ کامل سے فیض حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ عقیدت

ادب اور اطاعت میں ذرّہ برابر بھی فرق نہ آئے ہیں انگریز سے نہ ڈرتا تھا لیکن اپنے حضرات سے ایسا ڈرتا تھا جتنا کوا تیر سے۔ جب کبھی اللہ تعالیٰ پچیس روپے مٹھی میں دے دیتے تو امروٹ شریف چلا جاتا۔ ایک دن اور ایک رات رہتا تھا۔ اگر ان تین تاروں (عقیدت، ادب، اطاعت) میں سے ایک بھی کٹ گیا تو طالب گیا۔

کامل علم دُنیا کے تمام مروّجہ علوم میں سے سب سے زیادہ کامل، سب سے زیادہ اعلیٰ، سب سے زیادہ دُور رس، ماضی، حال اور مستقبل پر روشنی ڈالنے والا، اللہ تعالیٰ سے رُوشناس کرانے والا، با اخلاق بنانے والا صحیح معنوں میں انسان بنانے والا، دُنیا کی ذلتوں سے بچانے والا اور آخرت میں عذاب الٰہی سے نجات دلانے والا علم فقط کتاب و سُنّت کا علم ہے۔"

ذکرُاللہ حضرت دین پوریؒ نے ایک بار مجھ سے فرمایا کہ بیٹا! پاخانہ میں بھی جاؤ تو ذکرِ الٰہی سے غافل نہ رہو۔ اللہ کے نام میں اتنی دہشت ہے کہ شیطان پاس نہیں ٹھہرتا۔ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ جب موذّن اذان دیتا ہے تو شیطان اتنی دُور بھاگ جاتا ہے جہاں اذان کی آواز سُنائی نہیں دیتی۔"

انسان کی اصلاح امراض رُوحانی کا علم علماء کی صحبت میں ہوتا ہے اور ان سے شفا صُوفیائے کرام کی صحبت میں ہوتی ہے۔"

میرے دو مربّی ہیں حضرت دین پوری اور حضرت امروٹیؒ۔ جو دونوں سے میں نے کسی کتاب کا ایک سبق بھی نہیں پڑھا۔ دونوں کے دروازہ کی گدائی کی جو کچھ ملا وہ دیا اللہ تعالیٰ نے لیکن ذریعہ دو حضرت بنے۔"

"میرے بعض احباب اپنی خصوصی تربیت کے لیے آتے ہیں۔ اُن کو میں بازلو

کا گھی، گوشت اور گوجروں کا دودھ چھڑوا دیا کرتا ہوں۔ اُن سے کہا کرتا ہوں کہ ہر وقت باوضو رہیں اور روٹی خود پکا کر کھائیں۔ آٹا میں لا دوں گا۔"

اساتذہ کا ادب

فیض باطنی کے لیے سو فیصدی ادب کی ضرورت ہے۔ میں اپنے بیٹوں کو جب وہ دیوبند میں پڑھتے تھے، لکھا کرتا تھا کہ اپنے اُستادوں کا ادب کیا کرو۔ اُن کی ہر خدمت اپنے لیے فخر سمجھو۔ اُٹھتے وقت اُستادوں کے جوتے سیدھے کر دیا کرو۔ میرے مربی و محسن مولانا سندھی رح پچیس ۲۵ سال ہندوستان سے باہر رہنے کے بعد جب واپس تشریف لائے تو میں اس وقت ایک کانفرنس میں شرکت کے لیے دہلی گیا ہُوا تھا۔ دہلی سے سیدھا کراچی پہنچا جو اور احباب اُن کے استقبال کے لیے کراچی گئے۔ ان میں میاں ظہیر الحق بھی تھے جو اس وقت حلقۂ ذکر میں موجود ہیں۔ کراچی اُترنے کے بعد مولانا مظہر العلوم میں ٹھہرے۔ آپ کتب خانہ کی اُوپر کی منزل میں آرام فرمایا کرتے تھے جب نیچے آنے کی ضرورت محسوس ہوتی تو میں اُن کا جوتا اُٹھایا کرتا تھا۔ وہاں میاں ظہیر الحق اور دُوسرے احباب کو مخاطب کر کے کہا کہ تم لوگ میرا جوتا اُٹھاتے ہو اور مولانا کا جوتا اُٹھانا میرا فرض ہے۔ آدمی کتنا بھی بڑا ہو جائے بڑوں کے لیے چھوٹا ہوتا ہے۔

مُرشد کی رضا جوئی

وصال کے وقت حضرت دین پُوری رح کی عمر ۱۱۰ سال کی تھی۔ میری بیعت کے چالیس سال بعد تک زندہ رہے۔ میں نے چالیس سال ان کی خدمت میں آمد و رفت رکھی۔ اللہ کے فضل سے میرے کاسۂ گدائی میں کچھ نہ کچھ پڑتا ہی رہتا تھا۔ اگر حضرت رح ہزار سال تک زندہ رہتے اور میں بھی اتنی ہی مدت زندہ رہتا تو ہزار سال ان کے دروازہ پر حاضری دیتا۔ اُن کی زندگی میں جب

کبھی میں سندھ جاتا تو میری مجال نہ تھی کہ حاضری دیئے بغیر گزر جاؤں۔ جاتے یا آتے ہوئے ضرور حاضر ہوتا۔

توکل علی اللہ

جو رزق مقدر ہے وہ مل کر رہے گا۔ آپ سمجھتے ہیں کہ ہماری محنت پر رزق ہے یہ بات غلط ہے۔ رزق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ سچا اور اس کا رسول سچا ہے۔

ایک لڑکی میرے پاس آئی جس کے نانا کا میرے ساتھ بیعت کا تعلق تھا۔ اُس نے کہا کہ "میرا خاوند دو ہزار روپیہ ماہانہ تنخواہ لیتا ہے مگر گزارہ نہیں ہوتا" میں نے حسبِ معمول جواب دیا کہ بیٹی! رزق میں برکت ڈالنا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ میں اور میری اولاد دُنیاوی طور پر کچھ نہیں کرتے۔ تمام دن فقط اللہ اور اس کے رسول کا دین پڑھاتے اور پڑھتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے بھی بیوی ہے، لڑکے ہیں، بہوئیں ہیں، پوتے پوتیاں ہیں۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ گزارہ اچھا چل رہا ہے کوئی شکایت نہیں۔ آج تک کبھی کسی سے ایک پیسہ تک نہیں مانگا۔ اللہ کو منظور ہو تو تھوڑا رزق بھی بہت بن جاتا ہے۔ اگر برکت نہ ہو تو رزق کی بہتات ہوتے ہوئے بھی ہائے ہائے نہیں جاتی اور اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔"

حیاتِ مُبارکہ کی آخری مجلسِ ذکر
یکم فروری ۱۹۶۲ء

"میں حلقۂ ذکر میں شامل ہونے والوں کو خوشخبری سُناتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سب کو بخش دیا ہے"

حدیث شریف میں حضرت ابُو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے سڑکوں پر ذکر کرنے والوں کی تلاش میں

پھرتے رہتے ہیں۔ جب کسی قوم کو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے پاتے ہیں تو وہ دُوسرے فرشتوں کو بُلاتے ہیں کہ آؤ آؤ۔ جس چیز کی تم تلاش کر رہے تھے وہ یہاں ہو رہی ہے۔ وہ فرشتے ان پر گھیرا ڈال کر ایک دُوسرے کے اُوپر چڑھتے ہوئے آسمان دنیا تک جا پہنچتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہے لیکن فرشتوں کی گواہی لینے کے لیے پُوچھتا ہے کہ میرے بندے کیا کر رہے ہیں؟ فرشتے کہتے ہیں کہ یا اللہ! وہ تیری بزرگی اور تعریف کر رہے ہیں، تیرا ذکر کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پُوچھتا ہے کہ کیا انھوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ یا اللہ! نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ مجھ کو دیکھ پائیں تو اُن کی کیا حالت ہو؟ فرشتے کہتے ہیں کہ یا اللہ! اگر وہ آپ کو دیکھ پائیں تو اور شدت سے تیری عبادت شروع کر دیں اور تیری تعریف بہت زیادہ بیان کریں۔

اللہ تعالیٰ پُوچھتا ہے کہ وہ کیا چیز مانگتے ہیں؟ فرشتے کہتے ہیں کہ یا اللہ! وہ جنّت مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا انھوں نے جنّت کو دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ یا اللہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ جنّت کو دیکھ پائیں تو پھر ان کی کیا حالت ہو؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ یا اللہ! اگر وہ جنّت کو دیکھ پائیں تو ان میں جنّت کو حاصل کرنے کی اور زیادہ حرص پیدا ہو اور وہ اس کو طلب کرنے کی اور زیادہ کوشش کریں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں؟ فرشتے کہتے ہیں کہ دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کیا انھوں نے دوزخ کو دیکھا

ہے ؟ فرشتے کہتے ہیں نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اگر وہ دوزخ کو دیکھ پائیں تو
ان کی کیا حالت ہو؟ فرشتے کہتے ہیں یا اللہ! اب تو بن دیکھے اتنا ڈرتے ہیں اگر
دیکھ پائیں تو اور زیادہ بھاگنا شروع کر دیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے فرشتو! تم گواہ
رہو کہ میں نے ان کو بخش دیا۔

ایک فرشتہ کہتا ہے کہ یا اللہ! ایک آدمی کسی کام کی غرض سے بیٹھا ہوا تھا وہ
ذکر کرنے کے لیے نہیں آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ایسے بیٹھنے والے ہیں کہ
ان کے پاس بیٹھنے والے بھی خالی نہیں جاتے۔ (رواہ البخاری)

اللہ تعالیٰ میرے احباب کو ہر جمعرات کو مرتے دم تک مجلس ذکر میں شامل ہونے
کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت ہی وسیع ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ذکر کو
قبول فرمائے اور ہر جمعرات کو مغفرت کا تمغہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

رمضان شریف کے متعلق آج کچھ عرض کرتا ہوں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ جو شخص رمضان کے روزے رکھے اور وہ ایماندار ہو۔ اگر ثواب کی خاطر رکھے تو اس کے
سابقہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

دوسری حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"رمضان شریف کے مہینے میں ہر نیکی کا بدلہ بڑھا دیا جاتا ہے حتیٰ کہ ہر
نیکی کا ثواب دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک کر دیا جاتا ہے مگر
روزہ صرف خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا ہوں یعنی نفس

چونکہ میں میتوں کا مال ختم شریفوں میں جا کر نہیں کھاتا۔ اس لیے لوگ مجھے وہابی کہتے ہیں۔ جو کوئی مرجاتا ہے تو بیوہ عورت سے کہا جاتا ہے کہ آپا جی۔ پندرہ روپے، آٹھ روپے کا حلوہ، پانچ روپے کے سنگترے اور اڑھائی روپے کے پھول لانے ہیں مولوی آئیں گے، ختم شریف ہوگا اور مولوی کھائیں گے۔

یاد رکھو کہ یتیم کا مال کھانا حرام ہے اور یہ تیجا شریف، ساتا شریف، چالیسواں شریف سب اسلام کے خلاف ہے۔ کل کو اگر تم رات کو زنا کرو اور کہو کہ رات رنڈی شریف آئی تھی۔ زنا شریف کیا تھا تو کیا لوگ تمہارے منہ پر جوتا نہ ماریں گے؟ کیا تمہارے شریف لگانے سے وہ فعل جائز ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کو ہدایت فرمائے۔

میں اپنی جماعت کے لیے خاص دُعا کرتا ہوں۔ میں نے پچھلے سال مدینہ منورہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مقدس پر بھی اپنی جماعت کے لیے خاص دُعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ میری جماعت کے مردوں اور عورتوں کو استقامت عطا فرمائے۔ ان کے سب گناہ معاف فرما کر جنت میں پہنچائے اور دوزخ سے بچائیے (آمین یا الٰہ العلمین)

اخلاقِ عالیہ

سیدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔ اس لئے علماء حق اور سالکان طریقت اخلاق میں سیدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے ہیں حضرتؒ اخلاقِ عالیہ سے متصف تھے۔ آپ کی ساری زندگی اخلاقِ عالیہ کا نمونہ تھی۔ حلم، صبر، عفو و کرم، کسرِ نفسی، صدق، سخاوت اور استقامت وغیرہ صفات آپ میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ آپ کے مربی روحانی حضرت امروٹیؒ مظہرِ جلال تھے اور حضرت دین پوریؒ مظہرِ جمال تھے۔ چنانچہ حضرتؒ اپنے دونوں شیوخ کے جمال اور جلال کا مظہر تھے۔ یہ سعادت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔

حلم

حضرتؒ کی طبیعت میں نرمی تھی، تشدد نہ تھا۔ ہر شخص آپ کے سامنے بلا تکلف اپنی معروضات پیش کر سکتا تھا اور آپ اس کو مناسبِ حال جواب عنایت فرماتے تھے۔ جمعہ، درس اور مجلس ذکر میں ہزاروں لوگ آپ کے گرد جمع رہتے تھے۔ آخری عمر میں پیرانہ سالی اور ضعف کے باعث عموماً انسان کے مزاج میں چڑچڑا پن اور تلخی آجاتی ہے لیکن زندگی کے ان لمحات میں بھی حضرتؒ کے مزاج میں تلخی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ درج ذیل ہے:۔

محمد یونس (راولپنڈی) راوی ہیں کہ ایک مرتبہ چند اصحاب حضرتؒ کی خدمت میں حاضر تھے۔ اتفاق سے میں بھی اس مجلس میں شریک تھا کہ ایک شخص اپنے لڑکے کو لے کر حاضر ہوا، اور عرض کیا "حضور اس بچے کے لیے تعویذ بنا دیں کبھی یہ لاہور سے چلے جانے کی دھمکی دیتا ہے اور کبھی خود کشی کی شاید اسے کوئی سایہ ہے۔"

حضرتؒ نے فرمایا: "اسے جسمانی مرض ہے کسی حکیم یا ڈاکٹر کو دکھلایئے۔" اور لڑکے سے مخاطب

ہوکر فرمایا "بیٹا! ایسے خیالات دل سے نکال"۔ اس پر وہ شخص بگڑ گیا اور کہنے لگا "ہم گیارہ بجے سے منتظر تھے کہ آپ سے تعویذ لیں گے اور آپ نے پرواہ تک نہیں کی"۔ حضرتؒ اُسے غصّے میں دیکھ کر مسکرائے اور کہا "اگر کسی کا میرے ہاتھ سے بھلا ہو جائے تو میرا کیا نقصان ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ بچے کو جسمانی مرض ہے اور میں ڈاکٹر / طبیب نہیں ہوں"۔ مگر وہ شخص اور زیادہ بگڑ گیا۔ کہنے لگا "ہمیں آپ سے یہ اُمید نہ تھی"۔ ہم سب حیران تھے کہ حضرت کس طرح برداشت کر رہے ہیں۔ آخر حضرتؒ نے بڑے تحمّل سے فرمایا "اچھا! ہمارے پاس تو بس دعا ہی ہے، کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالٰی اپنے فضل و کرم سے صحتِ کاملہ عطا فرمائے گا"۔ اس کے بعد بھی وہ شخص غصّے سے یہی بات کرتا رہا۔ مگر حضرتؒ نے ایک بار بھی تلخ جواب نہیں دیا۔ آپؒ اکثر فرمایا کرتے "جو لوگ مجھے گالیاں دیتے ہیں۔ اُن کے لیے دعا کرتا ہوں۔ کہ اللہ تعالٰی انہیں ہدایت فرمائے"۔

کمالِ بے نفسی

مولانا عبد الشکور صاحب سابق استاذ اعلیٰ مظاہر العلوم سہارنپور حال شیخ الحدیث تعلیم القرآن راولپنڈی بیان فرماتے ہیں۔

ایک دفعہ ہم حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب صدر مدرس کی معیت میں سہارنپور سے کیمبلپور آ رہے تھے۔ ہمارے ساتھ چند طلبہ دورہ تفسیر حضرت مرحوم سے پڑھنے کے لئے آ رہے تھے۔ اسٹیشن پر حضرت مولاناؒ اکابر دیوبند کے استقبال کے لیے تشریف لائے تھے۔ مگر یہ حضرات اس گاڑی سے تشریف نہ لائے۔ مولانا عبد الشکور صاحب نے ناواقف ہونے کی وجہ سے حضرتؒ کو عالمانہ لباس اور شکل میں دیکھ کر یہ استدعا کی کہ آپ اس طالب علم کو مولانا احمد علی صاحب کے ہاں پہنچا دیں۔ حضرتؒ نے بصد مسرت اس کا سامان اٹھا لیا اور اسے مسجد میں پہنچا دیا۔ صبح درس قرآن میں حضرتؒ کو مسند تدریس پر رونق افروز دیکھ کر بے حد نادم ہوا۔

حضرتؒ میں یہ وصف بھی بدرجہ اتم موجود تھا کہ آپ اپنے خدام اور تلامذہ کی قدر و منزلت میں

فراخدلی کا برتاؤ فرمایا کرتے تھے۔ ذیل کا ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے۔ حافظ عبدالرحمٰن صاحب ہزاروی حضرتؒ سے ترجمہ و تفسیر قرآن پڑھنے کے لیے حاضر ہوئے۔ مگر حضرتؒ نے ان کی فن تجوید اور حفظِ قرآن میں مہارت کے پیشِ نظر مسجد کا امام مقرر فرما دیا جب کہ اس سے قبل آپ مسجد شیرانوالہ کی نماز پنجگانہ کی امامت خود فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرتؒ رات کو تشریف لائے اور اس حجرہ پر دستک دی۔ حافظ صاحب نے اندر سے پوچھا کون ہے؟ مگر حضرتؒ نے نہ سنا اور پھر دروازہ پر دستک دی۔ حافظ صاحب نے دوبارہ سخت لہجہ میں پوچھا کون ہے؟ مگر حضرتؒ نے پھر بھی نہ سنا اور دستک دیدی۔ تیسری دفعہ درشت اور سخت سُست الفاظ میں حافظ صاحب نے پوچھا کون ہے؟ تو حضرتؒ نے فرمایا "احمد علی" حافظ صاحب نے دروازہ کھول دیا اور سخت ندامت کا اظہار کیا۔ مگر حضرتؒ نے کمال شفقت سے نوازتے ہوئے فرمایا: "آپ نے جو کچھ کیا وہ ٹھیک تھا"۔

جُود و سخا حضرتؒ اس قدر سخی اور فیاض تھے کہ سفر و حضر میں جو پاس ہوتا تقسیم فرما دیتے۔ حاجی دین محمد صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرتؒ کے ساتھ سفر کا اتفاق ہوا۔ رات کو لاہور سے سوار ہوتے وقت میں نے اس نیت سے کھانا نہ کھایا کہ غفلت طاری نہ ہو جائے۔ لیکن اوکاڑہ پہنچ کر ہی بھوک محسوس ہونے لگی۔ آخر میں نے منٹگمری سے ۲ سیر کھجوریں اور دو سیر سنگترے خریدے اور حضرت کے سامنے رکھ دیئے۔ حضرت نے سنگترے کھول کر پھانکیں کر دیں اور فرمایا کہ دائیں طرف سے ہر شخص کو ایک ایک حصّہ دے آؤ۔ جب تمام مسافروں کو ایک ایک حصّہ مل گیا تو باقی چھ کھجوریں اور دو پھانکیں بچیں۔ آپ نے دو پھانکیں اور چار کھجوریں مجھے دیں اور دو کھجوریں خود رکھ لیں۔

انسانی ہمدردی ماسٹر سراج الدین صاحب لاہور راوی ہیں: "۱۹۳۲ء کا ذکر ہے۔ میں تانگے میں اپنے دو دوستوں کے ہمراہ اپنے مکان واقع فاروق گنج (لاہور) جا رہا تھا۔ سرکلر روڈ اور فاروق گنج کے درمیان ریلوے لائن کے نیچے ایک تنگ پُل جس میں سے تانگہ نہیں گذر سکتا۔ ہمارے

پاس اتنا سامان تھا کہ ہم تینوں اٹھا بھی لیتے تو کچھ باقی بچ رہتا تھا۔ سامان تانگے سے اتار لیا گیا۔ اب میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر ایک آدمی اور مل جائے تو سامان لے جانے میں آسانی ہو جائے گی۔

یکایک میری نگاہیں اٹھیں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرتؒ ایک اور بزرگ کے ساتھ تشریف لائے ہیں۔ آتے ہی سلام میں سبقت فرمائی۔ پھر فرمایا "سامان زیادہ ہے اور آپ کی تعداد کم ہے۔ اس لیے لائیے کچھ سامان ہم اٹھائے لیتے ہیں۔"

بدعات سے نفرت خواجہ نذیر احمد (لاہور) کا بیان ہے: سرگودھا کے ایک زمیندار نے (جو حضرتؒ کا مرید تھا) شادی کے سلسلے میں مجھے ایک عرتی رقعہ بھیجا۔ جب میں وہاں جانے لگا تو حضرتؒ نے مجھے اس کے نام ایک رقعہ دیا جس کا مضمون یہ تھا۔

عزیزم

یہ تمہارا امتحان ہے اگر خلاف شرع رسومات کی گئیں تو پھر میرے دروازے پر کبھی نہ آنا اور اگر صحیح طریقہ سے برات اور ولیمہ کرو گے تو فلاح پاؤ گے۔"

میں یہ پیغام لے کر سرگودھا پہنچا۔ زمیندار صاحب پڑھ کر سوچ میں پڑ گئے۔ پھر میرے پوچھنے پر بولے کہ شادی شریعت کے مطابق ہی ہو گی۔

رفقاءِ سفر پر خصوصی شفقت انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ سفر میں عموماً طبیعت تیز ہو جاتی ہے اور رفقاءِ سفر کے ساتھ برتاؤ میں تلخی اور درشتی پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر حضرتؒ کا یہ بھی کمال تھا کہ سفر میں خدام اور رفقاء کے ساتھ نہایت ہی شفقت کا سلوک فرماتے اگرچہ اس سلسلے میں کئی واقعات محفوظ ہیں۔ مگر صرف دو واقعات درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ جانشین شیخ التفسیر مولانا عبید اللہ انور صاحب حرمین کے سفر میں چار دفعہ شریک رہے۔ مگر جب تک حضرت موصوف باہر سے تشریف نہ لاتے حضرتؒ کھانا نہ کھاتے اور منتظر رہتے۔ یہی حال

حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب (خلف اکبر) کی غیر حاضری پر ہوتا جبتک وہ بھی تشریف نہ لاتے حضرت کھانا تناول نہ فرماتے۔

(۲) ڈاکٹر مناظر احسن صاحب دین پور کے ایک سفر میں شریک خدمت تھے کہ پیچش میں مبتلا ہونے کی وجہ سے باہر چلے گئے اور پیچھے کھانا آگیا۔ حضرتؒ تقریباً ایک گھنٹہ تک اُن کے انتظار میں رہے۔ اور جب یہ واپس آئے تب حضرتؒ اور دوسرے شرکاء نے کھانا تناول فرمایا۔

مخلوقات پر رحم خواجہ نذیر احمد نے ایک اور واقعہ بتاتے ہوئے فرمایا کہ حضرتؒ بنی نوع انسان پر شفقت تو فرماتے ہی تھے۔ حیوانات اور پرندوں پر بھی اس قدر مہربان اور شفیق تھے کہ ایک دفعہ حضرتؒ کسی جلسے میں شمولیت کے لیے جا رہے تھے سٹیشن پر پہنچے تو خیال آیا کہ حجرہ بند کر آیا ہوں اور روشن دان بھی بند ہے۔ کمرے میں چڑیوں کا گھونسلا ہے۔

فوراً جلسے کے منتظم کو تار دیا کہ میں جس گاڑی سے آ رہا تھا اس سے نہ آ سکوں گا دوسری سے آؤں گا۔ آپ نے واپس تشریف لا کر روشن دان کھولا اور پھر دوسری گاڑی سے روانہ ہوئے۔

عیادت خواجہ صاحب موصوف راوی ہیں کہ ۱۹۵۶ء کا ذکر ہے۔ مجھ پر انفلوئنزا کا زبردست حملہ ہوا متواتر تین ماہ چارپائی پر پڑا رہا۔ اس عرصہ میں حضرتؒ کئی بار تیمارداری کے لیے تشریف لائے۔ مگر آپ جتنی بار بھی آئے۔ پانچ منٹ سے زائد نہ ٹھہرے۔

ایک بار جمعہ کے دن دوپہر کے گیارہ بجے کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میری بیوی نے ذرا سخت لہجے میں پوچھا "کون ہے؟" جواب ملا "احمد علی"۔ آپ اندر تشریف لائے اور کہنے لگے "میرے پاس اور کوئی فراغت کا وقت نہ تھا خیال کیا اسی وقت دیکھ آؤں کہ کیا حال ہے۔"

تنقید و تردید میں آپ کا محتاط معتدل رویہ حضرتؒ کا یہ وصف اس دور میں حضرت ہی کے ساتھ خاص تھا کہ آپ نے جب

کبھی کسی بات یا نظریہ کو حق سمجھا اس کو علی الاعلان پوری جرأت کے ساتھ بیان فرمایا۔ اور جس کو خلاف کتاب و سنت سمجھا۔ اُس کی برملا مدلل مخالفت کی لیکن شخصی حملوں سے ہمیشہ اجتناب فرمایا آپ نے اپنی ساری زندگی میں جن باطل نظریوں کی مخالفت لوجہ اللہ کی ذاتیات سے ہمیشہ محترز رہے یہی وجہ ہے کہ ہر طبقہ کے ہاں آپ قابلِ احترام تھے۔

حق گوئی میں کمال جرأت و بے باکی

حضرت ارشادِ سیدِ دو عالم صلی اللہ علیہ کے مطابق افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر پر پوری قوت سے عامل تھے۔ اِس حق گوئی کا آج ہم تصور بھی نہیں کر سکتے جس کا اعلان حضرتؒ نے اس زمانے میں انگریز جیسی جابر قوم کے مقابلے میں فرمایا۔ جب کہ قوم کے نوجوان انگریزی اقتدار کے لئے قربانی دے رہے تھے۔ اور ہمارے سکولوں میں خدا سلامت رکھے شہنشاہ جارج پنجم کو کے ترانے گائے جاتے تھے مگر یہ مردِ حق آگاہ سر بکف ہو کر ہر ممکن طریقے سے اسلام کی سربلندی کے لئے سرگرمِ عمل تھا۔ رحمۃ اللہ علیہ آپ نے ہر معاملہ میں کتاب و سنت کی روشنی میں حق بات بیان فرمائی اور اس جہاد میں ہمیشہ عواقب سے بے نیاز رہے۔ ایک واقعہ اس ضمن میں شہادت کے طور پر درج ہے۔

خاکسار تحریک کے عروج کے زمانہ میں۔ بزمانہ جنگ ۱۹۳۹ء جب حکومتِ وقت نے بعض مصالح کی بنا پر بعض علماء سے بانی تحریک خاکسار جماعت کے خلاف تکفیر کا فتویٰ حاصل کیا۔ تو اُس کی تکمیل کے لئے اس وقت کے وزیر اعظم نے حضرتؒ کو چائے پر بلایا اور چائے پیش کرتے ہوئے یہ فتویٰ دستخط کے لئے حضرت کے سامنے رکھ دیا۔ حضرت اگرچہ بانی تحریک کے تحریر کردہ عقائد کے بارے میں جملہ علماء اسلام سے متفق تھے۔ مگر عام خاکساروں جو صرف عسکری افادیت کے پیشِ نظر شریک جماعت تھے) ان کی تکفیر کے لئے تیار نہ تھے۔ حضرت نے چائے پینے سے انکار فرما دیا اور یہ ارشاد فرما کر واپس تشریف لے آئے۔ "وزیر اعظم ہوش میں آؤ۔ تم چائے کی ایک پیالی پر احمد علی کا ایمان خریدنا چاہتے ہو۔"

چنانچہ اس کی پاداش میں حضرت کے گھر پہنچنے سے پہلے حضرت کے وارنٹ گرفتاری پہنچ چکے تھے۔ اور آپ کو خلاف تحریک کی حمایت کا الزام لگا کر جیل میں ڈال دیا۔

اتباعِ سُنّت زندگی کے ہر شعبے میں

سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جیسا بھی کھانا پیش کیا جاتا حضور کھا لیتے۔ آپ نے کبھی نمک کی کمی یا زیادتی یا اس کے گرم اور سرد ہونے کی پرواہ نہیں فرمائی یہی حال اتباعِ سُنّت میں حضرتؒ کا تھا حضرتؒ کی عادت تھی کہ کھانا چاہے پسند ہو یا نہ ہو کبھی نقص نہیں نکالتے تھے۔ ایک بار حضرتؒ کھانا کھانے بیٹھے تو نمک کی زیادتی کی وجہ سے سالن کڑوا ہو گیا تھا۔ آپ نے رغبت کر کے کھایا مگر اپنی اہلیہ سے تذکرہ تک نہ کیا۔ دراصل آپ کی اہلیہ نے نمک کی دو ڈلی ہنڈیا میں ڈالی تھی وہ انہیں نکالنی یاد نہ رہی جب بعد میں انہوں نے سالن چکھا تو اس بات کا احساس ہوا۔

آپ کی غذا اوائل عمر سے لے کر آخری لمحات تک سادہ رہی کبھی انواع و اقسام کے کھانوں کا اہتمام نہ کیا گیا۔ بلکہ آخری ایام میں تو آپ نے کھانا ترک کر دیا تھا۔ وقتاً فوقتاً چائے پی لیا کرتے تھے۔ حضرتؒ طعام میں صرف اس کی حلت اور حرمت کا خیال فرماتے تھے اور یہی شرط سب سے زیادہ ضروری اور واجب العمل تھی۔

اکثر اکابر علماء دیوبند کھدر پوش ہیں۔ ملکی صنعت کی ترقی ہمیشہ ان کے ہاں معمول رہی شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہٗ العزیز تو اس معاملے میں اس حد تک پابند تھے کہ آپ اس میت کی نماز جنازہ نہ پڑھاتے تھے جس کا کفن ولایتی کپڑے کا ہوتا یہی شان حضرتؒ کی تھی۔

کمال سادگی

آپ حضر و سفر میں نہایت ہی سادہ اور بے تکلف زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک دفعہ نواب بہاول پور کی دعوت پر بہاول پور تشریف لے گئے۔ نواب صاحب کی طرف سے استقبال کے لئے ریلوے اسٹیشن پر وزیر اعظم صاحب اور دوسرے خدام حاضر ہوئے۔ حضرت جب

پلیٹ فارم پر تشریف لے آئے۔ تو آپ کے ہاتھ میں چمڑے کا ایک مصلیٰ تھا جس کے ساتھ ایک جیب سا لگا ہوا تھا۔ اس میں بعض ضروری اشیا رکھ لیا کرتے تھے۔ وزیر صاحب نے حضرتؒ سے استفسار کیا کہ سامان اور خدام کس ڈبے میں ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا:-

"میرا سامان صرف یہی ہے جو میرے ہاتھ میں ہے۔ خادم وغیرہ کوئی ساتھ نہیں چنانچہ اسی سادگی میں تشریف لے گئے۔"

آپؒ نے گرمیوں میں ابتداءِ عمر سے لے کر وفات تک کھدر کا لباس استعمال کیا۔ آپ ہمیشہ کھدر کی لمبی قمیض، شرعی مغلئی ٹانپ کا پاجامہ، اور کھدر کی ٹوپی پر کھدر کی پگڑی استعمال کرتے تھے۔ پاؤں میں سُرخ جوتی ہوتی تھی۔

سردیوں میں گرم کپڑے کی لمبی قمیض، گرم واسکٹ اور اس پر روئی کا لمبا کوٹ دھیا کہ بنجارا کے علاء استعمال کرتے ہیں، پہنا کرتے تھے۔ پیروں میں گرم جرابیں ہوتی تھیں جن پر شدید سردی کے موسم میں چمڑا چڑھا لیا کرتے تھے۔

استغنا

جنابِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علماءِ اسلام کا مقام اور اُن کا فرضِ منصبی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

العلماء ورثة الانبياء وان الانبياء لم يورثوا درهما ولا دينارا
وانما ورثوا العلم فمن اخذه اخذ بحظ وافر

اس لئے علماءِ حق مخلوق سے پوری طرح غنی اور بے پرواہ رہے ہیں۔ انہوں نے امراء کے درِ دولت پر کبھی بھی ہاتھ نہیں پھیلایا۔ حضرت گنگوہیؒ فرماتے تھے "بخدا امراء سے دل گھبراتا ہے"۔ اور انہیں کا ارشاد ہے کہ "فقرِ اختیاری، انبیاء علیہم السلام کا خاصہ ہے۔"

حضرتؒ اِس مقام میں بھی اُونچی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ نے ابتدائی زمانہ اِس قدر تنگی اور عسرت میں گذارا کہ اپنے شیخ کی خدمت میں بھی کبھی کچھ پیش نہ کر سکے۔ کئی کئی دن فاقہ رہتا مگر غناءِ نفس کا یہ عالم رہا کہ بڑے بڑے شاہوں اور رئیسوں کو نصیب نہیں ہوا، اور یہی حال آخر تک رہا۔

حضرتؒ کا معمول تھا کہ آپ کبھی کسی سے کوئی چیز یا رقم بطور نذرانہ نہ لیا کرتے تھے۔ آپ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں اکثر امراء کے نکاح پڑھائے مگر نہ تو دعوتِ ولیمہ میں شرکت فرمائی اور نہ کوئی ہدیہ وغیرہ وصول کیا۔ ایسی مجالس میں شرکت کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ:-

"دنیاوی لحاظ سے بڑے لوگ چاہتے ہیں کہ وہ اپنے لڑکے اور لڑکیوں کا نکاح پڑھوانے کے لئے بڑے مولویوں کو بلائیں۔ لہٰذا مجھے بھی کچھ لوگ بڑا مولوی سمجھ کر اس قسم کی دعوت دے دیتے ہیں۔ میں مسنون سمجھ کر قبول کر لیتا ہوں۔ مقصد کوئی کھانا پینا یا کچھ لینا نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ شرط لگا کر

جاتے کریں کوئی نذرانہ وصول نہیں کروں گا۔ البتہ آپ سے پانچ منٹ لوں گا جس میں سارے اسلام کا خلاصہ بیان فرما دیتے۔

ایسے واقعات میں سے چند مشہور واقعات درج ذیل ہیں:۔

نواب مظفر خان مرحوم کی بیٹی کی شادی تھی۔ انہوں نے حضرتؒ سے درخواست کی کہ نکاح آپ پڑھیں۔ حضرتؒ نے قبول فرما لیا۔ سر سکندر حیات لڑکی کے ماموں تھے۔ حکومت کے بڑے بڑے عہدیدار اس تقریب میں شریک تھے۔ جو مہمان محفل میں آتا تو اُس کی آمد پر سب لوگ کھڑے ہو جاتے حضرتؒ بیٹھے رہتے۔ البتہ ایک باریش بزرگ نواب محمد حیات قریشی آئے تو آپ کھڑے ہو گئے۔ نکاح کی رسم ادا ہوئی حضرتؒ نے خطبہ پڑھا اور دعا کی۔ سر سکندر حیات مرحوم نے ایک قیمتی دوشالے کے کنارے پر ایک سو ایک روپیہ رکھ کر حضرتؒ کی خدمت میں پیش کیا۔ مگر حضرتؒ نے انکار کر دیا۔ آپ کھانے میں بھی شریک نہیں ہوئے۔

اس کے علاوہ متعدد شرفاء اور امراء کی مجالس نکاح میں حضرتؒ کا یہی طرز عمل رہا ختے کہ گورنر مغربی پاکستان نواب کالاباغ کے صاحبزادے کی تقریب نکاح کے بعد اسی معمول کے مطابق واپس تشریف لائے۔

نواب مظفر خان مرحوم کی اہلیہ کو خواب میں ہدایت ملی کہ وہ آپ سے دلائل الخیرات کی اجازت لیں۔ حضرت نے نواب صاحب کی درخواست پر اُن کی اہلیہ کو بیعت فرمایا۔ دلائل اور اجازت دے دی۔ مگر اس قدر روحانی تعلق اور اُن کے بے حد اصرار کے باوجود ان کے ہاں بھی کبھی کھانا نہیں کھایا حتے کہ ایک مرتبہ انجمن حمایت اسلام کے سالانہ اجلاس کی شرکت کے لئے نواب حبیب الرحمٰن شیروانی تشریف لائے تو نواب مظفر خان صاحب نے نواب حبیب الرحمٰن شیروانی سے سفارش کروا دی۔ حضرت نے منظور تو فرمایا مگر جب گھر تشریف لاتے تو یاد آیا کہ اسی وقت کی دعوت نوش فرما

کے ایک بڑھئی کی منظور فرما چکے ہیں۔ آپ نے معذرت کا رقعہ بھیج دیا اور اس طرح اس دعوت طعام سے علیحدہ رہے۔

حضرتؒ نے کسی کانفرنس یا جلسے میں شرکت کے لئے کبھی کوئی رقم قبول نہیں کی۔ مدارس عربیہ کے جلسوں میں شرکت کے لئے جب تشریف لے جاتے تو کرایہ اپنا ادا کرتے۔ اگر کرایہ نہ ہوتا تو شرکت ہی نہ فرماتے۔ البتہ اپنی جماعت کی استدعا پر کسی جلسے میں شرکت کے لئے تشریف لے جاتے، تو اس کے لئے بھی ان کی دل جوئی کرتے ہوئے بعض اوقات صرف کرایہ ہی لیتے باقی تمام رقم منتظمین کے حوالے کر دیتے۔ ۱۹۶۰ء میں آپ ایبٹ آباد تشریف لائے تو سب سے پہلے منتظمین جلسہ کو کرایہ میں سے بچی ہوئی رقم واپس کی اور فرمایا "میں یہاں اللہ کا نام سکھانے آیا ہوں"!

ایک بار حضرتؒ کو نواب محمد حیات قریشی سرگودھا نے اپنے علاقے میں تبلیغ کے لیے دعوت دی۔ آپ نے فرمایا "اس شرط پر قبول کروں گا کہ میرے قیام اور طعام کا آپ فکر نہ کریں"۔ نواب صاحب کے کہا رہائش کے لئے تو ہمارے ہاں مسجد ہے۔ مگر ہمارے گاؤں میں ہوٹل کوئی نہیں جہاں سے آپ کھانا کھا سکیں۔ مگر حضرتؒ نے فرمایا کہ آپ اس سے بے فکر رہیں۔ آخر اسی صورت میں آپ نے ہاں قیام فرمایا کہ رات مسجد میں قیام فرماتے اور کھانے کے لئے جو خشک روٹیاں گھر سے لے گئے تھے وہ تناول فرماتے اور کنوئیں کا پانی پی لیتے۔

ایک بار حضرتؒ سوات کے علاقے میں تبلیغ کرنے کے لئے گئے۔ اور وہاں کے لوگوں سے شرط کی کہ "تمہارے ہاں کچھ نہیں کھاؤں گا"۔ چنانچہ اپنے دستور کے مطابق میٹھی روٹیاں پکوا کر ساتھ لے گئے۔ مگر اتفاقاً ڈاڑھوں میں درد شروع ہو گیا اور وہ روٹی نہ کھا سکے۔ اس لئے آٹھ دن تک صرف دو پیسے کے ٹماٹر لے کر کھاتے رہے۔

ایک بار حضرتؒ بہاولپور کے دورۂ تبلیغ پر گئے۔ قصبہ قصبہ تبلیغ کی لیکن باوجود امراء کے

کہیں کھانا نہیں کھایا۔ جبکہ زیادہ تر ساتھ تھیلے میں سے بھنے ہوئے چنے تھوڑے سے گڑ کے ساتھ کھا لیتے اور پانی پی کر اگلے گاؤں چل دیتے۔ بعض جگہ لوگ روپوں کی تھیلیاں پیش کرتے لیکن حضرتؒ لینے سے انکار کر دیتے۔

انجمن خدام الدین کی ساری مطبوعات حضرتؒ کی ذہنی کاوش کا نتیجہ ہیں۔ مگر آپ نے اُن کی فروخت سے کبھی ایک پائی تک نہ لی۔ کس قدر مقام بلند کے مالک تھے۔ آپ اپنے اور اپنے اعزہ کے لئے ہفتہ وار خدام الدین کا پرچہ بھی مفت نہیں قیمت ادا کر کے لیا کرتے تھے۔

حضرتؒ کے ایک مخلص نے ایک مرتبہ ایک نئی کار حضرت کی خدمت میں پیش کرتے ہوتے یہ عرض کیا کہ موٹر کا ڈرائیور، مرمت، پٹرول وغیرہ کے تمام مصارف میں ادا کرتا رہوں گا۔ مگر حضرتؒ نے اپنی شان استغناء کو برقرار رکھتے ہوئے قبول کرنے سے انکار فرما دیا۔

کشف و کرامت

جب ذکرُ اللہ اور اتباعِ سنت پر مواظبت سے دل کو نورانیت حاصل ہو جاتی ہے تو اس کو وہ رازہائے سربستہ معلوم ہو جاتے ہیں جو دوسروں کو معلوم نہیں ہوتے۔ اسی کا نام کشف ہے۔ اور جب اس قوت کو کام میں لا کر تاریک اور زنگ آلود دلوں کی صفائی باذنِ اللہ کی جاتی ہے تو اس کو تصرّف کہا جاتا ہے۔

کشف کی کئی قسمیں ہیں۔ ان میں کشفُ القلوب اور کشفُ القبور دو مشہور قسمیں ہیں حضرتؒ ہر دو صفات سے متصف تھے۔ آپ کے چند کشف درج ذیل ہیں۔

کشفِ قلوب ایک دفعہ حضرتؒ نے کسی کے ہاں کھانے کی دعوت قبول فرمائی۔ مزاج اقدس کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے چیزیں پکوائی گئیں حضرتؒ تلی ہوئی مچھلی بہت سے کھاتے تھے۔

کھانے کے بعد پھل کے ساتھ چلغوزے کی گریاں بھی رکھی گئیں اور حضرتؒ نے ان سے زیادہ شوق فرمایا۔ صاحبِ خانہ نے استفسار کیا کہ حضرتؒ کیا بات ہے دوسری چیزوں کی نسبت آپ کو چلغوزے بہت پسند آئے؟ آپ نے فرمایا "ان میں نورانیت زیادہ دکھائی دی" یہ گریاں صاحبِ خانہ کی چھوٹی بچی نے نفل ادا کرنے کے بعد ذکر میں مشغول ہو کر نکالی تھیں۔

صدر جمعیۃ علماء سرحد مولانا سید گل بادشاہ صاحب اوسی ہیں کہ میں نے پشاور کے ایک تعلیم یافتہ نوجوان کو حضرتؒ کے نام خط دیا کہ اس کو بیعت فرمائیں۔ وہ نوجوان حاضر ہو تو جیسے

دن حضرتؒ نے اُس کو بیعت کیا۔

کچھ عرصہ بعد بر سبیلِ تذکرہ حضرتؒ نے مجھ سے فرمایا کہ پہلے دن میں نے اُس نوجوان کے قلب کی طرف توجہ کی تو اُس کو ناموافق پایا۔ اس لئے میں نے انکار کر دیا۔ دوسرے دن وہ آیا تو میں نے پھر انکار کر دیا۔ تیسرے دن آیا تو میں نے اُس کے قلب کو موافق پایا اور اس کو بیعت کر لیا۔

ایک دفعہ حضرتؒ کہیں سفر پر جا رہے تھے جب لاہور اسٹیشن کے پُل پر سے گذرے۔ تو چند لمحوں کے لیے کھڑے ہو گئے۔ ایک جانب کوئی خستہ حال بھکاری سو رہا تھا اور دوسری طرف ایک مفلوک الحال بھکارن لیٹی ہوئی تھی۔ حضرتؒ نے مصاحبین سے فرمایا کہ یہ عورت بہت بلند درجہ رکھتی ہے اور یہ آدمی ذکرِ قلبی میں فنا ہے۔ پر کون اِن کو جانتا ہے۔

ایک دفعہ آپ حج بیت اللہ کے ارادے سے کراچی پہنچے تو وہاں بنک کے ایک بہت بڑے عہدے دار نے حضرت کو چائے کے لیے مجبور کیا۔ حضرتؒ عموماً کسی کی دعوت قبول نہیں فرمایا کرتے تھے۔ لیکن آپ نے اُن کی دعوت قبول فرمائی۔

ظہر کے بعد جب آپ اُن صاحب کے گھر تشریف لے گئے تو چائے آئی۔ حضرتؒ نے فرمایا، میری چائے میں دُودھ نہ ڈالنا۔ صاحبِ خانہ نے عرض کیا کہ حضرتؒ یہ سب چیزیں میری کمائی کی ہیں اور دودھ بھی گھر کی بھینس کا ہے۔ اُنھوں نے بہت اصرار کیا تو حضرتؒ نے فرمایا کہ بھینس تو تمھاری ہے مگر چپڑاسی تمہارا ملازم نہیں، بنک کا ملازم ہے۔ وہ تمہاری بھینس کو چارہ ڈالتا ہے۔ صاحبِ خانہ چُپ رہ گئے اور حضرت نے بغیر دُودھ کے چائے پی۔

ایک دن حضرتؒ صبح ہی صبح گھر سے کہیں باہر تشریف لے گئے۔ آپ کی غیر موجودگی میں آپ کا ایک مُرید سرگودھا سے مالٹوں کا ایک ٹوکرا لے کر آیا۔ اُس نے ٹوکرا دروازے پر رکھ دیا اور حضرتؒ کے متعلق دریافت کیا۔ جواب ملا کہ باہر گئے ہوئے ہیں، ظہر کے وقت آئیں گے۔ اُس شخص نے ٹوکرا گھر

میں رکھوا دیا اور خود مسجد میں جا کر بیٹھ گیا۔

حضرتؒ تشریف لائے تو پوچھا کہ یہ ٹوکرا کیسا ہے؟ جواب ملا ایک شخص لایا تھا جو مسجد میں بیٹھا ہے۔ حضرتؒ سیدھے مسجد تشریف لے گئے۔ اُس شخص نے اٹھ کر سلام کیا۔ آپ نے جواب دیا اور کہا۔ "یہ حرام میرے لیے لائے ہو۔ اس کو اور کوئی کھانے والا نہیں تھا؟"

وہ شخص پریشان ہو کر بولا "حضرت یہ حرام کا مال نہیں میں اپنے باغ سے توڑ کر لایا ہوں۔" حضرتؒ نے فرمایا "لائے تو اپنے باغ سے ہی ہو۔ مگر تمہیں یاد ہے کہ ایک دفعہ پانی کی باری کسی اور باغ والے کی تھی لیکن تم نے چوری چھپے اپنے باغ کو پانی دے لیا تھا۔ کیا اس کے بعد بھی یہ مال حلال ہے؟" وہ شخص خاموش ہو گیا اور عرض کی "حضرتؒ آپ درست فرماتے ہیں۔"

ایک دفعہ ایک شخص بیعت کے لیے آیا۔ تین دن تک رہا اور درخواست کرتا رہا۔ مگر حضرتؒ انکار فرماتے رہے۔ آخر اُس نے ایک روز چلا کر کہا جو آتا ہے اُسے بیعت کر لیا جاتا ہے مگر مجھے محروم کر دیا جاتا ہے۔ کیا یہی طریقہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا؟" اس پر حضرتؒ اسے اندر لے گئے! اور اس سے پوچھا کہ سچ بتاؤ تم کس لیے بیعت ہوتے ہو۔ اس نے عرض کیا حضرتؒ میں ایک آدمی سے رشتہ مانگتا ہوں۔ مگر وہ لوگ سب کے سب حضرتؒ کے مرید ہیں۔ ان کا اصرار ہے کہ میں حضرتؒ کا مرید ہو جاؤں۔ اس پر حضرتؒ نے فرمایا۔

"کہ میں نے بار بار تیرے دل کی توجہ کی۔ مگر اس کو انکار کرتا ہوا پایا اور دنیا میں اگر اندھا ہوتا تو بیعت کر لیتا۔"

تحریک ختم نبوت کے دوران مولانا محمد علی صاحب اور دیگر اکابر علماء ملتان جیل میں نظر بند تھے۔ جہاں حضرت امام الاولیاء بھی نظر بند تھے۔ مولانا محمد علی نے ایک دن اپنی پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ جب میں آیا تو میرا اکلوتا بیٹا بیمار تھا۔ ابھی تک اس کی کوئی اطلاع نہیں آئی معلوم ہوتا

ہے وُہ رحلت کرچکا ہے بلکہ میری پریشانی میں اضافہ کرتے ہوئے گھر والوں نے مجھے اطلاع نہیں دی۔ جب سب حضرات اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تو حضرتؒ نے مولانا محمد علی صاحب کے کمرے میں جاکر فرمایا۔ صاحبزادہ بفضلہ تعالیٰ درست ہے چونکہ آپ کے گھر والے باہر گئے ہوئے ہیں، اس لیے ابھی تک آپ کو اطلاع نہیں دی گئی۔ دو چار دنوں تک آپ کو خط آجائے گا چنانچہ چند دنوں کے بعد مولانا محمد علی صاحب کو گھر سے اسی مضمون کا خط آگیا۔

مولانا حبیب اللہ صاحب راوی ہیں کہ ایک دفعہ سفرِ حجاز میں جب حضرتؒ مدینہ تشریف لائے اور میں بھی ساتھ تھا تو راہ چلتے چلتے حضرت نے نقوشِ پا دیکھ کر فرمایا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ نقشِ پا کسی ایماندار کے نہیں ہیں۔ بعد ازاں تحقیق پر معلوم ہوا کہ وہ واقعی ایک گمراہ اور بدعقیدہ انسان تھا جو دُوسرے ملک سے مدینہ منورہ کسی غرض کے لیے آیا تھا۔

اجنیانوالہ کے چوہدری عمر خان میواتی برادری کے سربراہ ہیں۔ وہ حضرتؒ کے اور آپ کے مسلک کے سخت مخالف تھے۔ ایک دفعہ ڈاکٹر حافظ حسین صاحب نظر کے ہمراہ محض آزمائشی طور پر حاضر ہوئے اور یہ کہا کہ اگر حضرتؒ نے میرے دل کے شکوک و شبہات دُور کر دیئے تو میں توبہ کرلوں گا اور حضرتؒ کی بیعت کرلوں گا۔ اس کے آتے ہی حضرتؒ نے از خود ایسی باتیں ارشاد فرمائیں جن سے ان کے شبہات دُور ہوگئے اور وہ حضرتؒ کے مرید ہو کر اس قدر گرویدہ ہوگئے کہ ساری برادری کو ان کی بدولت حضرتؒ کی بیعت کا شرف حاصل ہوا۔

حضرتؒ کا کشف اس قدر صحیح ہوتا تھا کہ آپ فرمایا کرتے تھے اگر ایک آدمی غسل خانہ میں غسل کر رہا ہو تو میں اس کے بدن کا مل مستعمل (بدن سے اترا ہوا پانی) دیکھ کر یہ بتا سکتا ہوں کہ یہ غسل کرنے والا مقرب بارگاہِ الٰہی ہے یا راندہ درگاہِ خداوندی ہے۔

کشفِ قبور ہائیکورٹ کے ایک ایڈووکیٹ نے بتایا کہ حضرتؒ نے کراچی میں کسی جگہ کے

گودام سے ایک انبار کے نیچے سے ہڈیاں نکلوائیں اور انہیں باقاعدہ دفن کروایا۔ پھر فرمایا کہ یہ ایک ولی اللہ کی ہڈیاں ہیں۔

ایک بار حضرتؒ ایک گاؤں میں تشریف لے گئے۔ اس گاؤں میں حضرتؒ کی ایک خادمہ رہتی تھی جو اس وقت فوت ہو چکی تھی حضرتؒ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا "اس پر اللہ کی رحمتیں نازل ہو رہی ہیں مجھے کہتی ہے" ابا جان! آپ کے صدقے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا ہے"

ایک بار حضرتؒ ریل گاڑی میں کہیں جا رہے تھے ریلوے لائن سے دور ایک قبر نظر آئی حضرتؒ فرمانے لگے "اس قبر کے مکین بڑے اللہ والے ہیں" حالانکہ وہ قبر بالکل خستہ تھی۔

ایک دفعہ آپ ایک قبرستان سے گذر رہے تھے تین قبریں برابر برابر تھیں۔ ارشاد فرمایا "تینوں نیک آدمی ہیں لیکن درمیان والے کا درجہ بلند ہے۔ اس کا عقیدہ توحید میں بہت پختہ ہے"

حضرتؒ کی ایک خادمہ مرتے وقت اپنے متعلقین کو تاکید کر گئی کہ جب حضرتؒ اس گاؤں میں تشریف لائیں تو آپ کو میری قبر پر ضرور لانا۔ حضرتؒ وہاں تشریف لے گئے تو ایک شخص آپ کو قبرستان لے گیا۔ ایک جگہ تین قبریں تھیں۔ اُس شخص کا خیال تھا کہ ان میں سے ایک قبر اُس کی ہے۔ مگر حضرتؒ نے دیکھ کر فرمایا "ان قبروں میں سے کوئی قبر اس لڑکی کی نہیں" حضرتؒ کو جلدی واپس جانا تھا آپ تشریف لے گئے۔ دوسرے دن وہی شخص لڑکی کے وارثوں میں سے ایک آدمی کو لے کر قبرستان آیا تو واقعی لڑکی کی قبر دوسری جگہ نکلی۔

حضرتؒ تبلیغ کے سلسلے میں دسوہ چک تحصیل شکر گڑھ تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک مقبرہ نظر آیا۔ حضرتؒ کا تانگہ مقبرے کے پاس سے گذرا تو آپ نے فرمایا "یہ کسی کی قبر ہے مگر اس میں میت نہیں، خالی ہے" دسوہ چک پہنچ کر آپ کے مصاحبین نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ واقعی اس مقبرے میں کوئی دفن نہیں۔ اس جگہ ایک پرستی فقیر کا قیام تھا۔ وہ لائل پور

کے کسی گاؤں میں جا کر فوت ہو گیا اور وہیں دفن کر دیا گیا۔ اُس کے چیلوں نے یہاں (قبر بنا کر عمارت کھڑی کر دی اور اب ہر سال بڑی دھوم دھام سے اس کا عرس مناتے ہیں۔

مولانا سید گل بادشاہ صاحب کا بیان ہے کہ میں نے ڈیرہ اسمٰعیل خان میں حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی اور مولانا عبدالحنان صاحب (راولپنڈی) کی موجودگی میں حضرتؒ سے پوچھا "آپ حضرت اسمٰعیل شہیدؒ اور سید احمد بریلویؒ کے مزارات پر تشریف لے گئے تھے۔ مولانا عبدالحنان صاحب فرماتے ہیں کہ وہاں حضرتؒ کو کشفاً کچھ باتیں معلوم ہوئی تھیں؟"

حضرتؒ نے فرمایا "وہاں میں نے مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ کے مزار پر مراقبہ کیا تو واقعی انہیں کا مزار تھا لیکن جب سید احمد بریلوی کی قبر پر مراقبہ کیا تو صاحب قبر نے بتایا کہ میں سید احمد بریلوی نہیں ہوں۔ لوگ غلطی سے مجھے سید احمد صاحب بریلوی سمجھتے ہیں اپنا نام سید احمد اس نے بتایا۔"

ایک دفعہ حضرتؒ نے بتایا "مجھے شاہی قلعہ لاہور کی غربی دیوار کے پاس ایک خاص قسم کی خوشبو آتی ہے۔ وہاں میں ایک ولی کو مدفون پاتا ہوں۔ مجھے اُن کے سر اور پاؤں کا بھی علم ہے۔ میں باطن کی آنکھ سے دیکھ چکا ہوں مگر بتاتا اس لیے نہیں کہ لوگ سجدہ گاہ بنا لیں گے۔"

حضرتؒ کی ایک مریدہ کے دو بیٹے فوت ہو چکے تھے۔ اُس نے حضرت سے دونوں بیٹوں کی قبروں کا حال پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ایک بیٹا جنتی ہے اور دوسرا عذاب میں مبتلا ہے۔ اِس پر اُس عورت نے کہا واقعی جنتی بیٹا شہادت کی موت سے مرا ہے اور دوسرے نے خودکشی کی تھی۔

انگلستان میں تعلیم پانے والے ایک پاکستانی طالب علم کی موت پر حضرتؒ نے اس کی والدہ سے فرمایا کہ وہ عذاب میں مبتلا ہے۔ اس وقت تو اس کی والدہ بڑی متفکر ہوئی۔ مگر چند دنوں کے بعد جب وہاں سے اس کالج کے پرنسپل کا تفصیلی خط آیا تو اُس میں درج تھا کہ

"وہ لڑکا باغ میں مُردہ پایا گیا اور اس کی لاش کے پاس زہر کی خالی شیشی پڑی تھی جو کھا کر

اُس نے خودکشی کی تھی"

کرامات

اولیاء راہست قدرت از الٰہ - تیر جستہ راگرداند ز راہ

کرامات اُس خرقِ عادت کا نام ہے جو تابعِ سُنّت، کامل التقویٰ مومن سے صادر ہو۔ اور کرامات بعد از موت بھی باقی رہتی ہیں۔ حضرت حاجی امداد اللہ نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں: "تصرفات و کراماتِ اولیاء اللہ بعد ممات بحال خود باقی مے ماند۔ بلکہ در ولایت بعد موت ترقی مے شود۔ حدیثے کہ ابنِ عبداللہ نقل کردہ شاہد است۔"

حضرتؒ کی کرامات بہت ہیں۔ سب سے بڑی کرامت تو یہ ہے کہ جب آپ لاہور تشریف لائے تو یہاں گنتی کے چند لوگوں کے سوا حضرتؒ کا کوئی واقف نہ تھا اور جب رخصت ہوئے تو تقریباً دو لاکھ انسانوں نے جنازہ میں شرکت کو سعادت سمجھا۔ لاہور کی تاریخ میں چشمِ فلک نے ایسا عظیم الشان جنازہ مشکل ہی سے دیکھا ہوگا۔

علمِ سلوک کا مسئلہ ہے کہ کرامت یا اس کا عدم دلیل بزرگی نہیں۔ بعض اولیاء اللہ ایسے ہیں کہ اُن سے کوئی کرامت منقول نہیں مگر پھر بھی وہ اپنے زمانے کے ولی کامل گذرے ہیں۔ اس لیے یہ ضروری نہیں کہ ولی کو اپنی کرامت یا ولایت کا علم بھی ہو۔ ایک شخص اپنے زمانے کا بہت بڑا ولی ہوتا ہے۔ مگر ہو سکتا ہے کہ اُس کو اس کا علم نہ ہو۔ اسی وجہ سے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ الاستقامۃ فوق الکرامۃ۔ حضرتؒ نے اس موضوع پر کئی دفعہ وعظ بھی فرمایا جس کا عنوان تھا اُطلبُوا الاستقامۃ ولا تطلبُوا الکرامۃ۔ حضرتؒ کی چند حسی کرامات کا تبرکاً ذکر کیا جاتا ہے۔

مولانا قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی فرماتے ہیں: "میرا بازو ٹوٹ گیا۔ ڈاکٹر امیر الدین جیسے سرجن نے کہہ دیا تھا کہ بغیر آپریشن کے درست نہیں ہو سکے گا۔ میں نے حضرتؒ سے ملتان جیل میں ذکر کیا تو حضرتؒ نے اپنا ہاتھ پھیرا اور دم کر دیا۔ صبح اٹھا تو بازو بالکل ٹھیک تھا اور اب تک ٹھیک ہے۔"

سنہ ۱۹۴۳ء کا ذکر ہے۔ لاہور کے محلہ خضری گلی کے ایک شخص کی لڑکی تین چار سال سے موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھی۔ لاکھ دوائیں کیں مگر کوئی کارگر نہ ہوئی۔ ایک دن اچانک حالت غیر ہو گئی اور اس کی زندگی کی طرف سے سب مایوس ہو گئے۔ کسی شخص نے لڑکی کے متعلقین سے کہا کہ حضرت سے رجوع کریں۔ وہ لوگ حضرتؒ کو لے آئے۔ آپ نے آتے ہی لڑکی کے چہرے پر نظر ڈالی۔ اور کلام الٰہی کی آیات پڑھ کر اس پر دم کیں گھر کے کسی فرد نے آپ سے دریافت کیا: "حضور لڑکی کو کیا عذر ہے ؟ آپ نے فرمایا: "آپ لوگ خدائے لم یزل پر یقین رکھیں۔ وہ ضرور اپنا فضل و کرم فرمائیں گے۔"

سبحان اللہ! ایسا ہی ہوا۔ اُس ارحم الراحمین کی مہربانی سے لڑکی چند ہی دنوں میں صحت یاب ہو گئی۔

حضرتؒ کے دو مریدوں پر عدالت میں مقدمے چل رہے تھے۔ دونوں حضرتؒ کی خدمت میں دُعا کے لیے حاضر ہوئے۔

ایک مُرید نے کہا: "حضرت کل مقدمے کا فیصلہ ہے دعا فرمائیں۔" حضرتؒ نے فرمایا: "اچھا اللہ رحم کرے۔"

دُوسرے نے بھی عرض کیا: "حضرتؒ میرا بھی کل فیصلہ ہے۔ دعا کریں۔" حضرتؒ نے فرمایا "اللہ تعالےٰ استقامت دے۔"

دُوسرے دن جب پہلا شخص عدالت میں پہنچا تو جج نے اُسے بری کر دیا اور دُوسرے کو ایک سال کی سزا ہوئی۔

سنہ ۱۹۵۳ء میں ختم نبوت کے سلسلے میں دیگر اسیروں کے ساتھ ملتان کی سنٹرل جیل میں قید تھے۔ آٹھ اپریل کو آپ نے اپنے احباب سے دوران گفتگو فرمایا۔ ۔

غنیمت شمر صحبتِ دوستاں ۔ کہ گُل پنج روز است در بوستاں

ٹھیک پانچ روز بعد ۱۳ اپریل کو حضرتؒ کی منتقلی کے احکام آگئے اور آپ کو سنٹرل جیل سے ڈسٹرکٹ جیل میں منتقل کر دیا گیا۔

اکتوبر ۱۹۵۹ء کا واقعہ ہے۔ سزائے موت کے ایک قیدی نے حضرتؒ سے ملنے کی خواہش کی۔ حضرتؒ دلداری کے لیے اُس کی کوٹھڑی تک گئے۔ سپرنٹنڈنٹ جیل بھی ساتھ تھا۔ قیدی نے دعا کی التجا کی۔ آپ نے اسی وقت ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آسکتی تھی کہ یہ قیدی موت کے پھندے سے بچ سکتا ہے۔ اس بدنصیب کی سب اپیلیں خارج ہو چکی تھیں اور سزائے موت کی تاریخ کا انتظار تھا۔ مگر ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۹ء کو گورنمنٹ نے یوم انقلاب کی خوشی میں تمام پھانسی والوں کی سزائیں معاف کر دیں۔

جناب لال دین صاحب بکرالی ماسٹر سوہدرہ فرماتے ہیں: "نومبر ۶۱ء میں، میں نے ملک کرامت اللہ صاحب انور سے حج بدل کے تصفیہ کے بعد حضرتؒ کو ایک عریضہ اجازت کے لیے لکھا۔ آپ نے بجائے اجازت کے حج کی خوشخبری سے مسرور فرمایا۔

میں نے حج کے لیے درخواست دے دی۔ مگر ۹ فروری ۶۲ء کو اعلان ہوا کہ اس سال حج بدل کی درخواستوں کو محفوظ کر لیا گیا ہے۔ اگلے سال قرعہ اندازی ہوگی۔ میں مایوس نہ ہوا۔ کیونکہ حضرتؒ کی پیش گوئی پر پورا یقین تھا۔

چنانچہ کچھ دنوں بعد پھر اعلان ہوا کہ حج بدل کی درخواست دینے والوں میں جو لوگ درجہ اوّل کا خرچ برداشت کر سکتے ہیں وہ کمشنر لاہور کو عرضی بھیجیں۔ میں نے درخواست بھیج دی اور قرعہ اندازی میں میرا نام نکل آیا۔

محمد یونس صاحب (راولپنڈی) کا بیان ہے کہ میرا بچہ گالیاں بہت دیا کرتا تھا اور باوجود منع

کرنے کی یہ عادت نہ چھوڑتا تھا۔ ایک دفعہ میں اسے حضرتؒ کی خدمت میں لے گیا۔ حضرتؒ نے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا "بیٹا! اب گالیاں نہ دیا کرو گے؟" پھر فرمایا بیٹا! وعدہ کرو کہ پھر کبھی گالی نہ دو گے"۔ بچے نے سر ہلایا۔ اس کے بعد حضرتؒ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا "لو جی! اس نے ہمارے ساتھ وعدہ کر لیا ہے۔ انشاء اللہ آئندہ گالی نہیں دے گا"۔ چنانچہ اللہ کے فضل اور حضرتؒ کی توجہ سے اُس بچے نے آج تک گالی نہیں دی۔

سکھر کے حکیم محمد رمضان صاحب جو حضرت امروٹیؒ کی زیارت سے مشرف ہو چکے تھے۔ ایک دفعہ حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مجلس ذکر کے بعد حضرت کے گھر جاتے ہوئے یہ درخواست کی کہ حضرت مجھے خواب میں سب اولیاء اللہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے مگر حسنین کی زیارت سے تا حال محروم ہوں۔ میں سکھر سے صرف اسی لیے حاضر ہوا کہ آپ دعا فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے یہ سعادت بھی عطا فرما دے۔ حضرت مسکرا دیئے اور گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ گھر کے بیرونی دروازہ پر پہنچ کر اپنے خادم خاص مولوی محمد صابر صاحب کو ارشاد فرمایا کہ حکیم صاحب کو میرے حجرے میں میرے بستر پر سُلا دو۔ چنانچہ صابر صاحب نے تعمیل ارشاد کی مگر حکیم صاحب بجائے حضرتؒ کی چارپائی پر سونے کے حضرتؒ کی رضائی میں فرش پر سو گئے۔ حکیم صاحب فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ حضرتؒ کے ساتھ حسنین اور ہمارے حضرت لاہوری بھی ہیں۔ چارپائی پر سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہو گئے اور ان کے ساتھ حسنین بھی تشریف فرما ہو گئے۔ حضرت مولاناؒ نے حکیم صاحب سے فرمایا کہ یہ امام حسن ہیں اور یہ امام حسین ہیں۔ رضی اللہ عنہم۔

اس خواب سے بیدار ہو کر حکیم صاحب نے حضرتؒ کی بیعت کا شرف حاصل کر لیا۔

مؤلف نے حضرتؒ کا نام تو سنا تھا مگر کبھی درس قرآن مجید میں شرکت کی سعادت نصیب نہ ہوئی تھی۔ تقریباً اٹھارہ برس کی بات ہے جب مجھے معلوم ہوا کہ آپ صبح درس قرآن حکیم بھی دیتے

ہیں۔ تو قربِ مکانی کے باعث درس میں شرکت کی آرزو پیدا ہوئی۔

آخر ایک دن پسرم عبدالحی کو لے کر درس میں گیا۔ درس شروع ہو چکا تھا۔ میں چونکہ آخر میں پہنچا تھا اس لیے سب سے آخر میں ہی بیٹھنا مناسب جانا۔ جب میں بیٹھنے لگا۔ تو حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ آگے آجاؤ۔ تعمیل ارشاد کی گئی۔ اگلے دن میں پھر تاخیر سے پہنچا، اور جب آخری صف میں بیٹھنے لگا تو آپؒ نے پھر اشارے سے اپنے پاس بلا لیا۔

درس قرآن مجید میں اس امتیازی رواداری سے طبیعت بہت مکدر رہی۔ مجبوراً درس کے خاتمہ تک زچ ہو کر بیٹھ گیا اور دل میں عہد کیا کہ آئندہ یہاں کبھی نہ آؤں گا۔

درس ختم ہوا تو حضرتؒ نے مجمع عام میں فرمایا کہ میں جاہ و منصب کے مد نظر کسی کو اپنے قریب نہیں بٹھاتا۔ مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ سمجھدار لوگ میرے قریب بیٹھیں کہ ان کے دل میں بات جلد اثر کرتی ہے اور وہ دوسروں تک میرے خیالات پہنچانے کا ذریعہ بھی ہوتے ہیں۔ یہ جملہ سنتے ہی میں حضرتؒ کا قائل ہو گیا۔ اور آپؒ کی حین حیات پابندی اوقات سے حاضر درس ہوتا رہا۔

ایک موقعہ پر میں جب حضرتؒ کے درس میں شرکت کے لیے تیار ہو رہا تھا کہ میرے انگوٹھے میں بلیڈ لگ گیا جس کی وجہ سے کافی خون بہہ نکلا۔ درس میں جانے کے لیے دیر ہو رہی تھی۔ میں نے جلدی جلدی زخم کو سپرٹ سے صاف کیا جس سے کسی حد تک خون نکلنا بند ہو گیا۔ اور اس زخمی ہاتھ کو اپنی اچکن کی جیب میں ڈال کر حسب دستور حضرتؒ کے قرب میں جا بیٹھا۔ گھر سے چلتے وقت دل میں خیال آیا کہ دیکھیں حضرتؒ سپرٹ کے استعمال کی نسبت کیا فرماتے ہیں۔

اُسی وقت آپؒ تشریف لے آئے اور آتے ہی بلا استفسار فرمانے لگے۔ آپ کو معلوم ہے کہ مسجد میں کبھی کبھی بجلی بند ہو جاتی ہے لیکن میں مٹی کا تیل نہیں جلاتا کہ بو آتی ہے اسی لئے موم بتیاں منگوا رکھتا ہوں کہ بوقت ضرورت استعمال ہو سکیں۔

میں عام طور پر نماز مغرب مسجد تنیر انوالہ میں جا کر ادا کیا کرتا ہوں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مجھ پر یہ خاص کرم تھا کہ ہمیشہ صف اول میں اپنے ساتھ ہی کھڑے ہونے کا شرف فرماتے تھے۔

ایک دن جب حضرت اپنے حجرہ سے نماز مغرب کے لیے مسجد میں تشریف لا رہے تھے اور میں حضرتؒ کا منتظر تھا۔ آپ نے آتے ہی مجھ سے دریافت فرمایا کہ "آپ اس وقت فلاں وظیفہ پڑھ رہے تھے!" میں نے تعجب بھی کیا اور اثبات میں جواب دیا۔

مولانا عبدالکریم صاحب مہتمم مدرسہ نجم المدارس فرماتے ہیں کہ حضرت الاستاذ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے بیان کیا کہ ٹانک میں ہمارے ایک عزیز نے حضرت مدنیؒ سے اپنی نسبت ارادت ظاہر کرتے ہوئے حضرتؒ سے بیعت کی درخواست کی۔ اس کے جواب میں حضرتؒ نے فرمایا کہ بیعت مدنی اولیٰ کافی ہے۔ اس کے بعد آپ نے دریافت فرمایا کہ حضرت نے جو وظیفہ تبلایا تھا وہ پڑھا کرتے ہو۔ انہوں نے کہا پڑھا کرتا ہوں۔ اس پر حضرتؒ نے کچھ دیر کے لیے آنکھیں بند کر لیں اور فرمایا عزیز! جھوٹ نہ بولو تم نے وظیفہ جاری نہیں رکھا۔ تمہارا دل سویا ہوا ہے۔ سبحان اللہ۔

پیش اہل دل نگہدارید دل

یہی مولانا فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جمعیت العلماء کی مجلس عاملہ میں شرکت کے بعد جب میں نے واپسی کا ارادہ کیا۔ حضرت رحمۃ اللہ نے اپنے خلوت خانہ متصل مسجد میں بالکل علیحدگی میں دروازہ بند کر کے (صرف ایک خادم موجود تھا) نصیحت فرمائی اور جمعیت میں کام کرنے کی اہمیت واضح فرمائی۔ اس دوران میں دروازہ پر دستک ہوئی۔ حضرت نے فرمایا۔ دروازہ کھول دو۔ دیکھا کہ ایک سفید ریش رونا ہوا آیا کہ حضرت ذکر میں عجیب لذت و کیفیت ہوتی تھی۔ مگر اب کچھ وقت سے رُک گئی ہے جس کے لیے بہت پریشان ہوں۔ حضرت نے فوراً فرمایا "تم نے لوگوں سے اس کا اظہار کر دیا ہوگا۔" عرض کیا "جی ہاں!" فرمایا آئندہ ایسا نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ کیفیت واپس آجائے گی۔

مکاتیب

کسی انسان کے رجحانات ومیلانات اور افکار ونظریات کی عکاسی اس کے ذاتی خطوط کرتے ہیں جو وہ اپنی زندگی کے مختلف ادوار میں دوسروں کو لکھتا ہے۔ اس لئے سیرت کے موضوع میں مکاتیب کا مقام بہت ہی اہم ہے۔ اکابر اولیاء اللہ میں سے اکثر بزرگوں کے مکاتیب کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس سلسلے میں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے مکاتیب تا قیامت معروف اور متداول رہیں گے۔ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز کے مکاتیب بھی چار جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں حضرتؒ کا حلقہ عقیدتمنداں اس قدر وسیع تھا کہ اس میں علماء طلباء فقراء اور رؤساء سب قسم کے لوگ شامل تھے۔ حضرتؒ نے ہر شخص کو اس کی حیثیت کے مطابق اپنے خطوط سے نوازا۔ انشاء اللہ حضرتؒ کے مکاتیب کا مجموعہ علیحدہ کتابی صورت شائع کیا جائے گا۔ فی الحال سوانح کے اس عنوان کو مکمل کرنے کے لئے چند خطوط درج ذیل ہیں۔

حضرت مولوی فیروز الدینؒ بانی "فیروز سنز" کے نام

مخدومی ومکرمی حضرت مولانا فیروز الدین صاحب دامت برکاتہم

از احقر الانام احمد علی عفی عنہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ ایک صاحب مجھے "قرآن مجید مترجم اردو مع تفسیر تسہیل القرآن" کا ایک نسخہ آپ کی طرف سے ہدیۃً دے گئے تھے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی پیغام تھا کہ مولانا نے فرمایا ہے کہ اگر آپ اسے پسند کریں اور دوسرے متعین کو دینا چاہیں تو ہم اور نسخے بھیج دیں گے۔ تاکہ آپ اہل علم حضرات میں یہ تقسیم کر دیں۔ میں نے اس قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر متعدد مقامات سے بغور دیکھی۔ بحمد اللہ تعالےٰ مجھے بہت ہی خوشی ہوئی کہ اللہ تعالےٰ

نے اپنی کتاب مقدس کی بہت بڑی خدمت آپ سے لی ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ۔ ترجمہ بہت ہی عمدہ
اور مطلب خیز ہے اور تفسیر بھی باوجود مختصر ہونے کے مضامین قرآن پر بہترین روشنی ڈالنے والی ہے
اللہ تعالےٰ آپ کی اس خدمت کو آپ کے لئے موجب نجات اور خلق اللہ کے حق میں باعث
ہدایت بنائے۔ آمین یا الٰہ العالمین۔ فقط

۱۱ رمضان المبارک ۱۳۷۶ھ

مولوی محمد حسین دخانیوال) کے نام

عزیزم مولوی محمد حسین صاحب

جو اذکار عرض کئے گئے تھے، اُن پر التزام سے مداومت کریں۔ اور جہاں تک ممکن ہو
اپنے اوراد تخلیہ میں بیٹھ کر کریں۔

احقر الانام احمد علی عفی عنہ

(تاریخ درج نہیں)

محترم المقام حضرت مولانا محمد حسین صاحب دام فیوضکم

از احقر الانام احمد علی عفی عنہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاۃ۔ میرے طبع شدہ کارڈ اور
سوال نامے کے جواب میں آپ کا کارڈ ملا۔ الحمد للہ آپ کو اللہ تعالےٰ نے اپنے کلام پاک کی تبلیغ
کی توفیق مرحمت فرمائی۔ دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو اخلاص اور استقامت بھی عطا فرمائے اور اس خدمت
کو قبول فرما کر آپ کے لئے دنیوی اعزاز اور آخروی نجات کا سامان بنائے۔ آمین!

اب میری تمنا یہ ہے کہ آپ اپنے حلقۂ اثر میں اور جگہوں پر بھی قرآن مجید کے درس
جاری کرائیں۔ تاکہ اس کی آواز زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کے کانوں تک پہنچ کے مسلمانوں
کی تمام دینی اور دنیاوی مشکلات کا حل قرآن مجید کی تعلیم میں ہے۔

اُمید ہے کہ آپ اس سلسلہ میں ہر ممکن کوشش کر کے مجھے بھی مطلع فرمائیں گے۔ والسلام

ماہ رجب ۱۳۷۴ھ

نور احمد صاحب (بستی) کے نام

محترم المقام زیدت معالیکم

از احقر الانام احمد علی عفی عنہ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ میں نے بہت غور کیا ہے۔ مگر آپ کے ہاں حاضر ہونے کے لیے کوئی موزوں نظام الاوقات نہیں بن سکتا۔ خیال یہ تھا کہ ۲۰ فروری ۱۹۵۹ء جمعہ کی شام سندھ ایکسپریس میں روانہ ہو کر ۲۱ فروری ۱۹۵۹ء کی صبح کو ۱۰ بج کر ۴۰ منٹ پر روہڑی پہنچ کر آپ کے ہاں بستی کی طرف روانہ ہو چلوں گا۔ مگر دن کو کوئی اور گاڑی بستی نہیں جاتی سوائے اس کے کہ شام کو ۶ بج کر ۱۸ منٹ پر گاڑی چلے گی۔ جو دو بجے رات کے بستی پہنچے گی۔ گویا کہ میرا ایک دن اور ایک رات ساری بیکار گئی۔ اس کے بعد واپسی کے لئے اتوار کے چار بجے شام کی گاڑی میں واپس آنا چاہتا ہوں اور وہ گاڑی رات کو ۱۱ بجے روہڑی پہنچے گی۔ اور صبح ۵ بجے مجھے لاہور میل ملے گی۔ گویا ساری رات روہڑی پڑا رہنا پڑے گا۔ اس سے زیادہ میں ٹھہر نہیں سکتا۔ اس پروگرام کے مطابق ۲۳ فروری بروز سوموار واپس لاہور پہنچوں گا۔ اس کے بعد منگل بدھ جمعرات میرے خطبہ لکھنے کے دن ہیں۔ جو "خدام الدین" میں طبع ہوتا ہے۔ اتنا طویل سفر کر کے فقط چند گھنٹے آپ کے ہاں رہنا ایک بے معنی چیز ہے۔ علاوہ اس کے تینوں راتیں میری سفر میں مسلسل گزریں گی۔ ان مجبوریوں کی بنا پر حاضری سے معذور سمجھ کر مجھے معاف فرمایا جائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے جلسہ کو کامیاب بنائے۔ آمین

۱۹ جنوری ۱۹۵۹ء

قاضی زاہد الحسینی صاحب کے نام

مولانا الحاج حافظ محمد الیاس خطیب مسجد پٹولیاں لاہور نے خواب میں حضرت شیخ الاسلام

مدنی نور اللہ مرقدہٗ کو دیکھا کر محمد زاہد الحسینی کی شبیہہ میں تبدیل ہو گئے ہیں" قاضی صاحب نے وہ خواب حضرتؒ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپؒ نے جواب میں فرمایا:۔

۱۶ فروری ۵۸ء

مخدومی و مکرمی حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینی دامت برکاتکم

از احقر الانام احمد علی عفی عنہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کی شبیہہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا حلیہ نظر آنا آپ کے حق میں نہایت ہی مبارک فال ہے۔ اس سے یہ مراد لی جا سکتی ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ کے جذبات باطنیہ کا عکس اپنے وجود میں آیا ہوا ہے۔ طالب کو اپنے شیخ کامل سے یہ نسبت طالب کی انتہائی خوش نصیبی پر دال ہے۔

وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۔ فقط

مولوی ظہیر الحق صاحب کے نام

بعزیز القدر سعادت اثر مولوی ظہیر الحق سلمہٗ

از احقر الانام احمد علی عفی عنہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ بیٹا میں کچھ ناصحانہ باتیں لکھنا چاہتا ہوں۔ ان کو واقعہ پر مبنی خیال کریں۔ بیٹا صحیح طور پر اخبار وہی چلا سکتا ہے جو انگریزی زبان میں مہارت تامہ رکھتا ہو تاکہ انگریزی کے اخبارات کے مطالعہ سے اس کے معلومات حالات حاضرہ کے متعلق صحیح ہوں۔ پھر اُن کے پیش نظر لوگوں کے سامنے کوئی صحیح راہ پیش کر سکے اور یہ نہ ہو تو دینیات میں میں مہارت تامہ ہو تاکہ اخبار کے ذریعہ سے دین کی رُوح لوگوں کے دلوں میں پھونک سکے۔

(مولانا عبید اللہ انور سے حاصل کیا گیا)

محمد نذیر اللہ خان صاحب (گجرات) کے نام

محترم المقام مولانا نذیر اللہ خان صاحب دامت معالیکم

از احقر الانام احمد علی عفی عنہ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ والانامہ نے سرفراز فرمایا۔ میری رائے تو یہ ہے کہ امام المجاہدین، سید العارفین اعلیحضرت مولانا و مقتدانا حسین احمد صاحب مدنی کے دامن ہی سے آپ وابستہ ہوں۔ تو دارین میں آپ کے حق میں بہتری ہوگی۔ میرا تو اُن کے متعلق یہ خیال ہے کہ اُن کی سی جامع ہستی آج سطح زمین پر اور کوئی نہیں ہے۔ یہ عاجز تو اُن کے جُوتے کے تلوے کی خاک کے ایک ذرہ کے برابر بھی نہیں ہے۔ آپ ایک دفعہ پرمٹ بنوا کر اُن کی خدمت میں ہو آئیں۔ اِس کے بعد خط و کتابت سے بھی مراحل طے ہو سکتے ہیں۔ فقط

۱۰ رمضان ۱۳۷۳ھ

سردار خان مینیجر جھنگ سنٹرل کواپریٹو بنک جھنگ صدر کے نام

مکرمی و محترمی بارک اللہ لکم

از احقر الانام احمد علی عفی عنہ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ اللہ تعالےٰ توفیق دے۔ تورات کے آخری حصّہ میں جاگنا خاص اہمیت اور بہت فضیلت رکھتا ہے۔ ۲ سے لے کر ۱۲ تک نوافل جتنے طبیعت خوشی سے پڑھے، پڑھا کریں۔ اور ۱۰۰ دفعہ استغفار اگر ہو سکے، تو بہتر ہے۔ اس کے بعد اگر ذکر قلبی کرتے ہیں۔ تو اِس میں شاغل ہو کر بیٹھا کریں۔ اس ذکر کے وقت تمام ماسوی اللہ کے خیال ہٹا کر ایک ذات باری تعالےٰ میں تصور محدود کر کے بیٹھیں۔ فقط

۸ شعبان ۱۳۶۱ھ ۲۱ اگست ۱۹۴۲ء

برادر محترم و مکرم دام لطفکم،

از احقر الانام احمد علی عفی عنہ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ اللہ تعالےٰ آپ کو سلامت رکھے اور دارین کی بھلائیوں سے مالامال اور سرفراز فرماتے۔ مندرجہ ذیل پروگرام پر عمل پیرا ہیں تو مناسب ہے۔

رضائے مولا کے لئے

(۱) نماز باقاعدہ پابندی سے ادا کریں۔

(۲) تلاوت قرآن مجید روزانہ باترجمہ۔ تھوڑی ہو یا زیادہ اس سے بحث نہیں۔ قرآن مجید حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ والا لیں۔ جس پر حاشیہ مولانا شبیر احمد صاحب دیوبندی کا ہے۔ جو مندرجہ ذیل پتہ پر مل سکتا ہے۔

مولانا مجید الحسن صاحب۔ مالک اخبار مدینہ بجنور یو۔پی

(۳) جو اذکار میں نے عرض کئے تھے انہیں پابندی سے نباہیں۔

(۴) دانستہ کسی انسان کو تکلیف نہ دیں۔ بلکہ ہر ممکن خیر خواہی اپنا مقصد حیات بنائیں۔

(تاریخ درج نہیں)

مولوی حمید اللہ صاحب کے نام

عزیز القدر مولوی حمید اللہ سلمہٗ

از احقر الانام احمد علی عفی عنہ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ ہم بفضلہ تعالیٰ ۲۴ جولائی ۱۹۶۱ء کی شام کو مکہ معظمہ پہنچ گئے ہیں۔ تمہاری والدہ صاحبہ اور ہر دو بھائی خیریت سے ہیں۔ حافظ مولوی حبیب اللہ سلمہٗ مطار پر جدہ میں موجود تھا۔ اسی وقت چوہدری علی اکبر سفیر پاکستان کے پاس گئے اور کھانا کھا کر نمازِ عشا کے بعد مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ طواف کر کے سعی صفا مروہ کر کے رات میں فارغ ہو گئے۔ والحمد اللہ۔

سب احباب کرام و پرسان حال کو سلام کہہ دیں۔

المرسل احمد علی بطرف مطوف عمر اکبر جارۃ الباب بمکۃ المکرمۃ الحجاز (سعودی عرب)

اکبر جان اور امیر بیگم کے نام

میری شریف، صالحہ اور سعادتمند بیٹیاں امیر بیگم سلمہا و اکبر جان سلمہا

از احقر الانام احمد علی عفی عنہٗ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ ابھی کئی دن ہو گئے کہ تمہارا ملفوف وصول ہوا

بیشی خط میں لفافہ ارسال نہ کیا کرو، فقط اپنا پتہ تحریر کر دیا کرو۔

۱۳ محرم الحرام ۱۳۷۶ھ بمطابق ۲۰ نومبر ۱۹۵۶ء

خواجہ نذیر احمد صاحب (کراچی) کے نام

محبی و مخلصی محترم المقام خواجہ نذیر احمد صاحب زید مجدکم و کرمکم

از احقر الانام احمد علی عفی عنہ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ میں نہیں جانتا کہ آپ کراچی چھوڑ کر لاہور فوراً تشریف لائیں، مگر اپنی طبیعت کی حالت بیان کرنا چاہتا ہوں۔ کہ میری طبیعت آپ کی جدائی سے مغموم ہے اور یہ آپ کے اخلاص اور للٰہیت کی محبت کا اثر ہے کہ میری طبیعت ایک مخلص او رمونس کی جدائی کو سخت محسوس کر رہی ہے۔ الحمد للہ یہاں ہر طرح سے خیریت ہے۔ آپ کے گھر والے بخیریت ہیں۔

مولوی محمد انور سلمہٗ، مولوی حبیب اللہ سلمہٗ سے سلام مسنون کہہ دیں۔ آپ کے کراچی جانے کے بعد مجھے آپ کا کوئی خط موصول نہیں ہوا۔

۲۰ مئی ۱۹۵۶ء

جیل سے حافظ حبیب اللہ صاحب کو لکھا گیا۔

بعزیز القدر سعادت اثر حافظ حبیب اللہ طال عمرہٗ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ کل ہفتہ کے دن ہمیں صبح جیل والوں سے اطلاع ملی تھی کہ ہفتہ کی شام کو ہمارا چالان ہے یعنی دوسری جیل میں ہمیں بھیجا جائے گا۔ اس اطلاع پر ہم نے اپنا سارا سامان باندھ رکھا تھا۔ مگر شام کو انہوں نے اپنی بعض مجبوریوں کے باعث روانہ نہیں کیا۔ اتوار کو چونکہ تعطیل ہوتی ہے۔ اس لئے مناسب ہے اتوار کو روانہ نہیں کریں گے۔ اب سوموار کی شام کو ہی غالباً روانہ کریں گے تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی تعلیم اور مطالعہ میں شاغل رہنا۔ سبق پڑھنے کے بعد مسجد کے اوپر والے

کمرے میں بیٹھ کر اپنا کام کیا کرو، یا نئے مدرسے میں بیٹھنے کی جگہ بنالو۔ یہ سب سے بہتر ہے کہ اپنے مکان میں بالاخانہ میں جو تمہارا کمرہ ہے اسی میں رہا کرو۔ اندر سے دروازہ بند کر دیا کرو۔ تاکہ کوئی اندر نہ آئے۔ کام کاج کے لئے عبدالرحمٰن کافی ہے۔ تمہارے صرف لاہور رہنے ہی کو میں اپنی غیر حاضری میں ضروری خیال کرتا ہوں۔ دوسری نصیحت یہ ہے کہ کسی شخص کی صحبت اختیار نہ کرنا۔ معمولی سلام علیک میں کوئی حرج نہیں لیکن نشست و برخاست کسی کے پاس نہ رکھنا۔ البتہ کبھی کبھی جی چاہا اور فراغت ہوئی تو عزیز القدر رشید احمد سلمہا کے ہاں دوکان پر یا اُن کے گھر ہو آیا کرو، یا عائشہ بی بی کے گھر ہو آیا کرو۔ تیسری بات یہ ہے کہ اپنی والدہ کی پُوری فرمانبرداری کا حق ادا کرنا۔ میری غیر حاضری میں اس بیچاری کو تکلیف نہ ہونے پائے۔ اپنے بھائی اور بہنوں سے بھی بڑا پیار کرنا۔ انہیں بڑی محبت اور شفقت سے بلایا کرو، خاص کر بہنوں سے خاص طور پر محبت سے پیش آیا کرو۔ رضیہ بی بی اور مریم بی بی مجھے بیٹیوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ مولوی یار محمد صاحب سے صبح سویرے جا کر سبق پڑھ آیا کرو۔ اور خوب مطالعہ کر کے جایا کرو۔ عبارت اطمینان سے پڑھ کر خود ہی تقریر کیا کرو۔ مَیں نے دو دفعہ لکھا تھا کہ سیرت ابن ہشام مجھے دفتر سے لے کر بھیج دی جائے۔ دو دفعہ اس کے بعد ملاقات ہوئی نہ مجھے پُوچھنا یاد رہا اور نہ خلیفہ صاحب لائے۔ یہ کہنا بھی خلیفہ صاحب ہی کو تھا۔ کل ۲۹ فروری ۳۲ء سوموار کے دن ۱۲ بجے سے ۲½ بجے کے درمیان ملاقات کے لیے چار آدمی آ سکتے ہیں۔ ملاقات کی ویسے تو خاص ضرورت کوئی نہیں۔ البتہ کتاب مذکور کی ضرورت ہے۔ وہ ضرور ساتھ لے آئیں۔ تمہاری طرف سے ملاقات کی درخواست یہیں سے دے دوں گا اور تم آ جانا۔ اگر ملاقات ہو گئی فبہا۔ ورنہ دروازہ پر دربان کو کہہ دیں۔ کہ یہ کتاب مولانا حبیب الرحمٰن کو پہنچا دیں تو انشاء اللہ پہنچ جائے گی۔

بعفت نشان عصمت پناہ۔ شرافت آگاہ اُم عائشہ حفظ اللہ من شر الدنیا والآخرۃ۔

سلام مسنون۔ میں اُمید کرتا ہوں۔ کہ دل سے میرے لیے دعا کرتی رہو گی۔ انشاء اللہ اللہ تعالٰے خیریت سے لائے گا۔ اور کل حبیب اللہ کے ہاتھ اپنے حالات کی اطلاع بذریعہ خط لکھ دینا۔

۲۸ر فروری ۱۹۳۲ء

ماسٹر لعل دین صاحب کے نام

مجی و مخلصی ماسٹر لعل دین صاحب زیدعزکم

از احقر الانام احمد علی عفی عنہ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ جمعہ کی رونق معلوم کر کے اللہ تعالٰے کا شکر کیا گیا۔ اللہ تعالٰے اور زیادہ رونق عطا فرمائے اور نجاتِ دارین کا ذریعہ (آپ کے اور آپ کے اہل و عیال کے لیے) بنائے۔ آمین یا الٰہ العالمین۔ یہ خیال کیا کیجئے کہ اے اللہ! میں تو بے کس گنہگار تیرا بندہ ہوں۔ یہ سب کامیابی تیرا فضل اور کرم ہے۔ اندرون پردہ تسلیمات مسنونہ معروض ہوں۔ آپ کے بچوں کے لیے ہدیہ دعا و ترقی درجات متحف ہو

۲۰ر اگست ۱۹۵۰ء

برادر محترم ماسٹر لعل دین صاحب

از احقر الانام احمد علی عفی عنہ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ اس معاملہ کے متعلق میں مختار نامہ دینا مناسب نہیں سمجھتا۔ آپ خاموشی سے جتنا اپنی ذات سے ممکن ہو سکتا ہے کام کئے جائیں۔ اللہ تعالٰے اسی طرح برکت عطا فرمائے گا۔ اپنی طاقت سے زیادہ ہاتھ پھیلانے کی کوشش نہ کریں۔ والسلام

۷ر نومبر ۱۹۴۴ء

محترم المقام ماسٹر لعل دین صاحب زیدعزکم

از احقر الانام احمد علی عفی عنہ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ ملازمت سے ہرگز مستعفی نہ ہوں۔ تاکید ہے۔ اللہ تعالٰے نے جو ذریعہ رزق کا بنا دیا ہے۔ اسے ترک کرنا کفرانِ نعمت ہے۔

نقط ۲۸ جنوری ۱۹۵۰ء

رشید احمد صاحب قادری پسروری کے نام

محترم المقام رشید احمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کا خط حضرت مدظلہٗ کے پیش کیا گیا۔ آپ نے فرمایا:۔

"(۱) عشا کی نماز کے بعد تین تسبیح رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا پڑھا کریں اور بعد میں درود شریف پڑھیں

(۲) کتاب کھولتے وقت پہلے درود شریف پھر رب زدنی علما ایک بار۔ پھر درود شریف پڑھ کر کتاب پڑھنی شروع کریں۔"

(تاریخ درج نہیں)

مولانا عبدالحق صاحب کے نام

مخدومی و مکرمی حضرت مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتکم

از احقر الانام احمد علی عفی عنہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ کہ آپ کی دلالت علی الخیر کی برکت سے آپ کے دار العلوم سے ایک معتد بہ جماعت دورۂ تفسیر میں شامل ہونے کے لیے لاہور آجاتی ہے۔ ورنہ ہندوستان سے تو طلبہ کی آمد تقریباً بند ہو چکی ہے آپ کے بعض طلبہ کے خطوط میں آپ نے اس عاجز کو بعد از رمضان شریف اپنے جلسہ میں شرکت کے لیے یاد فرمایا ہے۔ عرض یہ ہے کہ میرا معمول یہ ہے کہ آخر ذیقعدہ تک جب تک اس جماعت کو فارغ کر کے رخصت نہ کر لوں۔ اس وقت تک کسی جلسہ میں شرکت نہیں کرتا۔ تاکہ اس جماعت کا حرج نہ ہو۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ میری معذرت قبول فرما کر ممنون فرمائیں گے۔ بارگاہ الٰہی میں دست بدعا ہوں کہ آپ کو تا دیر سلامت رکھے اور اشاعت دین کی بیش از بیش توفیق عطا فرمائے آمین یا الٰہ العالمین۔

۲۸ رمضان المبارک ۱۳۷۵ھ

مولوی عبدالہادی صاحب کے نام

محترم المقام مولوی عبدالہادی صاحب زیدت معالیکم

از احقر الانام احمد علی عفی عنہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ بفضلہ تعالےٰ بندہ بخیریت مکہ معظمہ پہنچا۔ عمرہ کر کے مکہ معظمہ ۵ دن قیام رہا۔ آج کل مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ آیا ہوا ہوں۔ واپس کراچی پہنچنے کی صحیح تاریخ معین نہیں کی جا سکتی۔ کراچی پہنچنے کے بعد انشاء اللہ حافظ رحیم بخش صاحب خطیب مسجد جو کرالی خانپور کے نام خانپور پہنچنے کی اطلاع دوں گا۔ حافظ صاحب سے کہہ دیں۔ کہ وہ آپ کو اطلاع دیں تاکہ حسب وعدہ دین پور شریف حاضر ہو سکوں۔ اگر وقت معین پر اسٹیشن خانپور پر جماعت کا کوئی آدمی موجود نہ ہوا تو سمجھوں گا کہ تار نہیں پہنچا۔ پھر مجبوراً سیدھا لاہور چلا جاؤں گا۔ والملاقی عند التلاقی جمیع احباب کرام کی خدمت میں سلام مسنون عرض کر دیں۔

۲۳ رجب ۱۳۶۳ھ　　از مدینہ منورہ

میاں سراج الدین صاحب کے نام

برادرم محترم و مکرم میاں سراج الدین صاحب بارک اللہ لکم

از احقر الانام احمد علی عفی عنہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ خواب کی تعبیر یہ ہے کہ کسی کامل اہل اللہ والے سے تعلق پیدا کریں اور اس کی اطاعت اور اس کے اتباع میں زندگی بسر کریں۔ تاکہ اس کی رہنمائی سے موجودہ دور الحاد و زندقہ اور فتنہ و فساد سے ایمان سلامت بچا کر دنیا سے رخصت ہوں۔ والسلام

۱۱ دسمبر ۱۹۴۱ء

مولوی خدا بخش صاحب کے نام

عزیز القدر مولوی خدا بخش صاحب زید کرمہ

از احقر الانام احمد علی عفی عنہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ مولوی محمد صابر کی معیت میں حافظ عبدالمجید

صاحب کو مسجد امپرہ میں بچوں کی تعلیم کے لیے بھیج رہا ہوں۔ حافظ صاحب کے ساتھ دو وقت کا کھانا اور مبلغ عشہ/۲۰ روپیہ مشاہرہ طے ہوا ہے۔ حافظ صاحب چونکہ علاوہ حفظ قرآن کے کوئی دو تین رسائل پڑھے ہوئے ہیں۔ گویا کہ آپ کے مقابلہ میں حافظ صاحب کے دینی معلومات کم ہیں۔ اس لیے مغرب اور عشاء کی نماز آپ ہی پڑھائیں، اور صبح کی نماز ان سے پڑھوایا کریں، اور کبھی کبھی آپ بھی فجر کی نماز پڑھایا کریں۔ اُمید ہے کہ حافظ صاحب کو خوش رکھنے کی کوشش کریں گے، اور حافظ صاحب سے یہ بھی طے ہوا ہے کہ مسجد میں جو کوئی انہیں کھانا دے جائے تو لے لیں۔ ورنہ کسی جگہ ختم وغیرہ پڑھنے کے لیے ہرگز نہیں جائیں گے۔ فقط

۸ رجمادی الاول ۱۳۷۴ھ ۲ جنوری ۱۹۵۵ء

حافظ محمد اکبر صاحب (سانگھڑ) کے نام (تحریک ختم نبوت کے سلسلے میں جیل سے رہائی کے بعد)

محترم المقام حافظ محمد اکبر صاحب زید عمرکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ الحمدللہ۔ بندہ رہا ہو کر آگیا ہے۔ آپ کس غرض کے لیے تشریف لانا چاہتے ہیں مجھے غرض سے اطلاع دیں۔ اگر اتنی ہی اہم ہوگی تو پھر تشریف لانے کی اجازت دے دوں گا۔ یہاں آنے سے پہلے مجھ سے تاریخ مقرر کرا لینی چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ آئیں اور میں یہاں موجود نہ ہوں۔

احمد علی عفی عنہ ۱۸ جون ۱۹۵۳ء

مولانا محمد سعید صاحب کے نام

مخدومی و مکرمی حضرت مولانا محمد سعید صاحب دامت برکاتکم

از احقر الانام احمد علی عفی عنہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ میری سعادت مندی جتنی زور بخت کو جو یادِ الٰہی کا شوق بیعت کے بعد پیدا ہوا ہے اور جس قدر بھی یادِ الٰہی کر رہی ہے۔ وہ سب بحیثیت الدال

علی الخیر کفاعلہ کے آپ کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔ اگر آپ اُسے اجازت نہ دیتے۔ تو وہ اس عاجز سے بیعت کا تعلق کس طرح قائم کر سکتی تھی۔ آپ کا مرسلہ اشتہار عنقریب "خدام الدین" میں طبع ہو جائے گا۔ دعا فرمائیں کہ صحت بحال ہو تاکہ حاضر ہو سکوں۔ آج کل بوجہ علاج کے طبیعت خراب رہتی ہے

میری شریف اور صالحہ بیٹی نور بجنت سلمہا'

از احقر الانام احمد علی عفی عنہ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ بیٹی تمہارا ۱۹ دسمبر ۱۹۵۹ء کا محررہ خط مجھے مل گیا۔ جواب میں بیٹی اس لیے تاخیر ہوئی کہ میں بے حد عدیم الفرصت ہوں۔ شاذ و نادر ہی کوئی خط اپنے ہاتھ سے لکھتا ہوں۔ ورنہ اکثر محرر کو کہہ دیتا ہوں کہ اس خط کا جواب یہ دے دو۔ بیٹی رضائے الٰہی کے طالب اور شیخ کا بھی ایک عجیب رابطہ ہوتا ہے اور بالخصوص بعض طبیعتیں اس تعلق کے قائم ہونے کے بعد بہت زیادہ متاثر ہوتی ہیں۔ بیٹی اس تیز اثر لینے کا تجربہ یہ ہے کہ تم نے میرے سفر کے لیے اپنے زیور بیچ ڈالے بیٹی تمہارے حق میں دل سے دعا کرتا ہوں کہ تمہیں اس قلبی تعلق کی برکات سے زیادہ سے زیادہ حصہ عطا فرمائے۔ جو بیٹی تمہاری دنیا کی راحت اور آخرت کی نجات کا ذریعہ ہو۔ آمین ثم آمین سب بچوں کے لیے ہدیہ صلاحیت متحف ہو۔

۲۹ دسمبر ۱۹۵۹ء

عملیات و مجرّبات

حضرت رحمۃ اللہ اپنے زمانہ کے اکابر اولیاء حق کی نظروں میں اس قدر پروقار مقام کے مالک تھے کہ انہوں نے اپنے رازہائے روحانی کی مقدس امانت باصرار آپ کے سپرد کرنے کو ضروری سمجھا جیسا کہ حضرت استاد العلماء محدث دارالعلوم دیوبند میاں اصغر حسین رحمۃ اللہ تعالےٰ نے حضرت کو اپنی حیات کے آخری ایام میں دیوبند طلب فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ میرے پاس یہ عملیات اور روحانی برکات کا جو خزانہ ہے میں یہ آپ کے سپرد کرتا ہوں کیونکہ میری نظر میں آپ ہی اس کے اہل ہیں۔

حضرت مولانا معین الدین صاحب اجمیری رحمۃ اللہ تعالےٰ نے اپنی مرض الموت میں حضرت کے نام اپنے ہاتھ سے ایک خط لکھا جس کے متعلق خود ہی یہ تصریح بھی فرمادی کہ میں نے معذوری کے عالم میں بمشکل ایک ہفتہ میں اس خط کو مکمل کیا۔ اس طرح دیگر اکابر نے بھی حضرت کو اپنے معمولات خاصہ سے نوازا۔ چند معمولات مجربات درج کئے جاتے ہیں۔

سب سے بڑی تعلیم جو حضرتؒ دیا کرتے تھے وہ تعلق باللہ کی تھی۔ مگر اس مقام فنا پر ہر شخص فائز نہیں ہو سکتا۔ اس لیے حضرتؒ حاجت مندوں کو کچھ معمولات بتا دیا کرتے تھے اور ساتھ ہی یہ فرماتے تھے کہ یہ اہل اللہ کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے انعام ہوتے ہیں۔

عملیات اور تعویذ

سُورۂ یٰسین کا وِرد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سورہ یٰسین قرآن حکیم کا دل ہے۔ اہل اللہ کے ہاں اس کا خصوصی ورد بھی رہا ہے۔ حضرت مدنی مہتمم ہفت سلاطین

بتایا کرتے تھے۔ حضرتؒ نے بھی سورہ یٰسین کا ورد حلِ مشکلات کے لیے بتایا تھا جو یہ ہے:

سورہ یٰسین یوں پڑھے کہ ہر مبین پر یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم گیارہ دفعہ پڑھے اور جب کلمہ کُنْ پر پہنچے تو یا اللہ یا غنی یا مغنی یا فتاح پڑھ کر ختم کر دے۔ انشاء اللہ سب تکالیف کا خاتمہ ہو جائے گا۔

حزب البحر حزب البحر اکثر اہل اللہ کے ہاں معمول رہی ہے۔ آپ بھی اُس کے عامل تھے اور اس کی اجازت بھی دیا کرتے تھے۔ نواب مظفر خاں صاحب کی اہلیہ نے حضرت سے اس کی اجازت لی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ حج سے مشرف ہوئیں اور ساری زندگی زہد و تقویٰ میں بسر کی۔ اس کے علاوہ حضرتؒ حزب الاعظم کی بھی اجازت دیا کرتے تھے۔

برائے دفعِ بلیات مصائب دور کرنے کے لیے مندرجہ ذیل دعا بارہ ہزار دفعہ روزانہ بارہ دن متواتر اس طرح پڑھنی چاہیے کہ اگر دن میں یہ تعداد پوری نہ ہو سکے تو شام کے بعد نیند سے پہلے پوری کر لے۔

یَا بَدِیْعَ الْعَجَائِبِ بِالْخَیْرِ یَا بَدِیْعُ۔

برائے رُویتِ خیرُ الانامؐ منقول از تذنیب در بعض فوائد خواندن درود نقل از کتاب ترغیب اہل السعادات علی تکثیر الصلوات علی سید الکائنات علیہ افضل الصلوات و اکمل التحیات کہ تصنیف فرمودہ عمدۃ المحدثین و زبدۃ المحققین شیخ عبدالحق دہلویست و دیگر رسائل۔

زیارت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ؛ عمدۃ المحدثین و زبدۃ المحققین شیخ عبدالحق دہلوی کی کتاب موسومہ ترغیب اہل السعادات "(اہل سعادت کو نبی کریمؐ جو کائنات کے سردار ہیں ان پر (باقی صـ پر)

وازیں تذنیب ضمیمہ الحزب الاعظم مطبوعہ مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۵ھ

بافتہ شد۔ احمد علی عفی عنہ ۲۱ محرم الحرام ۱۳۵۲ھ

۱۔ یکی از اسباب ادراک شرف رؤیت سید انام در منام علیہ صلوات اللہ الملک العلام ملازمت صلوٰۃ نبویہ است بر صفت طہارت بصیغۂ اللّٰھم صل علی محمد و آلہ وسلم کما تحب و ترضیٰ لہٗ

۲۔ در مفاخر الاسلام می آرد کہ ہر کہ روز جمعہ ہزار بار درود فرستد بصیغۂ اللّٰھم صل علی محمد النبی الامی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در خواب بیند۔ یا منزل خود را در بہشت بیند۔ دگر نہ بیند۔ مکرر کند از تا پنج جمعہ بیند بفضل الٰہی آنچہ مسرت بخشد۔

۳۔ ہر کہ در شب جمعہ بگذارد دو رکعت نماز و بخواند در ہر رکعتی بعد از فاتحہ یازدہ بار آیت الکرسی

ان پر افضل و اکمل صلوٰۃ وسلام ہو، پر کثرت سے صلوٰۃ وسلام بھیجنے کی ترغیب) کے ضمیمہ سے (جو کثرت سے درود پڑھنے کے فوائد کے بیان میں ہے) اور دوسرے رسالوں سے نقل کیا گیا۔ یہ الحزب الاعظم مطبوعہ مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۵ھ کے ضمیمہ میں پایا گیا۔ احمد علی عفی عنہ ۲۱ محرم الحرام ۱۳۵۲ھ

۱۔ نبی کریم سید کائنات (ان پر اللہ کی جو بادشاہ اور بہت جاننے والا ہے رحمتیں ہوں) کی خواب میں زیارت سے مشرف ہونے کا ایک سبب باوضو حضورؐ پر ہمیشہ یہ درود پڑھنا ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَسَلِّمْ کما تحب و ترضیٰ لہٗ (اے اللہ محمد رسول اللہ اور ان کی آل پر صلوٰۃ وسلام بھیج جیسے تو پسند فرماتا ہے اور دوست رکھتا ہے ان کے لیے)

۲۔ مفاخر الاسلام میں روایت ہے کہ جو آدمی جمعہ کے دن اللّٰھم صل علی محمد النبی الامی (اے اللہ نبی امی محمد رسول اللہ پر رحمت نازل فرما) ہزار مرتبہ پڑھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھے یا بہشت میں اپنا مقام دیکھے۔ اور اگر نہ دیکھے تو ایک سے پانچ جمعوں تک اس کی تکرار کرے۔ اللہ کے فضل سے اسے خوشی حاصل ہوگی (یعنی مقصد

و یازدہ بار سورۃ اخلاص و بعد از سلام صد بار درود فرستد بصیغۂ اللّٰھم صل علیٰ محمد النبی الامی و آلہٖ وعلیہ وسلم ببیند در خواب حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر نصیب او باشد از سہ جمعہ نگذرد ان شاء اللہ تعالیٰ وقد جربہ بعض الفقراء والحمد للہ۔

۴۔ ونیز روایت است کہ ہر کہ بگذارد دو رکعت نماز شب جمعہ و بخواند در ہر رکعت بعد از فاتحہ بست و پنج بار قل ہو اللہ احد و بعد از سلام ہزار بار درود فرستد بصیغۂ صلی اللہ علی النبی الامی ببیند رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم در خواب اھذا یقینا مجرب۔

اعلیٰ حضرت دین پوری دامت برکاتہم برائی مذکور الصدر نمبر ہائے ۱۔۲۔۳۔۴۔

احمد علی غفی عنہ را ۱۲ محرم الحرام ۱۳۵۲ھ در دین پور شریف اجازت دادند۔ والحمد للہ

حاصل ہو جائے گا)

۳۔ جو آدمی جمعہ کی رات کو دو رکعت نفل اس طریقہ سے پڑھے کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد گیارہ مرتبہ آیت الکرسی اور گیارہ مرتبہ سورۃ اخلاص (قل ہو اللہ) پڑھے اور سلام کے بعد سو بار اللّٰھم صل علیٰ محمد النبی الامی و آلہٖ وسلم پڑھے خواب میں (اگر اس کی قسمت میں ہوا) رسول اکرم کی زیارت سے مشرف ہو ان شاء اللہ تعالیٰ تین جمعوں سے زیادہ نہیں گذریں گے۔ بعض فقراء نے تجربہ کر کے دیکھا اور الحمد للہ کامیاب ہوئے۔

۴۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ جو آدمی جمعہ کی رات کو دو نفل اس طریقہ سے پڑھے کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد ۲۵ مرتبہ قل ہو اللہ احد (پوری سورت) پڑھے اور سلام کے بعد صلی اللہ علی النبی الامی (اللہ کی رحمت ہو نبی امی پر) ایک ہزار مرتبہ پڑھے خواب میں رسول اللہ کی زیارت سے مشرف ہو یہ بھی مجرب ہے۔

اعلیٰ حضرت دین پوری دامت برکاتہم نے ۱، ۲، ۳، ۴ (جو اوپر ذکر کئے گئے ہیں) کی اجازت احمد علی عفی عنہ کو ۱۲ محرم الحرام ۱۳۵۲ھ کو دین پور شریف میں عطا فرمائی۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برائے قضائے حاجت

۷۸۶

// ہ ہ ہ ہ ہ ہ

۶ ۶۶۶ ۶ ۶ ۶

و لا م ص

اکتالیس عدد باوضو دیسی روشنائی سے لکھیں۔ ایک عدد موم جامہ کرکے مریض کو پہنائیں اور روزانہ ایک عدد تازہ پانی سے دھو کر علی الصباح نہار منہ پلادیا کریں۔

آسیب و امراض مزمنہ کے لئے ایک تعویذ گلے میں ڈالیں اور چالیس عدد پلائیں۔

رات کو نیند نہ آئے اور خواب متوحش نظر آئیں تو سات آٹھ تعویذ پلائیں اور ایک تعویذ گلے میں ڈال دیں۔

برائے مارگزیدہ

از حضرت مولانا و مخدومنا امام الموحدین مولوی حسین علی صاحب ساکن واں بھچراں ضلع میانوالی۔ ۷ دفعہ درود شریف ، ۷ دفعہ سورۃ فاتحہ ، ۷ دفعہ آیت الکرسی ۷ دفعہ چار قل علیحدہ علیحدہ ، ۷ دفعہ درود شریف ، ۷ دفعہ الٰہی بحرمتہ حضرت حاجی دوست محمدؒ قندھاری رضی اللہ تعالےٰ ۔ ۷ دفعہ الٰہی بحرمتہ حضرت عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ

یہ سب چیزیں پڑھ کر نمک پر دم کرے۔ سانپ کی کاٹی ہوئی جگہ پر ذرا سا زخم کرکے کچھ اس پر ملے اور بقیہ کھلا دے۔

عامل اس عمل کو رات کے وقت ایک دفعہ روزانہ پڑھ لیا کرے۔

حضرت مولانا حسین علی صاحب دام مجدہم نے بندہ کو اس عمل کی اجازت عطا فرمائی اور فرمایا کہ اپنی اولاد کو بھی اس کی اجازت دے سکتے ہو۔ نیز فرمایا کہ اولاد کے سوا کسی غیر کو اجازت مت دو اور اگر اجازت

دے دی تو اسے نفع نہیں ہوگا۔

مولانا ممدوح نے فرمایا سگ دیوانہ وغیرہ کے متعلق یہی مذکورۂ الصدر عمل کافی ہے۔ فقط اس عمل میں آیت الکرسی نہ پڑھی جائے۔

احقر الانام احمد علی عفی عنہ

۲۔ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ — ۲۔ جون ۱۹۳۸ء

برائے حب و بغض یہ بیت ایک ہزار مرتبہ روزانہ پڑھی جائے۔ اول و آخر سو سو مرتبہ درود شریف پڑھا جائے۔

شعر

هُوَ الْحَبِيبُ الَّذِي تُرْجَى شَفَاعَتُهُ
لِكُلِّ هَوْلٍ مِنَ الْأَهْوَالِ مُقْتَحِمِ

حضرتؒ نے فرمایا کہ اس کی اجازت اعلیٰ حضرت مولانا حسین علی صاحب واں بھچراں والے نے دی ہے۔

دم برائے تکالیف جسمانی اعلیٰ حضرت مولانا عبید اللہ دامت برکاتہم نے احمد علی عفی عنہ کو مندرجہ ذیل دم کی اجازت دی۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ اِذْهَبِ الْبَأْسَ اَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ اَشْفِ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا۔

صبح اور عشا کے بعد ۷ مرتبہ پڑھ کر ہاتھ پر دم کرے اور جہاں تک ممکن ہو بدن پر ملے۔

۶۔ فروری ۱۹۳۰ء — ۲۶۔ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ

آسیب معلوم کرنا

یہ عمل بھی حضرت واں بھچراں والوں سے منقول ہے:۔

یا اللہ ۷۸۶

۸	۶	۴	۲
۲	۴	۶	۸
۸	۶	۴	۲
۲	۴	۶	۸

یہ تعویذ لکھ کر مریض کو دکھایا جائے۔ اگر مریض دیکھ لے تو سمجھ لیا جائے کہ آسیب کا اثر نہیں ہے
اور اگر نہ دیکھے تو سمجھو کہ آسیب کا اثر ہے۔

۱۱ دسمبر ۱۹۰۶ء

ادویات مجرّبات

برائے بواسیر خونی یا ریاحی:- سفوف ریٹھہ۔ جو کھار۔ مساوی الوزن باریک پیس کر ایک ماشہ بالائی کے ساتھ یا کیپسول میں رکھ کر کھائی جائے۔ ایک ہفتہ یا دو ہفتہ کھانے سے انشاء اللہ تعالیٰ آرام ہو جائے گا۔

۳۰ نومبر ۱۹۴۹ء

برائے دفعِ تشنج:- ۱- شہد خالص ایک پاؤ ۲- عرق گاؤزبان و عرق بادیان ایک ایک بوتل عرق کو آگ پر چڑھا کر اس میں شہد ڈال دیا جائے اور ہلکی آنچ خفیف سے ایک دو جوش دے دیئے جائیں۔

خوراک:- ایک چمچہ نمک صبح پانی ڈالے بغیر پئیں۔

برائے تقویت اعصاب و دماغ:- از حکیم اجمل خاں رحمۃ اللہ علیہ۔

ایک سو ایک بیضہ مرغ لے کر دس بارہ سیر ایسے پانی میں اُبالا جائے جس میں ایک تولہ سنکھیا باریک پیس کر حل کیا ہوا ہو۔ جب انڈے پک جائیں تو ٹھنڈے ہونے کے بعد پانی سے نکال لئے جائیں۔ پانی اور انڈوں کا چھلکا اور سفیدی سب زہر آلود ہوں گی۔ پانی نالی میں گرا دیا جائے اور چھلکا اور سفیدی گڑھا کھود کر دفن کر دی جائے۔ بعد ازاں زردی کو ہاتھوں یا کسی چمچہ سے مل کر آٹے کی طرح کر لیا جائے اور پھر بہت سا گھی ڈال کر حلوا بنا لیا جائے۔ اس حلوے میں مغزیات پستہ بادام وغیرہ بھی ڈال دیئے جائیں۔ سردی میں یہ حلوا کھایا جائے۔ خوراک۔ ایک تولہ صبح

احمد علی

۱۹ شوال ۱۳۶۲ھ

برائے ناسور:۔ پیاز سفید اور پرانا پیڑا دونوں کو جلا کر تیل میں ملا دیا جائے اور اس تیل سے کی مالش کی جائے۔

احمد علی عفی عنہ

۱۰ ربیع الاول ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۹۵۱ء

برائے درد گردہ و قولنج

مصبر و نوشادر مساوی الوزن۔ سفوف بنا کر ایک ماشہ مریض کو کھلایا جائے

برائے فالج و نزلہ وغیرہ

مندرجہ ذیل نسخہ حکیم نورالدین صاحب لائل پوری نے عطا فرمایا اور فرمایا کہ یہ نسخہ حکیم اجمل خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ دہلوی سے انہیں ملا تھا۔ یہ حکیم صاحب موصوف کا خاندانی نسخہ ہے۔

ہڑتال گاؤدنتی	اسگند ناگوری
۵ تولہ	۵ تولہ

ایک ٹھلیا میں ڈال کر گل حکمت کرکے خشک کریں اور ۲۴ سیر اُپلوں کی آنچ دیں۔ اسگند ناگوری جل کر فنا ہو جائے گا۔ فقط ہڑتال باقی رہ جائے گی۔ اسے پیس کر رکھ لیں۔

خوراک:۔ مقدار ایک چاول شوربے یا شہد یا انڈے کے ساتھ۔

(۱) فالج کے مریض کے لیے یہ نسخہ بے نظیر ہے۔ فالج کا مریض اس کے ساتھ انڈا، تیتر، مرغی یا بٹیر کا شوربا زیادہ استعمال کرے۔

(۲) جس شخص کے ہاں فقط لڑکیاں پیدا ہوتی ہوں۔ حکیم اجمل خان صاحب مرحوم اسے بھی یہی کشتہ ۱۵۔۲۰ دن کھلایا کرتے تھے۔ خدا کی قدرت سے پھر لڑکے پیدا ہوتے ہیں۔

(۳) نزلہ و زکام والے کو بھی یہی کشتہ کھلایا جائے۔ مگر دودھ پینے سے روک دیا جائے۔

(۴) انفلوئنزا والے کو بھی یہ نسخہ مفید ہے۔ اس کے لیے دودھ بند نہ کیا جائے۔

(۵) دائمی نزلہ و زکام والے کے لیے ایک چاول، دو چاول حتیٰ کہ ½ رتی تک کھلایا جا سکتا ہے اس مریض کو شربت بنفشہ کے ساتھ کھلایا جائے۔

(۶) بخار والے مریض کو شربت بزوری کے ساتھ کھلایا جائے۔

احقر الانام احمد علی عفی عنہ

۳۰ شوال ۱۳۷۴ھ ۲۲ جون ۱۹۵۵ء

برائے ذیابیطس

کھانے کے بعد پشاوری تمباکو کی ایک چٹکی منہ میں ڈال کر دانتوں سے چبائی جائے چباتے چباتے وہ ایک طرح کا لعاب سا بن جائے گا۔ وہ لعاب نگل لیا جائے اور اگر چاہے تو پہلا لعاب پان کی طرح باہر پھینک دے اور دوسرا نگل جائے۔ اس علاج سے انشاء اللہ تعالیٰ یقیناً شفا ہو گی۔ تقریباً دو ماہ تک مسلسل یہ علاج کیا جائے۔

۶ جنوری ۱۹۵۶ء

(۱) تمباکو کی پتیاں ہوں۔ ڈنڈیاں نہ ہوں

(۲) ہچکی ضرور آئے گی۔ بہتر ہے کہ اس وقت پانی نہ پیا جائے۔

(۳) اس دوا کے استعمال کے وقت کم از کم ۵ منٹ بیٹھا رہے۔ چلے پھرے نہیں۔ اس کے استعمال سے دوران خون تیز ہو جاتا ہے۔ سر میں بھی اس کا اثر ہوتا ہے مگر وہ دراصل سر کے چکر نہیں ہوتے۔

روغن برائے وجع مفاصل درد ریاحی وگنٹھیا

روغن گنبد	گھونگچی	نمک سانبھر
اپاؤ	½ ۲ تولہ	۳ تولہ

گھونگچی کو توڑ کر اندر سے دانے نکال لئے جائیں اور انہیں ایک رات پاؤ بھر پانی میں بھگو دیا جائے۔ صبح کو روغن کنجد آگ پر چڑھا دیا جائے۔ اور اس میں گھونگچی کے دانے ڈال دیئے جائیں جب وہ اتنے نرم ہوجائیں کہ ہاتھ پر رکھ کر انگل سے ملے جائیں تو آٹا ہوجائیں۔ اس وقت روغن کو تنکے سے ناپ لیا جائے۔ پھر اسے آگ سے نیچے اتار گھونگچی کا رات والا پانی اس میں ڈال دیا جائے۔ پھر آگ پر چڑھا دیا جائے جب اس ناپ کے مطابق جو تنکے سے لیا گیا تھا۔ سارا پانی خشک ہوجائے تو نیچے اتار کر نمک سانبھر اس میں ملا دیا جائے۔ اس کے بعد خوب گھوٹا جائے۔ جب سب چیزیں حل ہوجائیں تو پھر اسے چھان لیا جائے۔ مقام درد پر اس کی مالش کی جائے۔

احقر الانام احمد علی عفی عنہ

۹ ذی قعدہ ۱۳۶۲ھ ۱۸ نومبر ۱۹۴۳ء

برائے تپ محرقہ

از مولانا عبد الواحد صاحب غزنوی مرحوم

جس دن بخار کی باری ہو اُس دن قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ. کاغذ پر لکھ کر صبح کی اذان کے وقت منہ سے مریض کی پیشانی پر چپکا دیا جائے اور اس کے بعد لا یجلیہا لوقتہا الا ھو پیپل کے تین سبز پتوں پر لکھ کر تینوں پتے بخار کے وقت سے ایک گھنٹہ پہلے تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد مریض کو چٹا دیئے جائیں

۵ ذوالقعدہ ۱۳۶۴ھ ۱۳ اکتوبر ۱۹۴۵ء

مرض اٹھرا کے لیے

رسونت	کتھ	برگ نیم	برگ حنا	صندل سرخ	صندل سفید	خاک طباشیر
۵ تولہ	۳ تولہ	۲ تولہ	۴ تولہ	۱ تولہ	۱ تولہ	۵ تولہ

ملٹھی مقشر	چاکر	رتن جوت	دھماں بوٹی	تخم شاہترہ	آملہ
۲ تولہ	۸ ماشہ	۹ ماشہ	۵ تولہ	۱ تولہ	۱۰ ماشہ

کشنیز خشک	گل ارمنی	گل نیلوفر
½۱ تولہ	½۲ تولہ	۱ تولہ

یہ سب ادویات کوٹ چھان کر علیحدہ علیحدہ وزن کریں۔ رسونت کو پانی میں حل کرکے صاف کرلیں اور بقدر ضرورت لعاب بیدانہ میں گھونٹ کر بقدر دانہ نخود باندھ لیں۔ جب معلوم ہو کہ اُمید ہوگئی ہے تو بوقت صبح شروع میں ایک گولی ہمراہ یک چمچہ روغن زرد خالص یا ہمراہ شیر گاؤ کھلائیں۔ پندرہ دن بعد دو گولی کھلائیں۔ تا وضع حمل۔ انشاء اللہ تعالیٰ مولود مرض اٹھرا سے محفوظ رہے گا۔ اگر بچہ کو بھی ایک گولی کا پانچواں حصہ اس کی ماں کے دودھ میں حل کرکے ہفتہ میں دو تین بار دے دیا جائے تو انسب ہے۔ علاوہ ازیں نصف چھٹانک دھماں بوٹی کو مناسب مقدار پانی میں جوش دے کر اور چھان کر اگر اس پانی سے بچہ کو غسل دیا جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ بچہ ہر قسم کے پھوڑے پھنسی سے محفوظ رہے گا۔

احقر الانام احمد علی عفی عنہ

۱۵ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ　　　۱۴ جولائی ۱۹۳۸ء

برائے دمہ

از حضرت مولانا و مخدومنا عبد القادر صاحب دامت برکاتہم دین پوری

سم الفار بھیڈ کی (یعنی شیشہ نما زہر)	بادام شیریں مقشر
½ ماشہ	۱۰ عدد

طباشیر کھوری موٹے دانے والی

۲ ماشہ

پہلے سم الفار کو کھرل کیا جائے پھر طباشیر ڈال کر کھرل کیا جائے جب اچھی طرح کھرل ہو جائے تو
بادام ڈال کر اتنا کھرل کیا جائے کہ روغن نکلنے لگے۔ اس کے بعد ۱۰۰ گولیاں بنا لی جائیں۔
ایک گولی بعد از عشاء گائے کے دودھ کے ساتھ کھانی چاہیئے۔ اگر خشکی کرے تو دودھ زیادہ پیا جائے
نوٹ:- یہ دوائی چالیس سالہ عمر کے مریض کو کھلائی جاتی ہے۔ اس سے کم عمر والے کو ہرگز نہ کھلائی جائے۔

احقر الانام احمد علی عفی عنہ

۱۷ صفر ۱۳۵۹ھ ۲۷ مارچ ۱۹۴۰ء

کشتہ فولاد مجرب برائے

جریان، اختلاج قلب، ورم جگر، کمزوریٔ معدہ، سنگرہنی جس شخص کو گھڑی گھڑی پاخانہ آتا ہو
دوران سر، قوت باہ اور سرعت انزال:

جوہر دار فولاد ۱۰ تولہ کو باریک کر لیا جائے۔ کوپ میں فولاد ڈال کر اس پر گائے کا دودھ اتنا
ڈالا جائے کہ فولاد اس میں فقط بھیگ جائے زیادہ نہ ڈالا جائے۔ روزانہ وہ دودھ جذب کر لے گا۔ اکیس یا
بائیس دن اس طرح روزانہ اسے دودھ پلایا جائے۔ اس کے بعد ترپھلے کے پانی میں کھرل کیا جائے۔ تاکہ
ایک ٹکیہ کی شکل میں بن جائے۔ اس کے بعد اسے مٹی کے برتن میں گل حکمت کر کے دھوپ میں سکھا
لیا جائے۔ بعد ازاں گڑھا کھود کر اسے تین چار سیر اپلوں کی آگ دی جائے۔ اس کے بعد مٹی کے برتن سے
نکال کر فولاد کو کھرل کر کے کپڑے میں چھان لیا جائے۔ جو کچا ہو گا وہ کپڑے کے اوپر رہ جائے گا۔
خوراک:- ½ رتی سے ایک رتی تک صبح مکھن کے ساتھ یا رات کو ایک پاؤ دودھ میں ایک چھٹانک
کوزہ مصری اور ایک چھٹانک گھی ملا کر آگ پر گرم کرے اور اس میں ایک رتی کشتہ فولاد حل کر کے پی لے
اور سو جائے۔

اسی فولاد کا شربت اس طرح بنایا جائے۔

½ ماشہ کشتہ فولاد کپڑے کی پوٹلی میں باندھ کر آدھ سیر پانی میں رگڑا جائے۔ تا آنکہ سارا کشتہ پانی میں چلا جائے۔ اس کے بعد تین پاؤ قند سفید ڈال کر شربت کا قوام پکایا جائے۔ بس یہی شربت فولاد ہے دودھ میں ڈال کر پئیں یا پانی میں حل کر کے۔ استعمال کے دوران گوشت نہ کھائیں یا کھائیں تو سبزی کے ساتھ پکا کر۔

پرھیز:۔ گائے کا گوشت، آلو، بادی اشیاء سے پرہیز، اچار اور جماع سے پرہیز، اس کا کورس ۴۰ دن کا ہے۔

جوارش مقوی معدہ و دافع قبض

زیرہ سیاہ مدبر برگ	سراب	فلفل سفید	فلفل سیاہ	نمک سونچر
۱ چھٹانک	½ چھٹانک	۱ تولہ	۵ تولہ	۴ تولہ
دارچینی اصل	مربہ زنجبیل یا ادرک	مربہ ہلیلہ کلاں بنارسی	قند سفید	بدستور جوارش باند
۴ تولہ	½ پاؤ	۱ چھٹانک	۲ سیر	

خوراک:۔ صبح و شام ۶ ماشہ تا ایک تولہ

نوٹ:۔ زیرہ اصل ہو اور سرکہ انگوری میں بھگو کر رکھا جائے۔ جب خشک ہو جائے تو دوبارہ اسی طرح کیا جائے اور سہ بارہ اسی طرح خشک کیا جائے۔ بعد ازاں قدرے بریاں کیا جائے۔

۲۲ جمادی الآخر ۱۳۶۲ھ

موتیا بند کے لئے سرمہ

سلاجیت سیاہ خالص کو کھرل کریں اور گائے کا دودھ بوند بوند ڈالتے جائیں۔ جب وہ لئی کی

طرح نرم ہو جائے (یہ پندرہ بیس منٹ میں ہو جائے گا) تو اس کے ہم وزن سرمہ خالص ڈال کر بوند بوند دودھ کی ڈالی جائے۔ جب خشک ہو جائے تو چھان کر رکھ لیا جائے۔ رات کو ایک ایک سلائی آنکھ میں لگا کر سو جائیں۔ خارش ہو تو ہرگز نہ لیں۔

گروں اور پڑبالوں کے لیے بے نظیر نسخہ

پھٹکری سرخ	افیون	کیلومیل
۱ تولہ	یک نیم ماشہ	۲ ماشہ

پھٹکری کو توے پر رکھیں۔ جب وہ پھولنے لگے تو اس کے اندر افیون ڈال دیں۔ جب وہ پک کر خشک ہو جائے تو نیچے اتار کر کھرل کر لیں اور کیلومل ملا دیں۔ ایک ایک سلائی روزانہ تین چار روز تک لگائیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ آرام آجائے گا۔

۸ ذیقعدہ ۱۳۷۶ھ　　۳۰ جون ۱۹۵۷ء

برائے مار گزیدہ۔ کژدم گزیدہ، زنبور گزیدہ وغیرہ

سورۃ الناس با بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے جائیں اور دم کرتے جائیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۵ منٹ تک شفا کامل ہو جاتی ہے۔

یہی سورۃ شریفہ نمک پر دم کر کے نمک مار گزیدہ کو کھلایا جائے تین مرتبہ یا گیارہ مرتبہ جیسا مناسب ہو

۶ دسمبر ۱۹۴۹ء　　۱۵ صفر ۱۳۶۹ھ

حضرتؒ کے چند خصوصی ارشادات

فرمایا:-

- قرآن مجید کا خلاصہ ہے بندے سے توڑ خدا سے جوڑ
- قرآن مجید کا خلاصہ ہے تعلق باللہ۔ وابستگی
- راہ ہے اسلام، راہرو ہے مسلمان، منزل مقصود ہے دربار الرحمان

اگر کوئی شخص آسمان پر اڑتا ہوا آئے لاکھوں مرید پیچھے لگائے ہوئے۔ دریا پر سے گزرتا ہوا آئے۔ مگر اس کا مسلک حضورؐ کے طریقے کے خلاف ہو تو اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا گناہ ہے۔ اس کی بیعت حرام ہے اگر ہو جائے تو توڑنا فرض عین ہے۔ ورنہ خود بھی جہنم میں جائے گا اور اپنے پیچھے چلنے والوں کو بھی جہنم رسید کرے گا۔

- ہمارے باوا آدم تو انتقال فرما گئے ہیں مگر شیطانوں کا باوا آدم ابھی تک زندہ ہے اس لیے گمراہی زیادہ عام ہے۔
- شیطان اس لحاظ سے بڑا عقلمند ہے کہ بڑے بڑے عقلمندوں کو بے وقوف بنا دیتا ہے۔
- جب مسلمان کو اخلاص اور توکل کے دو پر لگ جاتے ہیں تو پھر وہ روحانیت کے آسمان پر اڑنے لگتا ہے۔
- بیعت کے دو فائدے ہیں:-

(۱) قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (ترجمہ) اور بہت ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں ان کے لیے مغفرت ہے اور اجر عظیم ہے۔ اور

(۲) یہ کہ قرآن مجید میں قیامت کے متعلق ارشاد ہے:۔

يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا (ترجمہ) جس دن لوگ ٹولے ٹولے ہو آئیں گے تو ہر ایک اپنے شیخ سے ملتے ملتے آپ تک مل جائے گا۔ الحمد للہ کہ ہمارا سلسلہ سیدھا حضورؐ تک پہنچتا ہے۔

لاہور یو! تم نے اپنی اولاد کو بی۔اے، ایم۔اے، پی۔ایچ ڈی کرایا۔ وکالت اور ڈاکٹری پڑھائی لیکن ایسی اولاد کو کیا کرنا اور اس کا کیا فائدہ جس کے لیے تم نے سب کچھ کیا مگر وہ اپنے باپ کے جنازہ پر دعائے جنازہ بھی نہیں پڑھ سکتی۔

- ولی کبھی مشرک نہیں ہو سکتا اور مشرک کبھی ولی نہیں بن سکتا۔
- اللہ تعالیٰ تو بڑا ہی نازک مزاج محبوب ہے۔ وہ اپنے تعلق میں غیر کی شراکت برداشت نہیں کر سکتا۔
- طلب صادق ہو تو کچھ عرصہ بعد شیخ کامل کی صحبت میں اس کا عکس ظاہر ہونے لگتا ہے۔
- مسجدیں ہدایت کی منڈیاں ہیں اور علمائے ربانی دکان دار۔ دکان ان کا سینہ ہے اور مال ہے قرآن۔ خریدار ہے مسلمان اور پونجی ہے ایمان۔ جو خاص نیت سے ایمان خریدنے یہاں آتا ہے۔ خالی ہاتھ نہیں جاتا۔
- دنیا میں سب طمع کے یار ہیں۔ بے طمع کا یار صرف اللہ ہے جو سب کچھ دیتا ہے لیکن کچھ نہیں لیتا۔ پھر بے طمع کے یار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ

شفاعت کیسے بغیر تیمن نہیں ہیں گے یا پھر بے لمع کے یا اللہ والے ہیں۔ باقی سب لمع کے یار۔ بیوی، اولاد اور برادری۔ اور برادری تو ایسی ہے کہ اگر اپنے بدن کے گوشت کا قیمہ بنا کر انھیں کھلا دیں تو بھی کوئی خوش نہ ہو۔

- — موتی ملنے ارزاں مگر اللہ والے ملنے اس سے بھی گراں۔
- — اللہ والوں کے جوتوں کی خاک میں وہ موتی ملتے ہیں جو بادشاہوں کے تاجوں میں نہیں ہوتے۔ نہیں ہوتے، نہیں ہوتے۔ یہ موتی قبر میں بھی ساتھ جائیں گے اور میدان حشر میں بھی۔
- — عقیدت، ادب اور اطاعت سے فیض آتا ہے۔ ان میں سے ایک تار بھی ٹوٹ جائے تو کنکشن ٹوٹ جاتا ہے۔
- لوگ کہتے ہیں اس جہاں میں بینا سارے، اندھا کوئی کوئی ہیں کہتا ہوں اس جہاں میں سارے اندھے بینا کوئی کوئی۔
- — جو قرآن مجید کا اتباع نہیں کرتے وہ آخرت کے لحاظ سے نپٹ اندھے ہیں۔
- — شیخ کی طرف اپنے آپ کو منسوب تو سب کرتے ہیں مگر پختہ وہی ہوتا ہے جو صحبت میں مدت مدید پانے کے بعد پک کر نکلے۔
- — کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں کامل ہو گیا ہوں۔ قبر میں داخل ہونے سے پہلے ہر وقت خطرہ ہے۔
- — ماں باپ کو ستانے والوں کو نہ نماز اور نہ روزہ جہنم سے بچائے گا نہ زکوٰۃ اور نہ ہی حج۔ ان کے لیے دوزخ کا فتویٰ دے رہا ہوں۔
- — گوش ہوش سے سنیے اگر آپ نے پیرس، برلن، ٹوکیو وغیرہ کی یونیورسٹیوں سے

ڈگریاں تو حاصل کر لیں لیکن قرآن مجید سے جاہل ہیں تو مرنے کے بعد قبر جہنم کا گڑھا بن جائے گی۔

- میرے دوستو! طبیعتوں پر قابو رکھو۔ جبر و صبر کی عادت ڈالو۔ خدا کو یاد رکھو یہ دُنیا فانی ہے۔ اپنے معاملات درست کرو۔ رزقِ حلال کما کر کھاؤ۔
- طالب کی ریاضت ایسی ہے جیسے زمین پودے کی جڑوں کو اپنی چھاتی کے اندر کھینچ کر رکھتی ہے اور شیخ کی توجہ ایسی ہے جیسے مالی پودے کو پانی دیتا ہے۔ دونوں چیزیں ہوں تو ترقی ہوتی ہے۔
- اپنی نشست و برخاست ہمیشہ ان لوگوں میں رکھیے جنہیں دیکھ کر خدا یاد آجائے ہمیشہ چراغ سے چراغ جلتا ہے۔
- والدین کا فرض ہے کہ اپنے بچوں کو دینی تعلیم دیں۔ ورنہ قیامت کے روز ان سے بازپرس ہوگی۔ اور وہ جہنم اٹھائے جائیں گے۔
- خدا اور اس کے فرمان کو دل سے ماننا اور اس پر عمل کرنا ہی ایمان ہے۔
- اگر کوئی شخص نماز کو فرض سمجھتے ہوئے بھی نہیں پڑھتا تو وہ فاسق ہے۔
- مرد کام کے لیے اور عورت اس کے آرام کے لیے ہے۔
- اگر آپ کی کسی سے دوستی ہو تو صرف اللہ کی رضا کے لیے اور اگر دشمنی ہو تو بھی خدا تعالیٰ کی رضا مطلوب ہو۔
- تفکر بالقرآن اور تدبر بالقرآن کا نظریہ مطالعہ قرآن کے وقت پیش نظر ہونا چاہیئے۔
- قرآن کی تعلیم سے ہی جرأتِ ایمانی پیدا ہوتی ہے۔

اتباع قرآن وشریعت سے انسان کامل انسان بنتا ہے۔

- حدیث کا انکار کرنا قرآن کا انکار کرنا ہے اور قرآن سے انکار کرنے والے کا ایمان سلب ہو جاتا ہے۔
- جس طرح ایک مرد اپنی بیوی سے غیر مرد کے تعلقات کو برداشت نہیں کرتا اسی طرح اللہ تعالیٰ کسی غیر اللہ سے ان تعلقات کو جو ان سے ہونے چاہئیں پسند نہیں کرتے۔ اگر کسی غیر اللہ سے تعلق ہو تو وہ شرک ہے۔
- غیر اللہ کو سجدے کرنا، ان سے مرادیں مانگنا، ان کی قبروں پر چڑھاوے چڑھانا یا مصیبت کے وقت ان کی امداد طلب کرنا بھی شرک ہے۔
- کافر بتوں کو سجدے کرتے تھے اور آج مسلمان اولیاء کرام کی قبروں پر سجدے کرتے ہیں۔
- خدا تعالیٰ شرک سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔
- جن علماء نے قرآن کو ذریعہ معاش بنا رکھا ہے، وہ یاد رکھیں کہ قیامت کے روز جنت کی ہوا بھی نہ سونگھنے پائیں گے۔
- مجموعۂ ہدایت قرآن ہے۔
- ہادی کی آواز پر اگر آپ لبیک نہیں کہہ سکتے تو خدارا اُس سے جنگ تو نہ کیجئے۔
- یاد رکھیے! اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو جو اذیت پہنچاتا ہے، خدا اس کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔
- ہادی اتمام حجت کے لیے آتے رہیں گے تاکہ قیامت کے روز لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ اے خداوند تعالیٰ آپ نے کب ہمیں راہ راست دکھائی تھی کہ ہم تیرے

حکم کی تعمیل کرتے۔

- رنڈیوں، شراب خانوں اور سنیما خانوں سے ہم عشق کرتے ہیں لیکن خدا اور اس کے دین سے نفرت۔ خدارا اپنی بھلائی اور بہتری کے لیے آنکھیں کھولو۔
- کامل مومن وہ ہے جس کا تعلق خالق اور مخلوق سے ہے۔ خالق کو راضی کرنا آسان ہے لیکن مخلوق کو بہت مشکل۔ مخلوق کو خوش کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ان کا حق ادا کر دے اور اپنا حق طلب نہ کرے۔
- صلہ رحمی یہ نہیں کہ جوڑنے والے سے جوڑے بلکہ توڑنے والے سے جوڑے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ "مرنے سے پہلے مرجاؤ"۔
- بیماری انسان کے لیے تنبیہ ہے۔
- حرام کی کمائی نورِ ایمان کو ختم کر دیتی ہے۔ اپنی آمدنی کے مطابق خرچ کرو۔
- ایمان کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ تیرے دروازے پر جا رہا ہوں۔ وہاں پر تیرا جو حکم تیرا نبی بتائے گا۔ دل سے مان کر عمل کروں گا۔
- ایمان کی منڈیاں مسجدیں ہیں۔
- بد کبھی عزت حاصل نہیں کر سکتے اور نیک کبھی رسوا نہیں ہو سکتے۔
- نیک کمائی سے نیک صلاحیت پیدا ہوتی ہے جس کی غذا گندی، اس کے ضمیر کی آواز بھی گندگی سے آلودہ ہو گی۔
- جو شخص کسی کو فریب نہیں دیتا۔ وہ ہر کسی کے نزدیک عزت حاصل کر لیتا ہے۔
- قرآن کے فرمان کا اتباع کرنے والے دانش مند، مآل اندیش اور مخالفین پاگل ہیں۔

علالت اور رحلت

آخری ایام جس پاکیزہ انسان کی ساری زندگی دینِ حق کی اشاعت، خلق اللہ کی خدمت، عبادتِ الٰہی اور شب بیداری کرتے ہوئے گزری۔ اُس کی جسمانی صحت درست رہنا مشکل ہے۔ حضرت جی اپنی حیاتِ مبارک کے آخری ایام میں فالج اور ذیابیطس جیسے امراض میں مبتلا تھے لیکن اس کے باوجود حضرتؒ کا چہرہ مبارک نُورانی تھا۔ ٹانگوں کو ہاتھ لگانے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی بچے کی ٹانگیں ہیں مگر جب دربارِ خداوندی میں قیام کا وقت آتا تو جوانوں سے زیادہ سر و قدم ہو جاتے تھے اور اکثر اوقات نوافل بھی کھڑے ہو کر ادا فرماتے تھے۔ مرض آہستہ آہستہ بڑھتا رہا۔ مگر اس کی زیادتی نے تقاربِ رب کے عاشق کو پریشان نہیں کیا بلکہ اور تازہ دم کر دیا۔ اکثر فرمایا کرتے تھے:۔

"میں نے اللہ تعالیٰ سے جو مانگا وہ مجھے دیا میں اُس سے راضی ہوں جب بُلائے میں حاضر ہوں"

کئی سالوں سے کفن سلوا کر رکھا ہُوا تھا۔ قبر کی جگہ صاحبزادہ صاحب اور حاجی دین محمد صاحب کو بتا دی تھی۔ بلکہ جب آخری عمرہ کرنے کے لیے تشریف لے جا رہے تھے تو حسبِ ذیل ارشاد فرما گئے تھے:۔

"میں ۱۸ جولائی بروز جمعرات صبح کے وقت عمرہ کرنے مکہ معظمہ جا رہا ہوں۔ ۲۱ جولائی کو جمعہ کراچی پڑھوں گا۔ حکومت نے مجھے اجازت

دے دی ہے۔ میں پہلے سے جانے والا تھا۔ اچانک میری ایڑی میں سخت درد ہونے لگا۔ جس کی وجہ سے میں چار دن تک چل پھر نہ سکا اور جو ٹکٹ میں نے خرید رکھا تھا۔ واپس کر دیا۔ موت کا علم نہیں کہ کب آ جائے پانچ سال ہو گئے ہیں۔ میں نے درزی کو بلا کر اپنے ماپ کا کفن تیار کرا لیا تھا۔ میں ہر وقت موت کے لیے تیار رہوں۔ اگر مکہ معظمہ میں فوت ہو گیا تو نصیحت کرنا کہ میرے مرنے کے بعد کسی بدعتی یا قبر پرست پیر کے پیچھے نہ لگ جانا اور گمراہ نہ ہو جانا بلکہ کسی متبع سُنّت اور اصلاح یافتہ عالم کی صحبت اختیار کرنا۔ یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ سارے مولوی اور پیر ہدایت یافتہ نہیں ہوتے بلکہ گمراہ ہوتے ہیں۔"

حضرتؒ نے آخری دنوں میں جو خطبہ دیا اس میں آپ کے وصال کی اطلاع کی جھلک صاف نظر آتی تھی۔ آپ نے جنوری اور فروری ۱۹۶۲ء میں آنے والے اکثر خدام سے ایسے کلمات فرمائے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اب آپ لقاءِ رب کے لیے پابرکاب ہیں۔

حضرتؒ نے حاجی دین محمد صاحب (لاہور) کو وصال سے دو تین دن پہلے فرمایا:

"اب میں آپ کے پاس خطبہ لکھنے کے لیے نہیں آیا کروں گا۔"

اسی جمعہ مبارک کو آپ کے خادم خاص مولانا محمد صابر صاحب نے سسرال جانے کی اجازت چاہی تو آپ نے خلاف معمول نہ دی۔

رحلت کی پیشین گوئیاں ادھر عالم بالا میں آپ کی رحلت کا اعلان ہو چکا تھا۔ چنانچہ وہ افرادِ قدسیہ جو اس کُرۂ ارضی پر رہتے ہوئے بھی بحمدہٖ و باذنہٖ تعالیٰ عالم بالا کی خبروں سے واقف ہوتے ہیں۔ ان میں

سے بعض نے اس کی اطلاع دی تھی۔ بھائیکے کی جامع مسجد کے خطیب مفتی ابوالشفاء کا بیان ہے کہ " ہمارے ہاں ایک مجذوب نے محویت اور جذب کے عالم میں چند باتیں فرمائیں۔ اس نے استغراق وانہماکِ مجذوبانہ میں پکار کر کہا کہ لوگو! تمہارا خیال ہے کہ لاہور میں صرف ایک علی ہجویری علیہ الرحمۃ ہیں۔ آؤ اگر زندہ علی ہجویری دیکھنا ہو تو شیرانوالہ دروازہ میں حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب کو دیکھو۔ مگر ان کا وقت تھوڑا سا رہ گیا ہے۔"

اسی طرح حضرتؒ کے وصال سے کچھ دن پہلے مکہ مکرمہ میں ایک باخدا بزرگ نے حضرتؒ کے ایک معتقد عبدالرحمٰن صاحب بکھنہ نوشہرہ کو، جو حج کے لیے گئے ہوئے تھے آپ کی رحلت کی اطلاع دی۔ عبدالرحمٰن صاحب کا بیان ہے کہ ۱۹ فروری ۱۹۶۲ء بروز سوموار بعد از نماز عشاء ہم لوگ باب العمرہ سے باہر ایک ہوٹل میں چائے پی رہے تھے کہ ایک شخص آکر بیٹھ گیا۔ باتوں ہی باتوں میں ہم سے دریافت کرنے لگا کہ آپ کا تعلق کس ہستی سے ہے؟ میں نے شیخ التفسیر حضرت لاہوری کا نام لیا تو اس نے کہا کہ ان کا تو انتقال ہوگیا۔ میں نے بڑی حیرت سے پوچھا۔ آپ سے کس نے کہا؟ ریڈیو میں آیا یا کسی نے اطلاع دی؟ اس نے کہا: مجھے کسی نے بتایا ہے۔ میں نے بہت پوچھا کہ کس نے بتایا مگر اس نے نہ بتایا۔ طبیعت از حد بے چین و مغموم ہوئی۔ دوسرے دن باوجود کوشش کے کسی جگہ سے اطلاع نہ مل سکی۔ ہم سمجھے کہ یہ خبر جھوٹی ہے۔

۲۳ فروری کو جمعۃ المبارک کہ مکہ معظمہ میں پڑھ کر ۲۴ فروری بروز ہفتہ بعد العصر مدینۃ المنورہ پہنچے۔ اگلے دن مولانا حافظ حبیب اللہ صاحب سے ملاقات ہوئی ان سے بھی کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ مگر دوسرے دن انھوں نے اطلاع دی کہ حضرتؒ کا انتقال ہوگیا ہے۔

سفرِ آخرت

حضرتؒ نور خد ۲۲ فروری بروز جمعہ ۱۰ بجے صبح اپنے مکان سے حسبِ معمول مسجد لاٹن والی میں خطبہ جمعہ کے لیے تشریف لائے۔ حضرت اقدس ایک عرصے سے علیل اور نحیف ہونے کے باعث گھر سے مسجد تک کار یا تانگہ میں تشریف لایا کرتے تھے۔ مگر اس دن آپ نے اپنے صاحبزادہ مولانا عبید اللہ انور صاحب کو سواری لانے سے منع فرمایا۔ مولانا انور صاحب کی خوشی اور حیرت کی انتہا نہ رہی جب انھوں نے حضرت شیخ وقت کو ہوائی کی سی تیز رفتاری کے ساتھ مسجد کی طرف روانہ ہوتے دیکھا۔

مولانا انور صاحب حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو حجرہ میں چھوڑ کر خود کسی اور جگہ خطبہ جمعہ ارشاد فرمانے چلے گئے۔

پونے بارہ بجے حضرت شیخ کے چھوٹے صاحبزادے مولانا حافظ حمید اللہ صاحب لباس تبدیل کرانے کے لیے حضرت اقدس کی خدمت میں پہنچے تو آپ کی طبیعت ناساز تھی۔ پیٹ میں درد تھا اور متلی وغیرہ کی شکایت تھی۔ چنانچہ حضرت اقدس کی ناسازئ طبع کے پیش نظر مولانا حافظ حمید اللہ صاحب ہی کو نماز جمعہ کا خطبہ ارشاد فرمانا پڑا۔ نمازِ جمعہ کے فوراً ہی بعد ڈاکٹر کیپٹن چودھری صاحب، جو حضرتؒ کے عشاق میں سے ہیں، شیخ العالم کی خدمت میں پہنچے۔ اُنھوں نے طبی امداد پہنچائی اور کار کے ذریعہ حضرت شیخ کو گھر لے گئے۔ شام تک اُنھوں نے تین انجکشن لگائے لیکن حالت نہ سنبھل سکی۔ وہ متعدد ڈاکٹروں سے بھی مشورہ کرتے رہے۔ لیکن افاقہ نہ ہوا۔ شام کو مشہور ڈاکٹر محمد یوسف صاحب بھی تشریف لائے اور حضرت اقدس کو ہسپتال لے جانے کا مشورہ دیا لیکن اللہ کی حکمت اس کے برعکس تھی۔
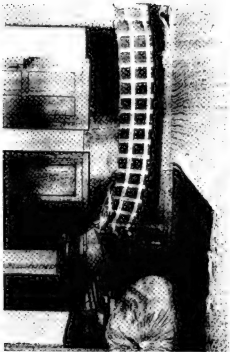
جامع مسجد خیر المدارس میں حضرتؒ کا حجرہ استراحت۔ چارپائی خالی پڑی ہے اور آرام کرنے والی ہستی گوشۂ قبر میں آرام فرما ہے۔

یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ حضرت اقدس نے مغرب تک کی تمام نمازیں ہوش کی حالت میں ادا کیں۔ اگرچہ بیہوشی بھی طاری ہوتی رہی مگر نماز کے وقت ہوش آجاتا۔ چونکہ طبیعت پر فطری طور پر صوم و صلوٰۃ کا غلبہ تھا۔ اس لیے بے ہوشی کی حالت میں بھی توجہ نماز اور ذکرِ الٰہی کی طرف رہی۔ اسی دن رات کے ۱/۲ ۹ بجے آپ نے نمازِ عشاء کی نیت باندھی اور سجدے کی حالت میں آپ کا وصال ہوگیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ط

اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس دیرینہ دُعا کو قبول فرما لیا کہ اے اللہ! جب تک تیری دُنیا میں زندہ رہوں، خدمتِ دین کرتا رہوں۔ اور میری کوئی نماز قضا نہ ہونے پائے۔ ایک نماز پڑھنے کے بعد دُوسری نماز کا وقت ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچ جاؤں۔ چنانچہ جمعرات تک حضرتؒ نے اپنے تمام مشاغل معمول کے مطابق سرانجام دیئے۔ جمعہ کو روزہ رکھا اور تمام فرائض کی ادائیگی کے بعد اپنے مولیٰ سے جا ملے۔

بارہ بجے شب آپ کے صاحبزادوں مولانا عبیداللہ صاحب اور حافظ حمیداللہ صاحب نے آپ کو آخری غسل دیا۔ اور مشتاقانِ زیارت کی خواہش کے پیشِ نظر حضرتؒ کے مکان واقع حضری محلہ اندرون شیرانوالہ گیٹ کی نچلی منزل کے صحن میں حضرتؒ کے وجودِ اقدس کو زیارت کے لیے رکھ دیا۔

حضرتؒ کی نصیحت تھی کہ جمعہ و عیدین کے علاوہ درس کا ناغہ نہ کیا جائے۔ چنانچہ سعادت مند صاحبزادوں نے گھر میں باپ کا جنازہ رکھ کر تڑپتے ہوئے دل اور اشکبار آنکھوں سے اس نصیحت پر عمل کیا اور درسِ قرآن حکیم دیا۔ جب قرآن پاک کھولا گیا تو

جس آیت پر نظر پڑی وہ تھی کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ۔ حاضرین درس کی سسکیاں فزوں تر ہوتی جا رہی تھیں۔ آخر جب درس کا اختتام ہُوا تو حاضرین درس بے تابانہ اپنے اس خطیب کو ایک نظر دیکھنے کے لیے دوڑے جس کی آواز سے اُن کی سماعت محروم ہو چکی تھی۔

طلوع آفتاب کے ساتھ ساتھ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور اخبارات نے ہر شہر اور ہر قریہ کو اس عظیم المرتبت انسان کی رحلت سے باخبر کر دیا۔ چنانچہ عقیدتمند ہوائی جہازوں، ریل گاڑیوں اور موٹروں کے ذریعے جوق در جوق شیرانوالہ پہنچ گئے۔ مردوں اور عورتوں کے گروہ باری باری اپنے محبوب شیخ کی زیارت سے مشرف ہوتے رہے آخر جب مکان اتنے بڑے ہجوم کا متحمل نہ ہو سکا تو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس شیخ اسرار احمد صاحب نے حضرت کے صاحبزادوں سے اجازت لے کر جسدِ اطہر کو مکان کے باہر گلی میں رکھوا دیا۔ اور اوپر شامیانے لگا دیئے گئے۔ صبح سے لے کر ۲ بجے تک مشتاقانِ دید اپنے شیخ کی آخری جھلک دیکھتے رہے۔

بعد از نمازِ ظہر تمام علمائے کرام جمع ہوئے تو حضرتؒ کی نمازِ جنازہ کے لیے امامت کے انتخاب کا سوال اُٹھایا گیا۔ بیشتر علمائے کرام نے یہ تجویز پیش کی کہ چونکہ حضرتؒ نے اپنے مجھلے صاحبزادے مولانا عبیداللہ انور کو اپنا قائم مقام اور اپنے بعد امیر انجمن بنایا تھا، اس لیے وہی نماز پڑھائیں۔

اس فیصلے کے بعد جنازہ اُٹھایا گیا۔ بے پناہ ہجوم کی وجہ سے چارپائی سے باندھنے کے لیے تیس تیس گز لمبے بانس لائے گئے۔ مکان سے مسجد تک جنازہ ویسے ہی لایا گیا۔ کیونکہ گلی سے طویل بانس باندھ کر جنازہ نکلنا ممکن نہ تھا۔ مسجد کے نزدیک

چارپائی سے بانس باندھ دیئے گئے۔ لوگوں کی خواہش کے پیش نظر حضرت کا رُخِ انور کھلا رکھا گیا تھا تاکہ کوئی شخص آپ کی آخری جھلک سے محروم نہ رہ جائے۔

اس کے بعد آپ کا جنازہ شیرانوالہ گیٹ سے باہر سرکلر روڈ پر لایا گیا۔ جوں جوں جنازہ آگے بڑھ رہا تھا، توں توں ہجوم میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس نے، جو پولیس کی بھاری جمعیت کے ساتھ جنازے کے جلوس کے ہمراہ تھے، یہ پیشکش کی کہ ہم ایک کھلی کار منگوائے دیتے ہیں، حضرت کی چارپائی اُس پر رکھ دی جائے مگر بانس بدستور اس کے ساتھ بندھے رہیں۔ اس طرح تمام لوگ اس بانس کو چھونے کی سعادت حاصل کر سکیں گے۔ حافظ حمید اللہ صاحب نے کہا کہ حضرت اقدس قوم کی امانت تھے۔ اگر قوم اس کے لیے تیار ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں، لیکن لوگوں نے اس بات کو گوارا نہ کیا۔

حضرتؒ کا جنازہ سرکلر روڈ پر براستہ دہلی گیٹ، اکبری گیٹ، شاہ عالمی گیٹ اور انارکلی قبرستان میانی صاحب کی طرف بڑھتا گیا۔ یہاں سے پولیس کی ایک جیپ جنازے کے آگے آگے چلا دی گئی تھی تاکہ ہجوم کی وجہ سے جنازہ رُکنے نہ پائے اور آگے بڑھتا رہے۔ پولیس نے شیرانوالہ سے یونیورسٹی گراؤنڈ تک ٹریفک بند کر دیا تھا۔ حدِ نگاہ تک انسانوں کا ایک سیلِ رواں نظر آتا تھا۔ دورویہ مکانوں اور دکانوں کی چھتیں عورتوں اور بچوں سے اَٹی پڑی تھیں۔ عورتیں چھتوں سے حضرتؒ کے جنازے پر پھول برسا رہی تھیں۔

کم و بیش ساڑھے چار بجے کے قریب جنازے کا جلوس یونیورسٹی گراؤنڈ میں پہنچا۔ اندازاً ڈیڑھ دو لاکھ انسانوں نے نمازِ جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔

نماز کے بعد گروہ عاشقاں اپنے محبوب شیخؒ کو کندھوں پر اٹھائے قبر پر پہنچا اور

اٹھارہ رمضان المبارک کی افطاری سے دس منٹ قبل حضرت مولانا عبداللہ صاحب درخواستی، مولانا عبیداللہ انور صاحب، حافظ حمید اللہ صاحب اور چند دیگر معتقدین نے حضرت قطب عالم مولانا غلام محمد صاحب دین پوری او قطب الاقطاب حضرت مولانا سید تاج محمود صاحب امروٹی رحمۃ اللہ علیہ کی اس مشترکہ امانت کو لحد میں اُتار دیا۔ اس طرح غروب آفتاب کے ساتھ علم و عرفان کا یہ آفتاب بھی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

اک آسرا تھا دید کا باقی سو مٹ گیا
سُنتے ہیں بند روزنِ دیوار کر دیا

کفن میں ملبوس وجود مبارک بھی نظروں سے اوجھل ہو گیا تو سسکیوں نے فضا کو گھیر لیا۔ آہ و فغاں بلند ہونے لگی۔ ہر شخص ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتا تھا مگر اپنی آنکھوں اور دل پر اس کو اختیار حاصل نہ تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ فضا اور ہوا شریک رنج و غم ہیں۔ بادل گرج گرج کر، بجلی چمک کر سلامی دے رہی تھی۔ آخر گورکنوں نے تیزی سے مٹی ڈالنا شروع کر دی۔ حضرتؒ کے مقربین جو قبر کے نزدیک کھڑے تھے دُور کھڑے عشاق کی التجاؤں کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ وہ لوگ ان سے مٹی کے ڈھیلے مانگ رہے تھے تاکہ ان کے ہاتھوں سے چھوئی ہوئی مٹی قبر پر ڈالی جا سکے۔

جب قبر کا تعویذ تیار کیا جا رہا تھا تو روزہ افطار کرنے کا سائرن سُنا گیا۔ بہت سے حضرات افطاری کے لیے اشیائے خوردنی ساتھ لائے تھے جن کو وہاں تقسیم کیا گیا۔ قبر کی تیاری کے بعد حضرت مولانا عبداللہ صاحب درخواستی نے دُعا فرمائی اور ہجوم آمین کہتا گیا۔ دُعا کے بعد مجمع گروہوں میں بٹ کر نماز مغرب کی ادائیگی کے لیے رخصت ہو گیا۔

مزارِ مبارک سے خوشبو۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مرقد انور (قصبہ خارتنگ۔

علاقہ سمرقند) سے خوشبو کا آنا متواتر ہے۔ آج بارہ سو سال سے وہاں کی معطر فضا زائرین کے ایمان کو تازہ کر رہی ہے۔ خداوند قدوس نے اپنی رحمت کا اظہار امام الاولیاء مولانا احمد علی صاحب قدس سرہ العزیز کی آرام گاہ پر بھی فرمایا۔ لاکھوں انسانوں نے اس خوشبو کو نہ صرف محسوس کیا بلکہ تجربہ اور تجربہ کے بعد یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ واقعی" مولانا کی قبر اور اس کے اردگرد سے خوشبو آتی ہے۔

اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ ہر قبر اور ہر اس جگہ سے جہاں کسی انسان کا بدن اصلی شکل میں، ذرات خاکی کی شکل میں یا مادہ سیال کی شکل میں پڑا ہو وہاں سے بدبو یا خوشبو آتی ہے۔ روحانی قوت سے مشرف حضرات اس کو محسوس کرتے ہیں۔ اس لیے کہ موت فناء کا مل کا نام نہیں بلکہ انتقال مکانی کا نام ہے۔ محدث عصر علامہ انورشاہ کاشمیری نے فرمایا۔

ع موت ایں طرف بود زیستن آں طرف

اور اقبال مرحوم نے اسی کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:۔ ؎

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

چنانچہ قرآن کریم نے موت کے فوراً بعد انسانی حیات قبر کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۝ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ۝ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ۝ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ۝

ترجمہ:۔ پھر (جب قیامت آئے گی) اگر وہ مقربین میں سے ہے تو (اس کے لیے) راحت اور خوشبوئیں اور عیش کے باغ ہیں اور اگر وہ جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہے تو کھولتا ہوا پانی مہمانی ہے

جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النِّیْرَانِ (مشکوٰۃ)

ترجمہ: قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ بن جاتا ہے اور یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا بن جاتا ہے۔

آئے دن اخبارات میں ایسے واقعات کثرت سے آتے رہتے ہیں کہ فلاں جگہ قبر سے آگ نکلی اور متواتر کئی دن تک شعلے بلند ہوتے رہے اور فلاں جگہ سے دھواں نکلا۔ (العیاذ باللہ)

قبر کا جنت کے باغوں میں سے باغ بن جانا بھی یقینی ہے جس کا مشاہدہ حضرت کے مزار پر انوار سے ہو رہا ہے۔ جس وجود پاک نے ستر اسی سال خداوند قدوس کی طاعت میں گزارے ہوں تزکیۂ نفس کے اس بلند مقام پر فائز ہوا جس کی مثال اس کے معاصرین میں نہ مل سکی۔ اس کی تربت سے خوشبو کا آنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔

قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ اسرارہم نے ارشاد فرمایا:۔

"وگفتہ اند کہ ابوالحسن نوری رحمہ اللہ تعالیٰ نوری از ایشاں بارہا نور دیدہ شدہ بسیار خواص و عوام از مقابر صلحاء و شہداء نور مرتفع می بینند و ایں نور نفس زاکیہ ایشاں است کہ چوں کار نفس عالی می بود نور او در بدن سرایت می کند و طبع مزاج بدن می گردد و باز اگر نفس از بدن مفارق ہم می شود تاہم آں جسد منبع انوار و منفذ آں می باشد چنانچہ در حالتِ حیات بقاء نفس بود۔" (صـ۸۶ از کتاب امداد السلوک مؤلفہ حضرت قطب الارشاد)

یعنی جو بدن اس دنیا میں اطاعتِ خداوندی اور تزکیۂ نفس کے عالی مقام پر فائز رہتا ہے وہ اس جہانِ فانی سے چلے جانے کے بعد بھی انہی صفات کے ساتھ موصوف رہتے ہوئے مطلع انوار بن جاتا ہے۔ اس لیے اکثر اولیاء اللہ کے مزارات سے "نور" کا

مشاہدہ عام و خاص لوگوں کو ہوتا رہتا ہے۔

انسان زندگی میں جن اعمال کا پابند رہا ہو موت کے بعد اس کی قبر سے وہ اعمال برزخی شکل میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ قرآن کریم نور ہے تو عامل بالقرآن کے مزار پُر انوار سے نور کا ظاہر ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ حدیث میں عامل بالقرآن کو اس نارنگی سے تشبیہ دی گئی ہے جس کا مزہ بھی لذیذ اور خوشبو بھی دل پسند ہوتی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک صحابی نے ایک قبر سے سورۂ ملک کو اتنی دفعہ سُنا کہ سُن سُن کر حفظ کر لی۔ (ترمذی)

مولانا عبیدُاللہ صاحب انورؔ کی دستار بندی

یادگارِ سلف، قدوۃُ السالکین، زبدۃ العارفین، حضرت مولانا عبد الہادی صاحب دامت برکاتہم سجادہ نشین دین پور شریف اخلفِ اکبر حجۃُ اللہ فی الارض شیخ المشائخ غوث الاغواث حضرت خلیفہ غلام محمد صاحب دین پوری قدس سرہ العزیز) نے سلطان الاولیاء، قطب الاقطاب، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی وصیت اور سلسلۂ قادریہ راشدیہ کی روایت کے مطابق شیخ التفسیر علیہ الرحمۃ کے فرزندِ ارجمند حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب مدظلہ العالی کو ۱۹ ؍ مارچ ۱۹۶۲ء کو بعد از نمازِ فجر باقاعدہ پگڑی بندھوائی اور حضرتِ اقدس علیہ الرحمۃ کے متوسلین کو جملہ معاملات اور منازلِ سلوک میں رہنمائی حاصل کرنے کے لیے آپ سے رجوع کرنے کی ہدایت فرمائی۔

سلسلۂ قادریہ راشدیہ میں دستار بندی کا طریق شیخ المشائخ غوثِ زماں حضرت مولانا محمد راشد صاحب قدس سرہٗ کے وقت سے چلا آتا ہے۔

قطبُ الاقطاب مولانا محمد راشد صاحب علیہ الرحمۃ کے دو صاحبزادے تھے۔ دونوں ہی آپ سے مجاز تھے۔ چنانچہ جانشینی کا امتیازی منصب برقرار رکھنے کے لیے اور جماعت کی مرکزیت قائم رکھنے کی غرض سے آپ نے بڑے صاحبزادے کو پگڑی بندھوائی تاکہ متوسلین ان کی سرپرستی میں مقاماتِ سلوک طے کرسکیں۔ اسی نسبت سے کہ آپ کو پگڑی بندھوائی گئی تھی، لوگوں نے آپ کو پیر پگاڑا کہنا شروع کر دیا۔ جو امتدادِ زمانہ کے ساتھ سندھ میں پیر پگاڑو کے نام سے مشہور ہو گئے۔

اس وقت سے لے کر آج تک اس سلسلے میں یہ روایت چلی آتی ہے کہ جب کوئی صاحبِ مقام، ولیٔ کامل دنیا سے اٹھ جاتا ہے تو اس کے جانشین کی دستار بندی کی جاتی ہے۔ قطبُ الاقطاب شیخ التفسیر علیہ الرحمۃ نے بھی اسی طرح شیخ المشائخ حضرت دین پوری علیہ الرحمۃ کے وصال کے بعد ولیٔ کامل حضرت مولانا عبدالہادی صاحب مدظلہ کی دستار بندی کی تھی۔

حضرت مولانا و مقتدانا عبید اللہ انور صاحب مدظلہ العالی اگرچہ حضرت شیخ التفسیر علیہ الرحمۃ کے وصال کے دن ہی حضرتؒ کی وصیت اور مغربی پاکستان کے تمام علماء کرام کے فیصلے کے مطابق جانشین شیخ قرار دیئے جا چکے تھے اور محض اسی منصب کی بنا پر حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب درخواستی جیسے صلحائے امت اور اولیاء سُنّت نے حضرتؒ کی نمازِ جنازہ آپ سے پڑھوائی تھی۔ لیکن حضرت مولانا عبدالہادی صاحب نے سلسلہ قادریہ کی روایت کو برقرار رکھنے اور بزرگوں کی سُنّت کو تازہ کرنے کی غرض سے آپ کی باقاعدہ دستار بندی فرمائی۔

اَلْبَاقِیَاتُ الصّٰلِحَات ۔ انسانی زندگی کو قرآن حکیم نے تین حصوں میں

تقسیم کرتے ہوئے فرمایا:۔

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ	مال اور بیٹے ہیں زیبائش زندگی دنیا کی
الدُّنْيَا وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ	اور باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں آپ کے رب
خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ	کے یہاں ثواب کے لحاظ سے اور بہتر ہیں توقع کے
اَمَلًا ﴿ الکہف ؛ ۴۶ ﴾	اعتبار سے۔ (تسہیل القرآن)

مال اور اولاد زینت حیات دنیا ہے اور باقی رہنے والی نیکیاں ہی ہیں۔ اگر انسان اپنی اولاد کی دینی قسم کے لیے تربیت کرتا ہے تو وہ بھی اس کے باقیات الصالحات میں شمار ہوتی ہے۔ اسی طرح جو مال اطاعت خداوندی میں صرف کیا جائے باقیات الصالحات میں شمار ہوتا ہے۔

حضرتؒ کے الباقیات الصالحات میں، رُوحانی اولاد تو ہزاروں کی تعداد میں ہے جو مفسر، محدث، فقیہ، راہ نمائے طریقت کی شکل میں موجود ہیں اور حضرتؒ کی صلبی اولاد بھی وہ اولاد ہے جو قرة العین کا مصداق اور ذرية طيبة کی مکمل تصویر ہے۔ ان کا اجمالی تذکرہ درج ذیل ہے:۔

۱۔ **الحاج حافظ مولانا حبیب اللہ صاحب** حضرتؒ کے سب سے بڑے صاحبزادے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل اور حضرتؒ کے تربیت یافتہ ہیں۔ چودہ سال سے حرمین شریفین میں قیام پذیر ہیں تین ماہ مدینہ کے گھر میں گزارتے ہیں اور نو ماہ رسول خدا کے گھر میں۔ عارف باللہ ہیں۔ سلوک اور طریقت کے بلند ترین مقام پر فائز ہیں۔ حرمین میں لوجہ اللہ درس قرآن وحدیث دیتے ہیں۔

۲۔ **الحاج مولانا عبید اللہ انور صاحب** حضرتؒ کے دوسرے صاحبزادے

ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل اور حضرتؒ کے تربیت یافتہ ہیں حضرتؒ کے وصال پر باتفاق مریدین، خلفاء اور جملہ علماء پاکستان و سجادہ نشین حضرت دین پوریؒ آپ کو حضرتؒ کا جانشین مقرر کیا گیا ہے۔

۳۔ الحاج حافظ مولانا حمید اللہ صاحب حضرتؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ جامعہ اشرفیہ کے فارغ التحصیل اور قرآن حکیم کے حافظ ہیں۔ روحانیت میں حضرتؒ کے تربیت یافتہ ہیں۔ حضرتؒ نے اپنی حیات ہیں ان کو جامع مسجد فیض باغ کا متولی مقرر فرما دیا تھا۔

۴۔ ایک صاحبزادہ جو مولانا عبید اللہ انور صاحب سے بڑا تھا اور جس کا نام بھی عبید اللہ ہی تھا، فوت ہو چکا ہے۔

۵۔ عائشہ بی بی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں۔ لاہور میں قیام پذیر ہیں اور مولانا نور اللہ صاحب (جو کہ حضرتؒ کے شاگرد بھی ہیں) کے عقد میں ہیں۔ ان کے ۵ لڑکے اور ۶ لڑکیاں ہیں۔

۶۔ مریم بی بی۔ فوت ہو چکی ہیں۔

۷۔ فاطمہ بی بی عنفوان شباب میں تپ دق کے باعث فوت ہو گئیں۔

۸۔ رقیہ بی بی۔ جوانی میں فوت ہو گئیں۔

۹۔ فاطمہ بی بی یہ سب سے چھوٹی تھیں۔ اوائل عمر ہی میں وفات پا گئیں۔

حضرتؒ کے وہ تمام دینی اور علمی کام باقیات الصالحات کے گل سرسبد ہیں جن کے تفصیلی حالات گزر چکے ہیں۔ ان کی اجمالی فہرست درج ہے:۔

مدرسہ قاسم العلوم شیرانوالہ — مدرسہ البنات، شیرانوالہ — چھ مساجد جو لاہور ہی میں ہیں۔ مسجد اچھرہ، مسجد فاروق گنج، مسجد مصری شاہ، مسجد رحمٰن پورہ، مسجد میو ہسپتال

مسجد بیگم پورہ۔

رسالہ خدام الدین لاہور۔ تصانیف جن کی مجموعی تعداد ساٹھ تک ہے۔

ترجمہ قرآن حکیم لفظی۔ ترجمہ قرآن حکیم با تفسیر و حاشیہ۔ تفسیر و ترجمہ سندھی از حضرت امروٹی جو حضرت ہی نے شائع فرمایا۔

باقی تصانیف کا حال پہلے درج کیا جا چکا ہے۔

وصیت حضرت زندگی ہی تقسیم حصص جائداد کر کے فارغ ہو چکے تھے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے کہ میں اس حالت میں مرنا نہیں چاہتا کہ میرے نام پلاٹیں اور روڑے لکھے ہوئے ہوں۔

وصیت کے طور پر آپ نے اپنے صاحبزادوں کو تین باتوں کی تلقین کی تھی۔

۱۔ کیمیا گری کے چکر میں نہ پڑنا۔

۲۔ تعویذ اور جنتوں کو فالو کرنا اور عملیات کرنا ٹھیک نہیں صرف ذکر الٰہی میں مداومت کرنا۔

۳۔ کبھی کسی کی ضمانت نہ دینا۔

ترکہ ایک رہائشی مکان جو کہ لاہور عثمان خاں میں ہے آپ نے ترکہ میں چھوڑا اور یہ بھی آپ نے اپنی حیات میں ہی اپنی اہلیہ اور بچوں کے نام رجسٹرڈ کرا دیا تھا۔

اس کے علاوہ چند ہزار روپے تھے جو کہ عمرہ پر جانے کی غرض سے رکھے تھے۔ وہ شرعی طریقے سے آپ کی اولاد میں تقسیم کر دیئے گئے۔

مراثی حضرتؒ کے وصال پر عالم اسلام میں جس رنج و غم کا اظہار کیا گیا، اس کا اندازہ اُن مرثیوں سے کیا جا سکتا ہے جو حضرتؒ کے ارادت مندوں نے آپ کی رحلت کے بعد لکھے یہاں صرف چند اشعار مراثی درج کیے جاتے ہیں:۔

صاحبزادہ ابوسعید فضل احمد قمر ابن صحرائی (پشتو مع ترجمہ اُردو)

بر وفاتِ حسرت آیاتِ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمہ اللہ تعالیٰ

نن پہ خلقو کښې وير کيږي دے چاپيرچل
آج میں دیکھتا ہوں کہ خلقت میں ہر دم ماتم بپا ہے

پيژندے پکښې پرہ دے شي اونہ خپل
اپنے اور پرائے کی شناخت نہیں ہو سکتی

مولانا احمد علی مړشہ افسوس دے
افسوس ہے کہ مولانا احمد علی کا انتقال ہو گیا

دَ عالم سړي لوئے غم دے مړ کيدَل
اور ایک عالم آدمی کا مر جانا عظیم حادثہ ہے

لوئے دولت دَ دہ وجود و قوم دَ پارہ
آپ کا وجود گرامی قوم کے لیے بڑی دولت تھی

ښنگہ خہ بہ وَہ کہ دے ژوندے وے تَل
کیا ہی اچھا ہوتا اگر آپ کو پائندگی ہوتی

دہ کښې عيب نہ وُ دَ نورو خلقو غوندې
آپ میں ایسا کوئی عیب نہیں تھا جو اور لوگوں میں ہوتے ہیں

بے لہ دے دہ لہ هم وو فنا کیدل
بجز اس اک عیب کے کہ آپ بھی فانی تھے
پاکیزہ ژوند یئے و داسے حقیقت کبن
فی الحقیقت آپ کی زندگی ایسی برگزیدہ تھی
جاری وہ چینه دعلم اود عمل
جس سے علم و عمل کا چشمہ جاری تھا
ناسته ملاسته یئے یادوکبن دخدائے وہ
اٹھتے بیٹھتے ذکر الہٰی آپ کا شعار تھا اور
مشغولا یئے خوگه وہ قرآن خودل
اور آپ کا عزیز ترین مشغلہ درس قرآن مجید تھا
په خبرو کبن یئے نور او حکمت دکه و
آپ کی باتوں میں حکمت اور نور بھرا تھا
اضطراب به یئے سکون کبن که بدل
جس سے اضطراب سکون سے بدل جاتا تھا
پوه وه دد مجلس حلمو د پاره
آپ کی صحبت نوجوانوں کو سمجھ عطا کرتی تھی
دضعیف دپاره و دتوان موندل
اور ضعیفوں کو توانائی بخشتی تھی
دده مرگ او ژوندن دواړه دعزت وو
مرحوم کی موت و زیست ہر دو قابل ستائش تھی اور

مشال وه د هدايت تيرے کبن بل
تاریکیوں میں آپ کی ذات ہدایت کی روشن مشعل تھی

څه به وايے مرګ يو داسے حقيقت دے
کیا کہا جائے موت اک ایسی حقیقت ہے

نشته دے نه دَ هيچا خلاصے مونده ل
کہ اس سے کسی کو بھی رستگاری نہیں ہے

مرګه مرے شے ګورے نا عالم جاهل ته
اے موت! تجھے موت آجائے کہ تو عالم اور جاہل کو نہیں دیکھتی

په يو نرخ دِ واغسته فنا دِ کړل
تونے تو سب کو ایک بھاؤ خریدا اور فنا کر ڈالا

مبارک قبر خوستا لکه نافه دے
آپ کی قبر مبارک نافہ کی مانند ہے اور آپ کا

چه بيئے خاوره مشک کړه ستا حُسنِ عمل
حسنِ عمل بمنزلہ مشک ہے جس نے اُس کی مٹی کو خوشبودار کر ڈالا ہے

شه رحمت پر چه دے قبر کبن اوده دے
خُدا کی رحمت ہو اُس پر جو اس قبر کے اندر سویا ہے

دَ شرف خادر بيئے وُبے داغه تل
اور جس کے شرف کی چادر ہمیشہ بے داغ رہی ہے

○

مَاتَ بِخَیْرٍ مَوْلَانَا

(حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی)

کیا کیف کا عالم ہوتا تھا کیا لُطف کی بارش ہوتی تھی
جب خُطبہ و درس میں ہوتا تھا حق حق کی ہدایت فرمانا
کیا عشق کی گرما گرمی تھی، کیا فیض کی عام ارزانی تھی
ہر وعظ میں شعلہ بیانی سے اُفسردہ دلوں کو گرمانا
ہر ایک پہ مستی سرشاری ہر ایک کے دل کی سیرابی
وہ وجد میں ڈوبے لفظوں سے اک کیف کی بارش برسانا
اب نظریں ڈھونڈتی پھرتی ہیں اور کان ترستے رہتے ہیں
وہ شکل، نہ وہ الفاظ، نہ وہ اللہ کے گھر کا دیوانا
وہ فضل گیا، وہ فیض گیا، وہ بزم گئی، وہ رنگ گیا
تاریخِ وفات اس طرح کہو "مَاتَ بِخَیْرٍ مَوْلَانَا"
۱۳۸۱ھ

حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر

(علامہ انور صابری مدظلہٗ)

یہ فضا اللہ کی رحمت میں ڈھلتی جائے گی
خاکِ مرقد سے تری خوشبو نکلتی جائے گی
جو ترے الفاظ سے روشن ہوئی تھی دہر میں
آندھیوں میں بھی تری وہ شمع جلتی جائے گی
ہر نظر کو کیف تیرے دم سے ملتا جائے گا
رُوح تیرے سایۂ ایماں میں پلتی جائے گی
جس زمیں کو تو نے سینچا ہے خود اپنے خون سے
وہ زمین تفسیر کا سونا اُگلتی جائے گی
ذہن سے تا عمر جا سکتا نہیں تیرا خیال
یاد تیری حشر تک دل میں مچلتی جائے گی
ربطِ باہم کے مُبلّغ! تیرے فیضِ رُوح سے
ہند و پاکستان کی دُنیا بدلتی جائے گی
حق پرستوں کو محمدؐ سے جو ورثے میں ملی
گردنِ باطل پہ وہ تلوار چلتی جائے گی
قصرِ دیں کی سعی سے جو دیوار مستحکم ہوئی
زلزلوں کی زد میں آکر بھی سنبھلتی جائے گی
ہے یقین انورؔ کو تیرے ذکر کی برکات سے
جو بلا بھی سر پہ آئے گی وہ ٹلتی جائے گی

قِطعَۃٌ تَارِیخِیَّۃٌ لِرِحلَۃِ الشَّیخِ الاَجَلِ مَولانَا اَحمد علی رحمۃُ اللہ تعالیٰ

(حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی)

کَانَ فِی لَاھُورَ شَیخٌ مَّاجِدٌ — فَاضِلٌ فِی العِلمِ عَالٍ فِی العَمَلِ

لاہور میں ایک شیخ تھے بزرگ — علوم دین میں فاضل اعمال میں بلند پایہ

اَلمَعِیٌّ لَوذَعِیٌّ بَارِعٌ — مُتَّقٍ تَقوَاہُ فِی ذُروَی القُلَلِ

زیرک ذہین فائق — وہ متقی کہ ان کا تقویٰ بلندی میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر تھا

مُھتَدٍ ھَادٍ عَزِیزٌ فَضلُہٗ — اٰخِذُ الاَیدِی لِاَصحَابِ الزَّلَلِ

راہ شناس راہ نما بڑے فضل والے — لغزش والوں کے خاص دست گیر

مِفضَلٌ اَحمَدُ عَلِیُّ المُرتَضیٰ — قَد کَسَی الاَحبَابَ بِالتَّقوَی الحُلَلَ

بڑے فاضل مولانا احمد علی قدرت کے منتخب — جنہوں نے تعلق والوں کو تقویٰ کے حلّے پہنا دیئے

شَابَ سِنًّا صُورَۃً لٰکِنَّہٗ — عِندَ اِبطَالِ الخَنَی کَھلٌ بَطَلٌ

عمر میں صورت میں تو بوڑھے تھے لیکن — بدیوں کو باطل کرنے کے وقت بہادر پہلوان تھے

ھَاتِکُ الاَستَارِ عَن کَیدِ العِدیٰ — قَامِعُ البِدعَاتِ قَلَّاعُ الدَّجَلِ

مخالفین کی مکاریوں کے پردے چاک کرنے والے — بدعتوں کا قلع قمع کرنے والے اور دجل و فریب کی جڑیں

کَانَ مِن خُدَّامِ دِینِ اللہِ اِذ — مَالَ نَاسٌ نَحوَ لَاتٍ اَو ھُبَلَ

آپ ایسے وقت دین کے خادموں میں تھے جب — لوگ لات و ہبل کی طرف (یعنی شرک پر) مائل تھے

مَنْ اَتٰی فِیْ دَرْسِہٖ نَالَ الْھُدٰی
جو آپ کے درس میں شامل ہوتا ہدایت پالیتا تھا

وَانْجَلَی الْوَسْوَاسُ وَانْسَدَّ الْخَلَلُ
شبہات دور ہو جاتے اور ہر خلل ختم ہو جاتا

عَمَّ شُبَّانًا وَّشِیْبًا فَیْضُہٗ
آپ کا فیض جوانوں اور بوڑھوں کو عام تھا

کُلُّ اِشْکَالٍ لَّھُمْ مِنْہُ اضْمَحَلّ
ان کا ہر اشکال درس سے مٹ جاتا تھا

یَوْمُہٗ عِلْمٌ وَّذِکْرٌ دَائِمًا
آپ کا دن تو علم اور مسلسل ذکر تھا

لَیْلُہٗ فِی الشُّغْلِ بِاللّٰہِ اشْتَغَلْ
اور رات اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغولی میں صرف تھی

قَلْبُہُ التَّنُّوْرُ مِنْ نَّارِ الْجَوٰی
آپ کا دل عشق الٰہی کی آگ سے تنور تھا

کَانَتِ الْاَلْفَاظُ مِنْہَا کَالشُّعَلْ
اسی کی وجہ سے آپ کے الفاظ شعلوں کی طرح اثر والے تھے

جَازِہٖ یَارَبِّ عَنَّا خَیْرَ مَا
پروردگار ہماری طرف سے ان کو وہ بہترین جزا دیجئے

جُوْزِیَ الْاَبْرَارُ فِیْ اَعْلَی الْمَحَلّ
جو نیک لوگوں کو اعلیٰ مرتبوں میں دی جاتی ہیں

رَاحَ فِیْ رَوْحٍ وَّرَیْحَانٍ لَّہٗ
آپ تو اللہ کی رحمت اور چمن میں پہنچ گئے

وَاِلٰی رَبِّیْ تَعَالَی الْمُرْتَحَلْ
اور میرے پروردگار کی طرف ہی سب کا سفر ہے

قَالَتِ الْاَحْبَابُ فَیْضٌ فَائِتٌ
دوستوں نے کہا کہ بڑا فیض فوت ہو رہا ہے

قُلْتُ بِالرَّوْحِ وَبِالرِّضْوَانِ حَلّ
میں نے عرض کیا مگر وہ تو رحمت اور رضائے الٰہی میں نازل ہو گئے

اٰبَ جَآءٍ بَادَ زُھْدٌ کَامِلٌ
آنے والے واپس ہو گئے زہد کامل رخصت ہو گیا

اٰہِ شَیْخٌ زَاھِدٌ حِبْرٌ رَحَلْ
آہ ایک بزرگ زاہد فاضل سفر کر گیا

○

تاریخ ہائے رحلت

ملک کے نامور ادیبوں نے حضرتؒ کی تاریخ ہائے وفات لکھیں۔ جن میں سے چند پیش کی جاتی ہیں:۔

بارغِ اربابِ کشف سے آخر — بُلبلِ قُدس اُڑ گیا ہیہات
۱۶۰۹ – ۲۲۸ = ۱۳۸۱ھ

گلستانِ حدیث و قرآں سے — آج احمدؒ چلے گئے افسوس
۱۴۳۴ – ۵۳ = ۱۳۸۱ھ

وفاتِ مُفسّرِ قرآن احمد علیؒ
۱۳۸۱ھ

امیرِ انجمن خدّام الدین بمرد
۱۳۸۱ھ

غفر اللہ لہٗ
۱۳۸۱ھ

(مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی)

وصف کی صورت ہے تاریخِ وصال
رہبرِ راہ خُدا احمد علی
۱۳۸۱ھ

تڑپ کے بجلی فلک پہ چیخی — کہ عالمِ دینِ حق اُٹھا اب
کہا یہ بادل نے رو کے حسرت — چراغِ احمد علی بجھا اب
۱۳۸۱ھ

فکرِ عُروجِ دینِ حق، بندوں کی آزادی کا غم
کیا خوب تھا کیا خوب تھا، تیرا چلن احمد علیؒ
ہم کو رِدا کی فکر کچھ لاحق نہیں تیرے لیے
ہے ریشمی رومال، جو بہرِ کفن احمد علیؒ
۱۳۸۱ھ

مصرعۂ تاریخِ رحلت خوب ذوقی نے کہا
مرحبا کیفِ بہارِ خُلد ہے احمد علی
۱۳۸۱ھ
(نصرت قریشی)

گُجا روی پیر و مرشدِ من
کہ من نیابم سُراغِ کعبہ
چرا خموش اند دوستانم
بگو کہ گل یک چراغِ کعبہ
۱۳۸۱ھ

شمع را بگُشت آہ بادِ اجل
۱۳۸۱ھ

حضرتؒ علماءِ کرام اور اکابرِ ملت کی نظر میں

تقریباً ہر دور میں اکثر اہل علم طبقاتی اور ذاتی کشمکش میں مبتلا رہے ہیں۔ لیکن حضرت مجددؒ تعالیٰ اس فتنہ سے بھی محفوظ رہے ہیں۔ حضرتؒ کا اپنا طرز عمل یہ تھا کہ آپ تمام اکابر کا احترام کرتے تھے کسی کو دکھ دینا آپ کی تعلیمات کا اصول تھا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ ہر طبقہ کے اکابر نے آپ کو سر آنکھوں پر بٹھایا۔ ذیل میں حضرتؒ کے بارے میں چند شاہیر کے ارشادات نقل کیے جاتے ہیں:-

حضرت شرقپوریؒ قطب دوراں حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ اکثر و بیشتر حضرتؒ کے درس قرآن میں شرکت کیا کرتے تھے۔ آپ نے بار ہا فرمایا:

"احمد علی اللہ کا نور ہے۔ میں شیرانوالہ کی طرف نگاہ کرتا ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے فرش زمین سے عرش بریں تک نور کی قندیلیں روشن ہیں اور دنیا کو منور کر رہی ہیں"

آج سے ۳۵ برس پیشتر حضرت شیخ التفسیرؒ شرقپور شریف لے گئے تو میاں صاحب علیہ الرحمۃ نے بصد اصرار آپ کو منبر پر بٹھایا اور آپ کی اقتدا میں نماز پڑھ کر آپ کے امام وقت ہونے کا اعلان کیا۔

حضرت علامہ انور شاہ محدث زمان حجۃ اللہ فی الارض علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ العزیز جن کے متعلق علامہ اقبال نے

فرمایا تھا۔ ع "نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں"۔ حضرتؒ کے کارہائے نمایاں کو اپنے اُوپر احسان سے تعبیر فرمایا کرتے تھے اور قیامِ لاہور کے دوران حضرت علیہ الرحمۃ کے ہاں ہی ٹھہرتے تھے۔

حضرت مولانا مدنیؒ امامِ دوراں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نور اللہ مرقدہٗ و قدس اسرارہم حضرت شیخ التفسیرؒ پر جی جان سے فدا تھے۔ آپ دورۂ حدیث کے اختتام پر دارالعلوم میں طلبا کو دستارِ فضیلت بندھواتے تو فرمایا کرتے :۔

"علم کی تحصیل آپ نے آٹھ سال دیوبند میں رہ کر کی لیکن آپ کی تکمیل حضرت مولانا احمد علیؒ کے دورۂ تفسیر سے ہو گی۔ اللہ کا ایک شیر لاہور کے دروازہ شیرانوالہ میں بیٹھا ہوا اللہ اللہ کی ضربوں سے کائنات کا دل مسخر کرنے میں مصروف ہے۔ وہ اللہ کا ایسا مقبول بندہ ہے کہ اس کے درسِ قرآن میں شمولیت جنت کی ضمانت ہے"۔

یہی وجہ تھی کہ حکیم الامت علامہ قاری محمد طیب صاحبؒ امت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند اور جامع شریعت و طریقت علامہ سید ابوالحسن ندوی مدظلہ العالی ایسے اصحاب فکر و نظر اور صاحب مقام علمائے وقت بھی آپ کے دورۂ تفسیر میں شامل ہوئے اور برکات و حسنات سے اپنی جھولیاں بھریں۔

قاضی عبدالرحمٰن قاضی عبدالرحمٰن صاحب بانی جامع مسجد عثمانیہ اوکاڑہ ضلع منٹگمری کا بیان ہے کہ میں نے حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی خدمت میں بیعت ہونے کی درخواست کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ لاہور میں قطب زماں

موجود ہیں۔ آپ اُن سے بیعت کر لیجئے" میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی۔

حضرت رائے پوریؒ حضرتؒ کے وصال پر پاک و ہند کے بہت بڑے عارف باللہ حضرت رائے پوریؒ کا یہ حال تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر روتے لگے اور عالم بے قراری میں فرمایا: "مجھے لاہور لے چلو" اگر ڈاکٹروں کا مشورہ مانع نہ ہوتا تو آپ اسی وقت لاہور آ جاتے۔

حضرت رائے پوریؒ نے "خدام الدین" کو مندرجہ ذیل پیغامِ تعزیت ارسال فرمایا تھا۔

"حضرت اقدس سیدی و مولائی احمد علی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی خبر وصال سُن کر سخت صدمہ ہوا۔ حضرت مرحوم بہت ہی بڑے بزرگ اور اولیاء اللہ میں سے تھے۔ ہمیں اس بات کا شدید صدمہ ہے کہ وہ ہم سے اوجھل ہو گئے۔ مگر کیا کریں۔ یہ بات ایک نہ ایک دن سب کو پیش آنے والی ہے۔ سب کو اسی راستے سے گزر کر اپنے مولائے حقیقی کے ہاں حاضر ہونا ہے۔ اور محل بقا جس کے بعد فراق نہیں اس کے واسطے اس راستے سے گزرنا ناگزیر ہے۔ حق تعالیٰ ہم کو بھی خاص الخاص قُرب سے نوازے اور اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔"

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ حاجی دین محمد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے سیّد صاحب سے حضرتؒ کا تذکرہ کیا تو انھوں نے فرمایا: "آپ کے شیخ کا رتبہ کیا عرض کروں۔ ایک سو سال پہلے اور ایک سو سال بعد تک مجھے اُن جیسی کوئی شخصیت نظر نہیں آتی۔"

مولانا داؤد غزنویؒ ۔ مولانا داؤد غزنویؒ نے حضرت کی وفات پر فرمایا کہ مولانا

احمد علیؒ کی وفات میرے لیے انتہائی صدمہ کا باعث ہے۔ مرحوم ملک کے ممتاز ترین علماء میں سے تھے۔ ان کے سانحۂ ارتحال سے ملّتِ اسلامیہ کو جو نقصان پہنچا ہے، وہ ناقابلِ تلافی ہے۔ مولانا مرحوم نے توحید و سُنّت کی اشاعت اور بدعات کو مٹانے کے لیے جو تکالیف برداشت کی ہیں۔ آج کے نوجوان علماء ان کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ جب تک یہاں انگریز رہا۔ مرحوم نے انگریزی استعمار کے خلاف جہاد جاری رکھا اور اس راہ میں تمام مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ میں نے انھیں ہر مرحلے میں مخلص، ہمدرد و رفیق پایا۔ آج ملّتِ اسلامیہ ایک عالم باعمل، مجاہد فی سبیل اللہ، عابد و زاہد اور علومِ قرآن کے مُبلّغ و معلّم سے محروم ہو گئی ہے۔ دُعا ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

جنابِ شورش کاشمیری ایڈیٹر ہفت روزہ "چٹان" نے جو اداریہ حضرتؒ کی وفات پر لکھا تھا اس کے چند اقتباسات ذیل میں درج ہیں:۔

وہ باحضور امام تھے کہ نمازی با سرور ہوتے اور دل خشیت الٰہی سے معمور ہو جاتے تھے۔ اُنھوں نے ہر گروہ کے دل میں اپنا گھر بنا رکھا تھا۔ وہ صحیح معنوں میں عالم باعمل تھے۔ تقریباً نصف صدی تک انھوں نے لاہور کو اپنے ذکر و اذکار کی جلوہ گاہ بنائے رکھا۔ یہیں ان کا ستارہ چمکا اور یہیں اس آفتاب نے سفرِ آخرت اختیار کیا۔ لاکھوں انسانوں نے اُن کی درس گاہ میں قرآن پڑھا۔ ہزاروں نے اُن سے تفسیر پڑھی۔ کوئی سو سے اوپر ایسے رسالے اُن کے قلم سے اشاعت پذیر ہوئے جن میں قرآن اور سُنّت کے اسباق تھے۔ اور جن کے مطالعہ سے لوگوں کی طبیعتوں میں اسلام راسخ ہُوا۔ یہ رسالے لاکھوں کی تعداد

میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ ان کے ہاں درشتی کا شوشہ تک نہ تھا۔ اُنھوں نے بدعات کے خلاف سخت احتجاج کیا۔ وہ دین کی راستی کے علمبردار تھے۔ لیکن ان کے قول و حکم سے کوئی شخص بھی آزردہ نہ ہوتا تھا۔ وہ ایک ماہر سرجن کی طرح نشتر چبھوتے اور فزیشن کی طرح علاج کرتے۔

انھوں نے اسلام کی سربلندی اور ملک کی آزادی کے لیے بارہا قید و بند کے شدائد کو انتخاب کیا۔ قاضی احسان احمد کی روایت ہے کہ ختم نبوت کی تحریک میں جب وہ ملتان جیل کی ایک تاریک کوٹھری میں تھے تو گلی کھڈی کا گرد و غبار ان کے چہرے کو اور بھی پر رونق کر رہا تھا۔ ان کے ہونٹوں پر ایک ہی دعا رہتی "میرے مولا! تیرے اور تیرے محبوب کے لیے جسم کیا جان بھی حاضر ہے۔ ہمیں اپنی راہ میں قربان ہونے کی توفیق وافر کر۔ جب تک ہم جئیں تیرے لیے جئیں اور جب مریں تو صرف تیری راہ مریں۔" قاضی صاحب کہتے ہیں کہ میں اُن کی کوٹھری کے پاس سے گزرتا تو معلوم ہوتا کہ اللہ کی بارگاہ میں سربسجود ہے یا پھر چاندنی اس پیکر خاکی کے گرد ہالہ کیے ہوئے ہے۔

اللہ کے ماسوا وہ کسی طاقت یا فرد کے خوف سے آشنا نہ تھے۔ سچی بات کہنا ان کا شعار تھا۔ ہر دور میں سچی بات کہتے رہے۔ اس اعتبار سے وہ راست بازوں کی اس صف کے نگین تھے جس سے تاریخ حریتِ اسلام کے اوراق جگمگا رہے ہیں۔ جن لوگوں نے ان کے خطبات سُنے ہیں، وہ شہادت دے سکتے ہیں کہ منبر رسول پر کھڑے ہو کر وہ کس سچائی اور اعتماد کے ساتھ اعلاء کلمۃ الحق کیا کرتے تھے۔ ان کلمات حق کی گرمی لاکھوں دلوں میں موجود ہے اور کوئی تذکرہ نویس ساز گار فضا میں انھیں گلدستۂ طاقِ نسیاں نہیں بنا سکے گا۔"

مطبوعہ فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ لاہور۔ باہتمام عبدالسلام پرنٹر اور پبلشر

رسول اللہؐ نے فرمایا

حدیث کی چھ مستند کتابوں (صحاح ستہ) کی وہ حدیثیں مع ترجمہ جو اسلامی عقائد، اخلاق اور اعمال کی ان شقوں سے متعلق ہیں جن سے ہمیں روزمرہ زندگی میں واسطہ پڑتا ہے اور جنھیں مشعلِ راہ بنا کر ہم صحیح اسلامی کردار سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا

خلیفۂ اوّل کے ارشادات، خطبات و مکتوبات کا نچوڑ جن میں دینی و اخلاقی مسائل بھی ہیں اور سیاست و حکومت کے رموز بھی۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا

خلافتِ راشدہ کے دُوسرے ستون حضرت فاروقِ اعظمؓ کے ارشاداتِ گرامی جو زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہیں۔ یہ عام مسلمانوں کے لیے بھی مشعلِ راہ ہیں اور اربابِ حکومت و سیاست کے لیے بھی۔

حضرت عثمانؓ نے فرمایا

خلیفۂ سوم حضرت عثمانؓ بن عفان کے اقوال و ارشادات کا مجموعہ جن پر عمل کر کے ہم اپنی زندگی کو اسلامی سانچے میں ڈھال سکتے ہیں۔

حضرت علیؓ نے فرمایا

خلافتِ راشدہ کے چوتھے ستون حضرت علیؓ کے ارشاداتِ گرامی جن میں حکمت و دانش کا سمندر موجزن ہے اور مسلمان زندگی کے ہر قدم پر ان سے راہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔

فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ

لاہور ۔ راولپنڈی ۔ کراچی

9 0 00198 1

Rs. 150.00